
نسیم حجازی

یوسف بن تاشفین

نسیم حجازی



فرحین پبلشنگ کمپنی F 3 کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

نام کتاب ——— یوسف بن تاشفین

مصنف ——— نسیم حجازی

ناشر ——— فرحین پبلیشنگ کمپنی

F3 کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— فرح آفسیٹ پرنٹرس دہلی

سالِ اشاعت ——— فروری ۱۹۹۶ء

قیمت ——— ساٹھ روپے Rs. 60/-

فرحین پبلیشنگ کمپنی F3 کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

سول ایجنٹ

ادبی دنیا ۵۱۰ مٹیا محل دہلی ۱۱۰۰۰۶

ھر قوم

اپنی عظمت کے تاج محل کو کسی شاہجہان کے خواب کی تعبیر سمجھتی ہے، لیکن ——— ہر تاج محل کی عظمت اُن خاموش معماروں کی مرہونِ احسان ہے جن کا پسینہ پتھر کو موتی کی چمک اور پھول کو رعنائی عطا کرتا ہے!

"یوسف بن تاشفین"

اُندلس کی تاریخ کا وہ باب ہے ———

- جو ایک قوم کے گمنام رضا کاروں کے خون اور پسینے سے لکھا گیا۔
- یہ اُن فرزندوں کی کہانی ہے جو آندھیوں اور طوفانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔
- یہ اُس وقت کی داستان ہے جب آلام و مصائب کی تاریک راتوں میں بھی اُمید کی قندیلیں بلند کی گئیں۔

یہ کتاب

ماضی کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم اپنا مستقبل بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
(اقبالؒ)

فہرست

نذر

آفتاب کی روشنی میں ہم ان ستاروں کو بھول جاتے ہیں جو رات کی تاریکی میں بھٹکنے والے قافلوں کو منزل کی راہ دکھاتے ہیں۔ ہر قوم کی فتوحات کسی رجلِ عظیم کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں اور مؤرخ کا قلم ہمیشہ ان گمنام سپاہیوں کا تذکرہ کرنے سے قاصر رہتا ہے جن کے خون کی روشنائی سے تاریخ کے نئے نئے عنوان لکھے جاتے ہیں۔ ہر قوم اپنی عظمت کے تاج محل کو کسی شاہجہان کے خواب کی تعبیر سمجھتی ہے لیکن ہر تاج محل کی عظمت ان خاموش معماروں کی مرہونِ احسان ہے جن کا پسینہ پتھر کو موتی کی چمک اور پھول کی رعنائی عطا کرتا ہے۔

یہ کتاب اندلس کی تاریخ کا وہ باب ہے جو ایک قوم کے گمنام رضاکاروں کے خون اور پسینے سے لکھا گیا ہے۔

یوسف بن تاشفین ایک آفتاب تھا جو اندلس کے مسلمانوں کے لیے آزادی اور مسرت کی صبح کا پیغام لے کر آیا تھا لیکن اس کی نمود ان گمنام مجاہدوں کی قربانیوں کا صلہ تھی جنھوں نے آلام و مصائب کی تاریک راتوں میں اُمید کی قندیلیں بلند کی تھیں

میں یہ کتاب ملت کے ان فرزندوں کی نذر کرتا کرتا ہوں جو ہماری تاریخ کے ہر دَور میں وقت کی آندھیوں اور طوفانوں سے برسرِ پیکار رہے ہیں جن کی بے لوث قربانیوں کے طفیل ہمارا ماضی قابلِ فخر ہے اور جن کی جرأت و ہمت ہمارے مستقبل کی ضامن ہے۔

ایبٹ آباد
۲۴ فروری ۱۹۵۱ء

نسیم حجازی

عبدالمنعم اور اُس کے بیٹے

"سعد، احمد ٹھہرو!" ایک قوی ہیکل آدمی نے جس کے ساتھ ایک کم سن لڑکا سست رفتار سے چل رہا تھا، اپنے آگے جانے والے دو لڑکوں کو آواز دی۔ سعد اور احمد ایک چھوٹے سے کھڈ کو عبور کرنے کے بعد ایک باغ کی شکستہ چار دیواری کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ مڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھنے لگے۔ قوی ہیکل آدمی جس کی عمر کوئی چالیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی ان کے قریب پہنچ کر بولا "حسن بہت تھک گیا ہے!"

ایک لڑکے نے جو عمر میں دوسرے لڑکوں سے بڑا معلوم ہوتا تھا، جواب دیا۔ "ماں! چچا ہم مدینۃ الزہرا سے ہو کر جائیں گے!" پھر وہ حسن کی طرف متوجہ ہو کر بولا "حسن! تم تھک گئے ہو؟"

حسن نے جواب دیئے بغیر اپنی کمان زمین پر پھینک دی اور گلے سے ترکش اُتارتے ہوئے منہ بسور کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

قوی ہیکل آدمی اس کے قریب ایک درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ٹانگیں دراز کرتے ہوئے بولا "دیکھو بھئی تم بھی تھوڑی دیر یہاں سستا لو۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر سیدھے گھر چلیں گے!"

"تم بھی تھک گئے چچا؟" سعد نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"واہ بھئی! میں بھی کوئی بچہ ہوں کہ تمہارے ساتھ آٹھ دس میل چل کر تھک جاؤں!"

احمد نے ہنستے ہوئے کہا "دیکھا اجی ہم خواہ دو میل ہی چلیں لیکن چچا الماس ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ ہم دس میل طے کر چکے ہیں!"

حسن نے قدرے بگڑ کر کہا "چچا الماس ٹھیک کہتا ہے۔ ہم دس میل سے بھی زیادہ چلے ہیں۔"

احمد نے کہا "حسن! میں نے نہیں کہا تھا کہ تم تھک جاؤ گے، اس لیے گھر پر ہی رہو۔ تمہاری وجہ سے ہم زیادہ دُور نہ جا سکے، ورنہ شکار ضرور ملتا۔"

"جی واہ! خود تو پہاڑی پر نہیں چڑھ سکے اور کہتے ہیں کہ میری وجہ سے شکار نہیں ملا"

سعد نے کہا "اچھا حسن یہ بتاؤ کہ اب یہاں سے سیدھے گھر چلیں، یا الزہرا کی سیر کا شوق ہے؟"

حسن نے معصومانہ انداز میں جواب دیا "وہاں کسی دن گھوڑوں پر سوار ہو کر جائیں گے۔ اب اگر وہاں گئے تو گھر پہنچنے میں دیر ہو جائے گی!"

احمد نے کہا "کل ایک میل کا فرق پڑے گا۔ اس باغ سے آگے ندی ہے اور ندی کے پار مدینۃ الزہرا کے محلات شروع ہو جاتے ہیں۔"

"اچھا چلو!" حسن نے بادلِ نخواستہ اُٹھ کر اپنی کمان اور ترکش سنبھالتے ہوئے کہا

چچا الماس جو اب اُونگھ رہا تھا بولا "حسن! ان کی باتوں میں نہ آؤ! یہ تمہیں شام تک یہاں پھراتے رہیں گے۔ وہاں کوئی نئی چیز تو ہے نہیں جو تم نے نہیں دیکھی۔"

حسن نے چچا الماس کی مداخلت کو غنیمت سمجھا اور دوبارہ اسی پتھر پر بیٹھ گیا۔

حسن کی عمر سات سال تھی اور وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ شکار کے لیے آیا تھا۔ احمد اس سے تین سال اور سعد پانچ سال بڑا تھا۔ الماس ان کا نوکر تھا اور وہ اُسے چچا الماس

کہا کرتے تھے۔ چچا کا لفظ الماس کے ساتھ اس قدر مانوس معلوم ہوتا تھا کہ پڑوس کے چھوٹے بڑے سب اُسے چچا الماس ہی کہتے تھے۔

چند لمحے یہ تینوں بھائی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اچانک احمد نے الماس کی طرف اِشارہ کیا۔ وہ گہری نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔

سعد نے کہا "چلو پہلے یہ باغ دیکھتے ہیں!"

حسن نے پتھر سے اتر کر زمین پر لیٹتے ہوئے کہا "تم جاؤ میں نہیں جاؤں گا!"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو ہم ابھی آجائیں گے۔ آؤ احمد!"

سعد اور احمد باغ میں داخل ہوئے۔ شکستہ چار دیواری سے آگے ایک اُجاڑ حویلی تھی جس کے اندر پرانی وضع کے مکانات نظر آتے تھے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد انہیں دیوار کے پار لڑکوں کا شور اور قہقہے سنائی دیے۔ وہ اچانک رُک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ سعد نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا: "یہ الزہرا کے لڑکے ہوں گے چلو دیکھتے ہیں وہ یہاں کیا کر رہے ہیں!"

تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے باغ کے دروازے میں کھڑے اندر جھانک رہے تھے۔ اس باغ کی حالت پہلے باغ کی بہ نسبت اچھی تھی۔ سیب کے درخت پھل سے لدے ہوئے تھے۔ ایک سرے پر ایک وسیع محل تھا، جس کا بیشتر حصہ پیوندِ زمین ہو چکا تھا۔ باقی حصے کی شکستہ چھتیں اور ٹوٹے ہوئے دروازے ظاہر کر رہے تھے کہ یہ مکان ایک مدت سے غیر آباد ہے۔ باغ میں ایک تالاب تھا جس کے درمیان سنگِ مرمر کی بارہ دری تھی۔ چاروں طرف سے سُرخ پتھر کی سلیں اس بارہ دری تک پہنچنے کے لیے پُلوں کا کام دیتی تھیں۔ بارہ دری کے ایک کونے میں فرش سے کوئی دو بالشت اُونچا سنگِ مرمر کا ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا۔ کوئی پندرہ لڑکے اس بارہ دری میں جمع ہو کر شور مچا رہے تھے۔ یہ سب سیب کے گھنے درختوں

کی طرف دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک لڑکا جس کے ہاتھ میں لکڑی کا عصا تھا، نمودار ہوا اور اس نے تالاب کے کنارے پہنچ کر بلند آواز میں کہا "سلطانِ معظم تشریف لا رہے ہیں!"

سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "احمد یہ بادشاہ اور رعایا کا کھیل کھیل رہے ہیں!"

"بیوقوف کہیں کے؟" احمد نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

درختوں کے جھنڈ سے ایک اور لڑکا نمودار ہوا جس کے سر پر بالشت بھر اونچی ٹوپی تھی، لڑکوں نے اُسے دیکھ کر قہقہہ لگایا لیکن جب وہ بارہ دری کے پاس پہنچا تو سب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ٹوپی والا لڑکا چبوترے پر بیٹھ گیا اور باقی سب نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ بعض لڑکے ابھی تک ہنس رہے تھے لیکن ٹوپی والے وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد دربار کی کاروائی شروع ہوئی۔ ایک ٹی چھوٹی نظم پڑھی۔ اس نے ابھی نظم ختم نہیں کی تھی کہ باغ کا ملی سیبوں کی ایک ٹوکری اُٹھائے تالاب کے کنارے پہنچ کر بلند آواز میں بولا "بھیجے

محفل میں پھر ایک بار تھوڑی دیر کے لیے قہ

بجانی پڑی۔ مالی جواب نہ پا کر آگے بڑھا اور

قریب چبوترے پر رکھ دی۔ بادشاہ نے غصے میں آکر

دربار برخاست کر دوں گا!"

لڑکے پھر سنجیدہ ہو گئے۔ مشاعرہ پھر شروع ہوا۔ کوئی اپنا اور کوئی قرطبہ سے مشہور و معروف شعرا کا کلام سنا رہا تھا اور نقلی بادشاہ ہر شاعر کو دو دو سیب انعام دے رہا تھا۔

سعد اور احمد تالاب کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ لڑکوں میں سے کسی نے انھیں

دیکھ لیا۔ تھوڑی دیر میں تمام لڑکے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کسی نے کہا "ارے یہ کون ہیں؟"

دُوسرے نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "یہ پہاڑی ڈاکو ہیں اور ہمارے بادشاہ پر حملہ کرنے کے لیے آتے ہیں!"

نقلی بادشاہ نے حکم دیا۔ "ان ڈاکوؤں کے ترکش اور کمانیں چھین لو اور انھیں گرفتار کر لو!"

ایک لڑکا جو اس ڈرامے میں سپہ سالار کا پارٹ کر رہا تھا اٹھ کر بولا "عالی جاہ! اگر انھوں نے تیر چلا دیے تو؟ وہ تو بالکل جنگلی معلوم ہوتے ہیں!"

ایک اور لڑکا اٹھ کر بولا "ہمارا سپہ سالار بزدل ہے۔ اس لیے آپ خود اُن کا مقابلہ کریں ورنہ رعایا کہے گی کہ بادشاہ بھی بزدل ہے!"

نقلی بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔ سعد اور احمد کے کانوں تک ان لڑکوں کی گفت گو کے چند الفاظ پہنچ چکے تھے۔ احمد نے آہستہ سے کہا "اخی چلو واپس چلیں!"

"تم ان سے ڈرتے ہو؟" سعد نے بگڑ کر کہا۔

احمد نے ذرا تلخ ہو کر جواب دیا "کون کہتا ہے کہ میں ان سے ڈرتا ہوں!"

"آؤ پھر!" سعد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

احمد اپنے بھائی کے ساتھ آگے بڑھا اور وہ تالاب کی مینڈھ پر بیٹھ کر بے پروائی سے نقلی بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگے۔

نقلی بادشاہ نے دبی زبان میں باقی لڑکوں سے کہا "آؤ ہم چپکے سے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں۔ پھر میں ان کے ساتھ باتیں کروں گا اور تم ان کی کمانیں چھین لینا!"

تھوڑی دیر میں تمام لڑکے بارہ دری سے نکل کر سعد اور احمد کے گرد جمع

ہو گئے۔ نقلی بادشاہ ویسے بھی اپنی عمر اور موٹاپے کے باعث اس گروہ کا لیڈر معلوم ہوتا تھا۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" اس نے سعد اور احمد کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

"ہم قرطبہ سے آئے ہیں۔" سعد نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہم تمہارا تماشا دیکھ رہے تھے۔"

ان لڑکوں میں سے سعد کا ایک ہم عمر جس کے سر پر مخمل کی سُرخ ٹوپی تھی ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ "تم ہمارے ساتھ کھیلو گے؟"

سعد نے جواب دیا۔ "نہیں ہمیں تمہارا کھیل پسند نہیں۔"

"کیوں؟" اس نے سوال کیا۔

"تم شاعروں اور بادشاہوں کی نقل کرتے ہو۔"

"تم شاعر نہیں ہو؟"

"نہیں مجھے شاعری سے نفرت ہے۔"

"کیوں؟"

"شاعری ایک سپاہی کو آرام طلب اور بُزدل بنا دیتی ہے۔"

نقلی بادشاہ نے کہا۔ "یہ کون کہتا ہے؟"

"میرے ابا جان کہا کرتے ہیں۔"

"پھر تمہارا ابا کوئی جنگلی ہو گا؟"

سعد کا چہرہ تمتا اٹھا۔ تاہم اس نے غُصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "کسی کے باپ کے متعلق ایسے الفاظ کہنا بُزدل اور کمینے لڑکوں کا کام ہے!"

اب نقلی بادشاہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ حملے کے لیے تیار نہ

تھے۔ سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے اس مرحلے پر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کون سا کھیل پسند ہے؟"

سعد نے جواب دیا۔ "ہمیں شہسواری، نیزہ بازی، تیراندازی اور تیغ زنی پسند ہیں۔"

اب احمد کی باری تھی۔ وہ بولا۔ "ہم درختوں پر بھی چڑھ سکتے ہیں اور تیرنا بھی جانتے ہیں۔"

"تم اس درخت پر بھی چڑھ سکتے ہو؟" ایک لڑکے نے سوال کیا۔

احمد نے اثبات میں سر ہلایا۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔ "تم پڑھنا بھی جانتے ہو؟"

"کیوں نہیں؟" سعد نے جواب دیا۔

نقلی بادشاہ نے سوال کیا۔ "کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں تم نے؟"

اس کے جواب میں سعد نے دینیات، تاریخ اور ریاضی کی چند کتابوں کے نام سُنا دیے۔ اس پر اپنے ساتھیوں کو مرعوب ہوتا دیکھ کر نقلی بادشاہ نے کہا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو!"

سعد اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "اگر تم نے پھر مجھے جھوٹا کہا تو میں تمہیں پیٹوں گا!"

نقلی بادشاہ چلایا۔ "انھیں پکڑ لو!"

دو لڑکوں نے اچانک حملہ کر کے احمد کے ہاتھ سے کمان چھین لی۔ تین لڑکوں نے سعد پر جھپٹنے کی کوشش کی لیکن وہ اچانک جست لگا کر ایک طرف ہٹ گیا، باقی لڑکوں نے اس کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ آنکھ جھپکنے کی دیر میں ترکش سے تیر نکال کر اپنی کمان سیدھی کر چکا تھا۔ حملہ آور اب آگے بڑھتے

کی بجائے سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ وہ لڑکے جنہوں نے احمد کی کمان چھینی تھی، اب اس کے ترکش سے تیر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ گھونسوں اور مکوں سے اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ سعد کمان سیدھے کیے چند قدم آگے بڑھا تو وہ بھی ایک طرف ہٹ گئے۔

سعد نے کہا "دیکھو کمان پھینک دو۔ ورنہ میں تیر چلا دوں گا!"

اس نے اپنا فقرہ پورا نہیں کیا تھا کہ ایک لڑکے نے احمد کی چھینی ہوئی کمان پھینک دی۔

احمد نے آگے بڑھ کر اپنی کمان اٹھالی اور تیر چڑھا کر اپنے بھائی کے قریب کھڑا ہو گیا۔ سعد نے آہستہ سے کہا "احمد دیکھو کہیں تیر چھوڑ نہ دینا!"

نقلی بادشاہ انتہائی پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ سعد نے اسے اور زیادہ پریشان کرنے کے لیے تیر کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ سرخ ٹوپی والا لڑکا آگے بڑھ کر چلایا: "دیکھو بھئی! یہ تمہارے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔ کہیں تیر چلا نہ دینا! اس کا باپ سپہ سالار ہے۔ اگر یہ زخمی ہو گیا تو سپاہی تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے؟"

سعد نے جواب دیا "اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں سچ مچ تیر چلا دوں گا۔"

دو تین چھوٹی عمر کے لڑکے باغ کے دروازے کے قریب پہنچ کر دہائی مچا رہے تھے۔

سعد نے نقلی بادشاہ سے کہا "اب تمہاری سلطنت پر میرا قبضہ ہو چکا ہے اب میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس تالاب میں چھلانگ لگا دو!"

سرخ ٹوپی والا لڑکا پھر چلایا "نہیں نہیں یہ تالاب گہرا ہے۔ اسے تیرنا نہیں

آتا۔ یہ ڈوب جائے گا۔"

باغ کے بوڑھے مالی نے پہلے تو اسے ایک مذاق سمجھا۔ لیکن نقلی بادشاہ کی حالت دیکھ کر اس نے آگے بڑھ کر سعد سے کہا "صاحبزادے! کسی نہتے کو تیر سے ڈرانا بہادری نہیں، اگر تمہیں لڑنے کا شوق ہے تو دونوں خالی ہاتھ مقابلہ کر لو!"

"مجھے لڑنے کا شوق نہیں۔ لیکن اگر اسے لڑنے کا شوق ہے تو میں خالی ہاتھ بھی اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے احمد کے قریب اپنی کمان رکھ دی اور پھر ترکش اتار کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا "احمد تم ہوشیاری سے دوسرے لڑکوں کا خیال رکھو!"

نقلی بادشاہ کا نام زیاد تھا۔ جسم کے اعتبار سے وہ سعد سے ڈیڑھ گنا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی ریشمی ٹوپی اور قبا اتار کر ساتھی کے حوالے کی اور آستینیں چڑھا کر سعد کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ کشتی شروع ہوئی اور باقی لڑکے جو دور دور ہٹ گئے تھے قدرے مطمئن ہو کر ان کے گرد جمع ہو گئے لیکن تین لڑکے جو دروازے کے قریب پہنچ کر شور مچا رہے تھے۔ وہیں کھڑے رہے۔

پہلی جھپٹ میں زیاد نے سعد کو پٹخ دیا اور زیاد کے ساتھی خوشی سے چلانے لگے لیکن سعد فوراً کھڑا ہو گیا۔ زیاد نے اسے سنبھلنے کا موقع دینے سے پہلے ہی اس کے منہ پر گھونسا رسید کر دیا اور سعد اس ضرب کی شدت کے باعث ڈگمگاتا ہوا دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سرخ ٹوپی والا لڑکا چلایا "دیکھو زیاد! تم کشتی کی بجائے لڑائی کر رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں!"

زیاد کا دوسرا مکا سعد نے اپنے بازو پر روکا اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے دو مکے اس کی گردن پر رسید کر دیے۔ اس کے بعد دونوں پھر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

(۲)

باغ سے باہر سعد اور احمد کا چھوٹا بھائی حسن ان کے انتظار اور الماس کے خراٹوں سے تنگ آکر اُٹھا اور باغ کی طرف چل دیا۔ پہلے باغ کو عبور کرتے ہوئے اُسے دوسرے باغ کی چار دیواری کے اندر لڑکوں کا شور سُنائی دیا تو وہ پوری رفتار سے بھاگا۔ دوسرے باغ میں داخل ہوتے ہی جب اس نے اجنبی لڑکوں کے درمیان سعد کو زیاد کے ساتھ کشتی لڑتے دیکھا تو وہ کسی تفتیش کے بغیر کمان پھینک کر اُن تین لڑکوں پر ٹوٹ پڑا جو دروازے کے پاس کھڑے دہائی مچا رہے تھے۔ اُن میں سے ایک اس کا ہم عمر اور دو ذرا بڑے تھے۔ حسن کا پہلا مُکّا ایک لڑکے کے منہ پر لگا اور وہ چیختا چلاّتا سیب کے درختوں کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے لڑکے پر حملہ کیا۔ اس نے مُکّے کا جواب مُکّے سے دیا۔ تیسرے لڑکے نے امن پسندی کا ثبوت دیا اور وہ اپنے ساتھی کو حسن کے مقابلے میں تنہا چھوڑ کر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار پر چڑھ گیا۔ حسن اپنے مدِّمقابل کے ساتھ دیر تک لڑتا رہا۔ دونوں کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ دونوں کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ لیکن کوئی ہار ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ دیوار پر کھڑے ہو کر چلاّنے والے لڑکے نے سعد اور زیاد کی لڑائی دیکھنے والوں کو اس طرف متوجہ کیا اور سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے بھاگ کر انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔ حسن کی ایک آنکھ سُوجی ہوئی تھی اور اُس کے مدِّمقابل کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا ”ارے تم کیوں لڑ رہے ہو۔“

حسن کے مدِّمقابل نے جواب دیا ”اس سے پوچھو میں نے اسے کیا کہا تھا کہ اس نے آتے ہی مجھ پر حملہ کر دیا!“

حسن بولا ”اور تم میرے بھائیوں کے ساتھ کیوں لڑائی کرتے ہو؟“

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا ”اچھا وہ تمہارے بھائی ہیں؟ ارے وہاں

تو کشتی ہو رہی ہے۔“

حسن نے احمد کو تالاب کی منڈیر پر اطمینان سے کھڑے دیکھا۔ تو اسے تسلّی ہوئی۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا ”آؤ تم بھی کشتی دیکھو!“

اتنی دیر میں سعد اپنے مدِّمقابل کو مغلوب کر چکا تھا۔ تاہم اس کے منہ پر مُکّوں کے نشان دیکھ کر حسن کے لیے خاموش رہنا مشکل تھا۔ وہ تمام لڑکوں سے زیادہ شور مچا رہا تھا:

”بھائی جان ایک اَور مارو! زور سے مارو بھائی جان زور سے! ناک پر مارو ناک پر! ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ایک آنکھ پر بھی مارو!“

زبان کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی حرکت کر رہے تھے اور بوڑھا مالی اُس کی حرکات و سکنات دیکھ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

بالآخر زیاد پیٹھ کے بل گر پڑا اور اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہ کی۔ بوڑھے مالی نے سعد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا ”بس اب تم جیت گئے ہو۔ اب تم ان کے بادشاہ ہو!“

سعد نے ہانپتے ہوئے جواب دیا ”میں سپاہی بننا چاہتا ہوں۔“

زیاد اٹھا اور مالی سے اپنی قبا لے کر لڑکھڑاتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ مالی نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا ”یہ اپنی ٹوپی بھی لے لیجیے!“ زیاد نے مُڑ کر مالی کے ہاتھ سے ٹوپی لے لی لیکن سر پر رکھنے کی بجائے ایک طرف کو پھینک دی۔ پانچ لڑکے اس کے ساتھ چل دیے لیکن باقی وہیں کھڑے رہے۔ سعد، احمد کے پاس تالاب کی منڈھ پر بیٹھ گیا۔

ایک لڑکے نے زمین پر پڑی ہوئی ٹوپی اُٹھالی اور اسے جھاڑ کر مالی کے سر

پر رکھتے ہوئے کہا "مالی! ہمارے بادشاہ کا تاج اب تمہارے حصے آیا ہے۔"

لڑکے ہنسنے لگے اور مالی نے ٹوپی اتار کر واپس دیتے ہوئے کہا "نہیں جناب ایسا تاج پہننے سے میری ہزار بار توبہ۔ یہ لے جاؤ اور اس کے گھر پہنچا دو۔"

دوسرے لڑکے نے کہا "نہیں بھئی یہ اسحاق کو دے دو۔ وہ اپنے باپ سے نوا کر لایا ہے۔" اسحاق الزہرا کے ایک مشہور درزی کا لڑکا وہیں موجود تھا لیکن وہ اس ٹوپی کو ہاتھ لگانے کیلئے تیار نہ تھا۔

بالآخر مالی نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "ہم اس ٹوپی پر تمہارا نشانہ دیکھتے ہیں میں اسے یہاں سے تیس قدم کے فاصلے پر رکھتا ہوں۔"

سعد نے بے پروائی سے جواب دیا "تیس قدم سے تو حسن بھی اسے نشانہ بنا سکتا ہے۔ تم اسے ہوا میں اچھالو میں اس کا نشانہ کروں گا۔"

"اچھا بھئی دیکھتے ہیں یہ بھی۔" مالی یہ کہہ کر چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور سعد نے کمان میں تیر چڑھا لیا۔ لڑکے دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مالی نے ٹوپی ہوا میں اچھالی۔ سعد نے تیر چلایا۔ تیر زمین سے چند گز اوپر ٹوپی میں لگا اور اُسے اپنے ساتھ ہی نیچے لے آیا۔ مالی "آفرین آفرین" کہتا ہوا بھاگا اور تیر اور ٹوپی اٹھا لایا۔ بعض لڑکے کھل کر اور بعض دبی زبان سے سعد کو داد دے رہے تھے۔

سعد نے مالی سے کہا "اب تم اس ٹوپی کو اپنے سر پر رکھو۔ میں نشانہ کرتا ہوں۔"

مالی نے معصومانہ انداز میں کہا "کیوں جی میں نے آپ کا کیا قصور کیا ہے؟"

حسن نے آگے بڑھ کر مالی کو تسلی دیتے ہوئے کہا "ڈرو نہیں۔ بھائی جان تو میرے سر پر سیب رکھ کر نشانہ لگا لیا کرتے ہیں۔"

مالی نے کہا "دیکھو بھائی! اگر سیبوں کا نشانہ کرنا چاہتے ہو تو وہ سامنے درخت ہیں۔ وہاں سے جتنے سیب چاہو چھید ڈالو۔ لیکن میں اس حماقت کے لیے تیار نہیں۔"

احمد اُٹھ کر آگے بڑھا اور اس نے مالی کے ہاتھ سے ٹوپی لے کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا "بھائی جان میں کھڑا ہوتا ہوں۔"

جب سعد ٹوپی پر نشانہ کر رہا تھا، تو مالی نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ جب تک اسے یقین نہ ہوا کہ خطرہ ٹل چکا ہے اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ پھر وہ سعد کو سمجھا رہا تھا "میاں صاحبزادے! تمہارا نشانہ واقعی بہت اچھا ہے لیکن خدا کے لیے دوسروں کے سر پر اس کی مشق نہ کیا کرو!"

سُرخ ٹوپی والا تالاب کے پانی سے اپنا رومال بھگو کر حسن کی آنکھ پر ٹکور کر رہا تھا یہ دیکھ کر احمد بھی اپنے رومال سے اس لڑکے کی ناک کا خون صاف کرنے لگا جس کے ساتھ حسن نے طاقت آزمائی کی تھی۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے حسن سے سوال کیا "تمہارا نام کیا ہے؟"

"حسن" اس نے جواب دیا۔

"اور وہ دونوں تمہارے بھائی ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"کتنے خوش قسمت ہو تم۔ تمہارے بھائیوں کے نام کیا ہیں؟"

"ان کا نام سعد ہے اور ان کا نام احمد ہے" حسن نے یکے بعد دیگرے دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے ان لڑکوں کے ساتھ مزید تعارف کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "میرا نام ادریس ہے۔ ادریس بن عبدالجبار۔ تمہارے ابا جان کا کیا نام ہے؟"

"عبدالمنعم" حسن نے جواب دیا۔

سعد نے پہلی بار حسن کی طرف غور سے دیکھا "ارے حسن تمہاری یہ حالت کس

نے بنائی ہے؟"

حسن کی خاموشی پر ادریس نے جواب دیا "اس نے بھی کشتی کی ہے"۔

"کس کے ساتھ؟"

ادریس نے دوسرے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کے ساتھ معلوم نہیں کب سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ میں نے انھیں بڑی مشکل سے چھڑایا تھا"۔

دوسرے لڑکے نے فریادی ہو کر کہا "میں نے اس کے ساتھ لڑائی نہیں کی۔ یہ بھاگتا ہوا باہر سے آیا اور آتے ہی اس نے پہلے ولیدؔ کو مُکّا مارا۔ وہ بھاگ گیا تو مجھ پر حملہ کر دیا"۔

حسن نے کہا "یہ شور مچا رہے تھے پکڑ لو، مارو، گھیر لو، میں سمجھا لڑائی ہو گئی ہے"۔

ساتھ والے باغ سے الماس کی آوازیں سنائی دیں "سعد! احمد! حسن! کہاں گئے تم؟"

سعد نے بلند آواز میں جواب دیا "ہم آ رہے ہیں چچا!"

رخصت ہونے سے پہلے سعد نے ادریس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کا کھیل خراب ہوا۔ ہم لڑنے کی نیت سے اِدھر نہیں آئے تھے"۔

ادریس نے جواب دیا "آپ کو افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کے آنے سے جو کھیل ہم نے دیکھا ہے وہ زیادہ دل چسپ تھا"۔

الماس باغ کے دروازے سے نمودار ہوا اور اس نے وہیں رُک کر بلند آواز میں کہا "میں سمجھتا تھا تم شاید گھر چلے گئے ہو۔ بہت پریشان کیا تم نے۔ اب آؤ!"

جب یہ تینوں بھائی چل پڑے تو مدینۃ الزہرا کے لڑکے بارہ دری میں سیبوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک لڑکے نے پیچھے سے آواز دی "ٹھہریے! اپنے حصّے کے سیب لیتے جائیے"۔

سعد نے مڑ کر جواب دیا "نہیں شکریہ! سیب ہمارے باغ میں بہت ہیں"۔

ادریس کچھ دیر اُن کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ باغ کے دروازے پر رُک کر الماس کو اپنی سرگزشت سُنا رہے تھے تو ادریس کچھ سوچ کر تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور اس نے کہا "آپ بہت تھک گئے ہوں گے۔ میرے ساتھ گھر تک چلیں۔ وہاں سے آپ کو ہمارے نوکر قرطبہ پہنچا دیں گے، ہمارا گھر یہاں سے بالکل نزدیک ہے"۔

سعد نے کہا "نہیں آج کا دن ہم پیدل چلنا چاہتے ہیں"۔

"لیکن یہ آپ کا چھوٹا بھائی تو بہت تھک گیا ہے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا یہ بڑی مشکل سے قدم اٹھا رہا تھا"۔

الماس نے کہا "نہیں نہیں حسن بہت بہادر ہے۔ کیوں حسن تم تھک گئے ہو؟"

حسن کچھ سفر کی تھکاوٹ اور کچھ لڑائی کے باعث نڈھال ہو چکا تھا۔ ادریس کی توجہ کو اس نے اپنے لیے تائیدِ غیبی سمجھا، لیکن الماس نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے بجھی ہوئی آواز میں جواب دیا "نہیں چچا میں چل سکتا ہوں"۔

دوسرے باغ سے نکل کر انھوں نے یکے بعد دیگرے ادریس سے مصافحہ کیا۔ ادریس کچھ دیر کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ حسن کوئی سو گز چلنے کے بعد منہ بسُور کر زمین پر بیٹھ گیا۔ الماس نے کہا "کیا بات ہے حسن؟"

"بس میں یہیں رہوں گا"۔ حسن نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

الماس نے حسن کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ زمین پر بچھا جا رہا تھا۔ بالآخر الماس نے اُسے اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔ کوئی ڈیڑھ میل حسن کا بوجھ اُٹھا کر چلنے کے بعد الماس یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس نے ادریس کی پیش کش کو ٹھکرانے میں غلطی کی ہے۔ اچانک پیچھے سے ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ سعد

نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہی اُسے پہچان لیا اور کہا "یہ لو وہی لڑکا ہے۔"

حسن اُسے دیکھتے ہی شور مچانے لگا "چچا اب مجھے اُتار دو۔"

الماس نے بے پروائی سے کہا "نہیں نہیں اب بیٹھے رہو۔ تم دس قدم چلنے کے بعد پھر زمین پر لیٹ جاؤ گے۔"

حسن چلّایا "چچا مجھے چھوڑ دو۔ ورنہ میں کاٹوں گا!"

الماس کو اس کی پریشانی کی وجہ معلوم نہ تھی اور سعد اور احمد ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ الماس نے حسن کو اپنے کندھے سے اس وقت اُتارا جب ادریس ان کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ادریس نے کسی رسمی تمہید کے بغیر کہا "میں سمجھتا تھا کہ ابھی تک آپ باغ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے ہوں گے لیکن آپ بہت دُور نکل آئے۔ لو بھائی حسن، تم اور احمد اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ!"

ادریس گھوڑے سے اتر پڑا لیکن الماس نے کہا "آپ نے بہت تکلیف کی۔ لیکن اسے واپس کون لائے گا؟"

"میں آپ کے ساتھ قرطبہ جا رہا ہوں، وہاں میرے ماموں رہتے ہیں۔ گھر سے مجھے رات وہاں رہنے کی اجازت مل گئی ہے۔"

الماس نے کہا "اچھا۔ پھر آپ حسن کو اپنے ساتھ بٹھا لیں۔"

"نہیں میں پیدل چلنا چاہتا ہوں۔"

الماس نے احمد اور حسن کو گھوڑے پر بٹھا کر اس کی باگ پکڑ لی، سعد اور ادریس آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیے۔

تھوڑی دیر میں سعد اور ادریس آپس میں بے تکلف ہو گئے۔

ادریس نے ہنستے ہوئے کہا "یہ عجیب بات ہے، حسن کی دائیں آنکھ پر چوٹ

لگی ہے۔ تمہاری بائیں آنکھ سُوج رہی ہے، اور زیاد کی دونوں آنکھیں سیاہ ہو رہی تھیں۔ جب تم نے کمان میں تیر چڑھا لیا تھا، تو میں واقعی بہت پریشان ہوا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ تم کہیں سچ مچ کسی کو مار نہ ڈالو۔"

"نہیں نہیں۔ میں انھیں ڈرا رہا تھا۔"

ادریس نے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ اگر وہ سب تم پر حملہ کر دیتے تو میں کیا کرتا؟"

سعد نے جواب دیا "شاید تم ہمارے ساتھ نہ لڑتے۔"

"نہیں میں تمہارا ساتھ دیتا اور شاید چار اور لڑکے بھی تمہارا ساتھ دیتے۔"

الماس ان کی باتیں دلچسپی کے ساتھ سُن رہا تھا۔ اس نے سوال کیا "بھلا تم ان کا ساتھ کیوں دیتے؟"

ادریس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "کیونکہ زیاد کی زیادتی تھی اور زیادتی کرنے والوں کا ساتھ دینا سخت گناہ ہے۔"

قرطبہ کی گنجان آبادی سے باہر ایک خوبصورت باغ کی چار دیواری کے اندر ایک قلعہ نما مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سعد نے ادریس سے کہا "وہ ہمارا مکان ہے!"

باغ کے دروازے کے قریب پہنچ کر ادریس نے کہا "اب میں اپنے ماموں کے ہاں جاؤں گا، وہ شہر کی دوسری طرف رہتے ہیں۔"

سعد نے کہا "نہیں آج تم ہمارے ہاں ٹھہرو۔"

"نہیں میں کل آپ کے پاس آؤں گا۔ ماموں جان کی اجازت کے بغیر اگر میں آپ کے پاس ٹھہر گیا تو وہ خفا ہوں گے۔ کل میں آپ کے ساتھ تیر اندازی کی مشق بھی کروں" یہ کہہ کر ادریس الماس کی طرف متوجہ ہوا "آپ مجھے تیر اندازی کا سبق دیا کریں گے نا؟"

الماس نے جواب دیا "اگر تم شاعر نہیں ہو تو میں تمہیں قرطبہ کا بہترین تیر انداز بنا دوں گا۔"

"میں شاعر نہیں ہوں۔ وہ تو میں نے کسی اور کی نظم پڑھ کر سُنا دی تھی۔ آئندہ میں

ایسا نہیں کروں گا۔"

ادریس اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوا اور یہ تینوں بھائی اپنے باغ میں داخل ہوئے۔

(۳)

ڈیوڑھی کے سامنے ایک بگھی اور اس کے قریب اصطبل میں چند نئے گھوڑے دیکھ کر الماس نے کہا۔"شاید مہمان آئے ہیں!"

سعد نے ایک سفید گھوڑے کو پہچانتے ہوئے اپنے بھائیوں سے کہا"یہ تو خالو جان کا گھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بگھی بھی انھی کی ہے۔"

اندر سے ایک نوکر نمودار ہوا اور الماس کے استفسار پر اس نے بتایا کہ سعد کے خالو کے علاوہ چند اور مہمان بھی آئے ہوئے ہیں، اور وہ دیوان خانے میں تشریف فرما ہیں۔

سعد نے حسن کی اور حسن نے سعد کی طرف دیکھا۔ دونوں کو مہمانوں کے سامنے جانا پسند نہ تھا اس لیے وہ دیوان خانے کے سامنے سے گزرنے کی بجائے باغ میں سے چکر کاٹ کر دوسرے دروازے سے گھر میں داخل ہوئے۔ ایک خادمہ انھیں دیکھتے ہی بدحواس ہو کر چلائی"تمھیں کیا ہوا؟ کس نے پیٹا تمھیں؟ گھر میں تمھاری خالہ جان آئی ہوئی ہیں۔ وہ تمھیں اس حالت میں دیکھ کر کیا کہیں گی!"

سعد اور حسن اپنی ماں کے سامنے جانے سے گھبرا رہے تھے۔ اب خالہ کی آمد کی خبر ملی تو دونوں ٹھٹھک کر رہ گئے۔ ان کی ماں ایک کمرے میں اپنی بہن کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ صحن میں خادمہ کی آواز سن کر وہ باہر نکلیں"کیا ہوا؟" انھوں نے سوال کیا۔

حسن نے گھبرا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا لیکن سعد نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا"کچھ نہیں امی جان ہم نے کشتی لڑی تھی۔"

"کشتی نہیں۔ آج تم کسی کے ساتھ لڑ کر آئے ہو۔ دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے تم

نے۔ تمھاری خالہ آئی ہوئی ہیں، وہ کیا خیال کریں گی!"

احمد بولا"ایک لڑکے نے بھائی جان کے ساتھ کشتی شروع کی تھی لیکن اس نے بھائی جان کو مکا مار دیا۔ پھر انھوں نے اسے خوب پیٹا۔"

اتنی دیر میں ان کی خالہ بھی باہر آ چکی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ سعد اور احمد نے اسے سلام کیا۔ لیکن حسن اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

ماں نے کہا۔"حسن اپنی خالہ کو سلام نہیں کیا تم نے؟" حسن نے منہ ان کی طرف کیے بغیر دبی زبان سے سلام کہہ دیا۔ ماں نے پھر کہا"حسن اس طرف منہ کرو!"

حسن نے ماں کے حکم کی تکمیل کی لیکن اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا خالہ نے آگے بڑھ کر چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی لیکن وہ پوری قوت سے اپنا منہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ راستے میں احمد اسے کئی بار بتا چکا تھا، کہ تمھارے چہرے پر ضربوں کے نشانات سعد کی نسبت زیادہ ہیں۔

ماں نے ذرا ڈانٹ کر کہا"حسن ہاتھ نیچے کرو!"

حسن نے بے بسی کی حالت میں ہاتھ نیچے کر لیے اور سر جھکا دیا۔

ماں نے کہا"بہن یہ ان دونوں سے زیادہ شریر ہے۔"

خالہ نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا"اسے کچھ نہ کہو۔ اسے کچھ نہ کہو۔ اندلس کو ایسے بچوں کی ضرورت ہے حسن بیٹا! اگر تم مار کھا کر بھاگ نہیں آئے تو تمھیں اس قدر نادم نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں مار کھا کر نہیں بھاگا۔" حسن نے تن کر کہا۔

"تو پھر اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

احمد نے کہا"خالہ جان! حسن اس لیے پریشان ہے کہ اس نے غلطی سے ایک لڑکے کو پیٹ ڈالا تھا۔"

خالد نے کہا: "لیکن اس نے بھی تو کمی نہیں کی۔ خدا کا شکر ہے اس کی آنکھ بچ گئی۔"

حسن نے کہا: "اُس کی آنکھ میرے سے بھی زیادہ خراب تھی۔ اور وہ دو تھے۔ ایک تو چلا مُکا کھا کر ہی بھاگ گیا تھا۔"

(۴)

سعد، احمد اور حسن قرطبہ کے ایک با اثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا باپ عبدالمنعم اپنی دولت اور ثروت کے اعتبار سے قرطبہ کے گنے چنے اُمراء میں سے ایک تھا۔ قرطبہ میں ایک وسیع جائداد کا مالک ہونے کے علاوہ اُسے گھوڑوں کی تجارت کا شوق تھا اور اس تجارت کے سلسلے میں وہ کئی بار مراکش، مصر، عرب اور دوسرے ممالک کا سفر کر چکا تھا۔

ایک مرتبہ جب عبدالمنعم گھوڑے فروخت کرنے کے لیے قبرص گیا تو وہاں اس کی ملاقات ایک شامی تاجر سے ہوئی۔ اس تاجر نے عبدالمنعم کو بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی جو چند ماہ قبل وفات پا چکا ہے، قبرص کی بحری فوج میں کپتان تھا۔ اس کی دو لڑکیاں اور ایک بیوہ ہے۔ بڑی لڑکی کی شادی غرناطہ کے ایک رئیس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ وہ چند سال قبل حج کے لیے آیا تھا۔ حج سے واپس آتے ہوئے اس کے جہاز کو کوئی حادثہ پیش آیا۔ اتفاق سے میرے بھائی کا جہاز جس پر وہ بحری ڈاکوؤں کا تعاقب کر رہا تھا، اس طرف آنکلا اور اس کی جان بچ گئی۔ میرا بھائی اُسے اپنے ساتھ لے آیا اور چند ہفتوں کے بعد اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا۔ اب میرے بھائی کی بیوہ اور چھوٹی لڑکی غرناطہ میں بڑی لڑکی کے پاس جانا چاہتی ہیں اور اس لیے میں آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہوں۔

عبدالمنعم نے اُسے جواب دیا: "مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ہمارا جہاز ویسے بھی خالی جا رہا ہے۔"

تاجر نے کہا: "بعض مجبوریوں کے باعث میں خود ان کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ میرے

بھائی کا ایک وفادار نوکر ان کے ساتھ جائے گا۔ آپ انھیں مالقہ پہنچا دیں۔ وہاں سے وہ خود غرناطہ چلے جائیں گے۔"

عبدالمنعم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "آپ فکر نہ کریں۔ میں خود غرناطہ تک ان کے ساتھ جاؤں گا۔"

عبدالمنعم نے ان خواتین کے لیے اپنے جہاز کے ایک حصہ میں پردے کا انتظام کر دیا اور تیسرے دن وہ قبرص سے روانہ ہوئے۔

صقلیہ کے ساحل سے کچھ دُور عبدالمنعم کے جہاز پر بحری قزاقوں نے حملہ کر دیا۔ جہاز کا کپتان ایک تجربہ کار ملاح تھا اور عبدالمنعم خود بھی جہازرانی کا کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ اس نے ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے جہاز کو بہترین جنگی سامان سے آراستہ کر رکھا تھا۔ کپتان کے علاوہ اس کے جہاز کا ہر ملاح بحری جنگ کا عملی تجربہ رکھتا تھا۔

بحری ڈاکوؤں کے ایک جہاز کو عبدالمنعم اپنے لیے کوئی بڑا خطرہ نہ سمجھتا تھا لیکن اس مرتبہ اس کے ساتھ دو عورتیں تھیں اور اُس کے نزدیک اُن کی حفاظت کا مسئلہ جہاز سے کہیں زیادہ اہم تھا۔

ڈاکوؤں کا جہاز انھیں شام سے کچھ دیر قبل دکھائی دیا۔ اور عبدالمنعم نے کپتان کو حکم دیا کہ وہ مقابلہ کرنے کی بجائے بچ نکلنے کی کوشش کرے۔ کپتان اور ملاحوں کی تمام کوششوں کے باوجود دونوں جہازوں کا درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوتا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھایا لیکن علی الصباح ڈاکوؤں کا جہاز پھر اُن کے پیچھے تھا۔ عبدالمنعم نے کپتان کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد لڑنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکوؤں کو بہت حد تک یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ اُن کے مدِ مقابل لڑائی کی ہمت نہیں رکھتے اور جب دوسرے جہاز سے اُن کے ابتدائی تیروں کا جواب بھی نہ آیا تو اُن کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے

کہا۔ "یہ جہاز بہت قیمتی ہے۔ اس لیے اسے نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے!"
لیکن جب وہ قریب آگئے تو عبدالمنعم کے جہاز سے اچانک تیروں کی بارش ہونے لگی۔ چند ڈاکو جو تختے پر کھڑے کمندیں پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اس کے ساتھ ہی چند آتشیں تیر ڈاکوؤں کے جہازوں کے بادبانوں میں پیوست ہو گئے۔

ڈاکوؤں نے اچانک اپنے جہاز کا رُخ بدل کر عبدالمنعم کے جہاز کے ساتھ سیدھی ٹکر لگانے کی کوشش کی۔ لیکن ہوشیار کپتان نے فوراً اپنے جہاز کا رُخ بدل دیا اور ڈاکوؤں کا جہاز عبدالمنعم کے جہاز کو عین درمیان سے پاش پاش کرنے کی بجائے ایک پہلو سے رگڑ کھاتا ہوا اس کے ساتھ جا لگا۔ ڈاکوؤں نے کمندیں پھینک کر عبدالمنعم کے جہاز پر کودنے کی کوشش کی۔ لیکن مدِمقابل کے نیزوں اور تلواروں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ چند لمحات کے اندر اندر ڈاکوؤں کے کئی آدمی ہلاک ہو چکے تھے اور ان کے جہاز میں آگ کے شعلے نہایت خطرناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ عبدالمنعم کا جہاز ان کے جہاز کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا آگے نکل گیا لیکن اتنی دیر میں ڈاکوؤں کے چند آتشیں تیر اس جہاز کے بادبانوں میں بھی آگ لگا چکے تھے۔ چند ملاح آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے اور باقی دشمن کے جلتے ہوئے جہاز سے سمندر میں چھلانگیں لگانے والوں پر تیر برسا رہے تھے۔ چند ڈاکو کشتی میں سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے کہ عبدالمنعم کے ساتھیوں نے منجنیق کے ساتھ پتھروں کی بارش کر دی اور ان کی کشتی تھوڑی دور جا کر ڈوب گئی

اس کے بعد عبدالمنعم کے ساتھیوں کو فکر ہوئی۔ آگ ان کی تمام کوششوں کے باوجود قابو سے باہر ہو چکی تھی بالآخر کپتان نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اب جہاز چھوڑنے کے علاوہ ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں۔

جہاز کے ساتھ دو کشتیاں تھیں۔ عبدالمنعم نے خواتین کے نوکر سے کہا۔ "تم خواتین سے کہو کہ وہ فوراً کشتی پر سوار ہو جائیں۔"

دوسرے ملاحوں کی طرح عبدالمنعم خود بھی ایک زخمی کو اٹھا کر کشتی تک لے گیا۔
تھوڑی دیر بعد جب کشتیاں جلتے ہوئے جہازوں کو چھوڑ کر روانہ ہوئیں تو عبدالمنعم نے اچانک چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔ جس کشتی میں وہ کھڑا تھا۔ وہاں صرف ایک عمر رسیدہ عورت تھی اور دوسری کشتی پر بھی اُسے کوئی عورت دکھائی نہ دی۔ وہ چلایا۔ "ٹھہرو! کشتی کو واپس لے چلو۔ غضب خدا کا، ایک ماں کو اپنی بیٹی کا خیال نہ آیا۔ جلدی کرو کشتی موڑو!"

"ایک ماں کے متعلق ایسی رائے نہیں رکھنی چاہیے۔ میں یہیں ہوں۔"

عبدالمنعم نے حیران ہو کر اپنے قریب ایک مسلح سپاہی کی طرف دیکھا۔ اس کے سر پر آہنی خود تھا اور ہاتھ میں خون آلودہ تلوار۔ اس کی زرہ اس کے جسم کے مقابلہ میں بہت کشادہ تھی۔ عبدالمنعم کی حیرانی دور کرنے کے لیے کپتان نے کہا۔ "آپ نے غور نہیں کیا۔ یہ لڑائی میں شروع سے آخر تک ہمارے ساتھ تھیں۔ میں ان کی شجاعت سے بہت متاثر ہوں۔ میں حیران ہوں کہ یہ زرہ انھوں نے کہاں سے لی۔"

لڑکی نے جواب دیا۔ "یہ تلوار میرے ابا کی نشانی ہے۔ زرہ اور خود مجھے جہاز کے ایک کمرے سے مل گئے تھے۔ میں نے مردانہ لباس تلاش کرنے کے لیے ایک صندوق کھولا تھا۔ لیکن وہاں سب اسی قسم کی چیزیں تھیں۔"

(۵)

عبدالمنعم اور اس کے ساتھی سارا دن کشتیوں میں بیٹھے رہے۔ انھیں ساحل تک پہنچنے سے زیادہ اس بات کی امید تھی کہ اس طرف کوئی نہ کوئی جہاز آنکلے گا۔ شام کے وقت شمالی افق پر کسی جہاز کے بادبان دکھائی دیے اور انھوں نے کشتیوں کا رُخ اس طرف پھیر دیا۔ لیکن شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اگلے دن ان کی پریشانی مایوسی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ خوراک کا ذخیرہ قریباً

ختم ہو چکا تھا۔ عبدالمنعم کی تقلید میں اس کے تمام ساتھی پیاس کے باوجود اپنے حصے کا گھونٹ گھونٹ پانی زخمیوں کو دے رہے تھے۔ دوپہر کے وقت عبدالمنعم نے عمر رسیدہ عورت کو پیاس سے نڈھال دیکھ کر اُسے پانی کے چند گھونٹ دیئے۔ اس کے بعد وہ نوجوان لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ایک زخمی کے قریب بیٹھ کر اُسے تسلی دے رہی تھی۔ "تمھیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ خدا نے ہمیں ڈاکوؤں سے بچایا ہے، وہ ہمیں اس مصیبت سے بھی نجات دے گا۔"

عبدالمنعم نے پیالے میں پانی کے چند گھونٹ ڈالنے کے بعد اس کے قریب آکر کہا۔ "یہ آپ کا حصہ ہے۔ لیجیے، اس کے بعد شاید آپ کو پانی نہ ملے۔"

لڑکی نے جواب دیا۔ "میں اپنا حصہ لے چکی ہوں۔ آپ نے صبح سے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔"

عبدالمنعم بولا۔ "ان حالات میں مَیں اپنے متعلق سوچ نہیں سکتا۔ لیجیے!"

لڑکی نے عبدالمنعم کے ہاتھ سے پیالہ لے کر اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک زخمی کے منہ کو لگاتے ہوئے کہا۔ "ان حالات میں میں بھی اپنے متعلق نہیں سوچ سکتی۔"

اس لڑکی کا نام سکینہ تھا۔ عبدالمنعم نے پہلے اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھی تھی اور اپنے دل میں خوش گوار دھڑکنیں محسوس کی تھیں۔ اس کے بعد اس کے نازک ہاتھ زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے تو وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس کے سازِ حیات کے خاموش تاروں کو چھیڑ رہا ہے۔ تاہم وہ اس کے لیے ایک اجنبی تھی لیکن ایک زخمی کو اپنے حصے کا پانی پلاتے وقت اس کے مُرجھائے ہوئے چہرے پر اطمینان کی ایک غیر معمولی جھلک دیکھنے کے بعد عبدالمنعم یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت نے اس کے اپنے دل کی گہرائیوں سے ایک حسین تصویر نکال کر اُسے زندگی عطا کر دی ہے۔ سکینہ اس کے لیے اجنبی نہیں وہ اُسے مدت سے جانتا ہے۔ عنفوانِ شباب سے

لے کر اب تک وہ اس کے دل میں بس رہی تھی۔ اس کے ذہن میں اس کے کئی نام تھے۔

تیسرے دن علی الصباح جب بھوک، پیاس اور تھکاوٹ کے باعث عبدالمنعم کے بیشتر ساتھی نیم بیہوشی کی حالت میں کشتی میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ کشتی کی پتوار سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کی طاقت جواب دے چکی تھی لیکن آنکھوں میں ابھی تک اُمید کی جھلک باقی تھی۔ اچانک دُوسری کشتی سے ایک ملاّح نے ہاتھ کے اشاروں سے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر ایک طرف اشارہ کر دیا۔ عبدالمنعم نے دیکھا کچھ فاصلے پر ایک جہاز اُن کی طرف آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو آواز دینے کی کوشش کی۔ لیکن سوکھے ہوئے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ جہاز پر طرابلس کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ عبدالمنعم نے کشتی پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ بلند کر دیے اور جب جہاز کے تختے پر سے ملاح اپنے ہاتھ ہلا کر اس کے اشاروں کا جواب دینے لگے تو وہ آگے بڑھ کر سکینہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ سکینہ نے آنکھیں کھولیں اور عبدالمنعم نے اُسے اپنے بازو کا سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے جہاز کی طرف اشارہ کر دیا۔

(۶)

یہ جہاز سبتہ جا رہا تھا۔ اگلے دن جب سکینہ عرشے پر کھڑی غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہی تھی۔ عبدالمنعم نے اس کے قریب آکر کہا۔ "ہم پرسوں تک سبتہ پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے ہمیں مالقہ کا جہاز مل جائے گا۔"

سکینہ نے مُڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کے جہاز کی تباہی کا بہت افسوس ہے۔ آپ کے کپتان کو بہت صدمہ ہوا ہے۔ ہمارا آنا آپ کے لیے اچھا شگون نہ تھا۔"

"نہیں بلکہ آپ کی وجہ سے ہماری جانیں بچ گئیں۔"

سکینہ دوبارہ اُفق کی طرف دیکھنے لگی۔ عبدالمنعم نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "میں ابھی تمہاری والدہ کے پاس ایک درخواست لے کر گیا تھا۔ میں ایک سپاہی ہوں۔

مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس طرح بات کرنی چاہیے تھی۔ تاہم انھوں نے میری بات کو بُرا نہیں جانا۔" عبدالمنعم یہاں تک کہہ کر رُک گیا اور پھر ایک فیصلہ کن انداز میں بولا۔" میری درخواست تمہارے متعلق تھی۔ کشتی پر مصیبت کی آخری رات میں سوچ رہا تھا کہ اگلی شام تک قدرت نے کسی کو ہماری مدد کے لیے نہ بھیجا تو ہم شاید زندگی کی ایک اور صُبح نہ دیکھ سکیں۔ میں موت سے کبھی نہیں ڈرا لیکن اس مرتبہ مجھے اپنی زندگی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ عزیز تھی۔ چاند کی روشنی میں تمہارا مُرجھایا ہُوا چہرہ دیکھ کر میں نے بارہا تم سے کچھ کہنے کی ضرورت محسُوس کی لیکن میرے سوکھے ہُوئے حلق سے آواز نہ نکلی لیکن تم سمجھ گئی ہو گی کہ میں کیا چاہتا تھا؟"

"میں کچھ نہیں سمجھی۔" سکینہ نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہُوئے جواب دیا۔

"میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مرتے وقت میرے ذہن میں آخری سوال یہ ہو گا، کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔"

سکینہ نے جھجکتے اور شرماتے ہوئے سوال کیا۔" امّی جان سے آپ نے کیا کہا ہے؟"

"ان سے میں نے بہت کچھ کہا ہے اور وہ شاید تم سے بھی کچھ کہیں گی لیکن تم سے میں صرف ایک مختصر سے سوال کا جواب پوچھنے آیا ہوں۔ تمہیں میری رفیقۂ حیات بننے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

سکینہ نے ایک ثانیہ کے لیے عبدالمنعم کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر وہاں سے چل پڑی اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر مسرت کی مسکراہٹیں اور آنکھوں میں خوشی کے آنسُو تھے۔ اپنی ماں کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحہ کے لیے رُکی اور پھر بے اختیار "امّی! امّی!" کہتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"کیا ہے بیٹی؟"

"کچھ نہیں امّی!..."

ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔" تم بہت خوش نصیب ہو بیٹی!"

(۷)

غرناطہ پہنچنے کے چند دن بعد عبدالمنعم اور سکینہ کی شادی ہو گئی۔ قرطبہ کے طبقۂ اعلیٰ میں کئی دن اس بات کا چرچا رہا کہ عبدالمنعم نے اندلس کے بہترین خاندانوں کی لڑکیوں کے رشتے ٹھکرا کر کسی گمنام خاندان کی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ سکینہ کو اپنے خاوند کی عزّت اور شہرت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ وہ ایک تاجر ہے جو جہاز ڈُوب جانے کے باعث اپنا بہت کچھ کھو چکا ہے لیکن جب قرطبہ آ کر عبدالمنعم کا عالی شان محل دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی۔ عبدالمنعم اُسے رہائشی مکان کے ایک خوب صورت کمرے میں بٹھا کر دیوان خانے میں اُن دوستوں کے پاس چلا گیا جو مبارکباد دینے کے لیے جمع ہو رہے تھے اور سکینہ کو قرطبہ کے اُونچے طبقہ کی خواتین نے گھیر لیا۔ کوئی اس کے لباس اور کوئی اس کے بالوں کی بناوٹ کے متعلق رائے زنی کر رہی تھی۔ سکینہ حیران تھی، کہ اس کی تعریف ہو رہی ہے یا مذمّت، قرطبہ کی خواتین بات بات پر شعر پڑھتی تھیں۔ پھر ایک دوسری سے ان شعروں کا مطلب پوچھتی تھیں اور اس کے بعد وہ بحث کرتی تھیں کہ شعر کا اصلی مفہوم کیا ہے۔ بالآخر وہ دُلہن کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتیں۔" آپ بتائیں آپ کے خیال میں فلاں شعر کا کیا مطلب ہے؟"

سکینہ کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ مبہُوت سی ہو کر ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ایک شوخ و طرار لڑکی نے کہا۔" دیکھو جی میری بھابی کو تنگ نہ کرو۔ انھیں شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں، کوئی اور بات کرو۔ ہاں انھیں موسیقی سے رغبت ہے۔"

سکینہ نے معصومانہ انداز میں جواب دیا۔" نہیں مجھے موسیقی کے ساتھ بھی کوئی رغبت نہیں"

"تو پھر آپ کیا جانتی ہیں؟" لڑکی نے ایک شرارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

سکینہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اُس نے کہا "میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر آپ کو اس بات سے تسکین ہو سکتی تو مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں ایک غریب سپاہی کی لڑکی ہوں۔ میرے والدین نے مجھے شاعری اور موسیقی کی تعلیم نہیں دی۔ وہ میرے لیے فقط قرآن کی تعلیم کافی سمجھتے تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ لباس جسم ڈھانپنے کے لیے ہے۔ نمائش کی چیز نہیں ہے۔ میں نے تہذیب و تمدن کے اس گہوارے میں آنکھ کھولی تھی۔ جہاں ایک عورت صرف ایک بیٹی، ایک بیوی اور ماں کی حیثیت میں پہچانی جاتی ہے۔ آپ کے سامنے فخر اور غرور کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ صرف ایک بات ہے جسے سننا شاید آپ پسند نہ کریں، اور وہ یہ ہے کہ میں وہ سب کچھ ہوں جو میرے شوہر کو پسند ہے اور میرا شوہر وہ سب کچھ ہے جس کی میں خواہش کر سکتی تھی۔"

ایک عمر رسیدہ عورت نے سکینہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "بیٹی تم ان سب سے زیادہ جانتی ہو۔ میں عبدالمنعم کے حسنِ انتخاب کی داد دیتی ہوں۔"

غرناطہ میں سکینہ کی بڑی بہن کا خاوند ابو صالح ایک بااثر رئیس تھا۔ سکینہ کی ماں کچھ عرصہ اپنی بڑی بیٹی کے پاس رہنے کے بعد قرطبہ آگئی۔

شادی کے ایک سال بعد عبدالمنعم کا بڑا لڑکا سعد پیدا ہوا۔ سعد کی پیدائش سے تین ماہ بعد سکینہ کی ماں چند دن بیمار رہنے کے بعد چل بسی۔

سعد کی پیدائش سے دو سال بعد عبدالمنعم کا دوسرا بیٹا احمد پیدا ہوا۔ سکینہ کی بڑی بہن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اس لیے وہ سکینہ کے بچوں کے ساتھ بے حد پیار کیا کرتی تھی۔ ہر دوسرے یا تیسرے مہینے کبھی وہ اپنے خاوند کے ساتھ قرطبہ آجاتی اور کبھی سکینہ اور عبدالمنعم بچوں کے ساتھ چند دن کے لیے غرناطہ چلے جاتے۔

شادی کے پانچویں سال حسن کی پیدائش کے بعد عبدالمنعم حج کے لیے چلا گیا۔ واپسی پر وہ اپنے بچوں کے لیے ایک عجیب و غریب کھلونا لایا اور یہ عجیب و غریب کھلونا

ایک شیر کا بچہ تھا، جو افریقہ کے ایک سردار نے عبدالمنعم کو بطور تحفہ پیش کیا تھا۔

الماس عبدالمنعم کا ایک بربری نوکر تھا۔ اپنی شادی سے تین سال قبل عبدالمنعم مراکش سے اُسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ الماس نے اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں عبدالمنعم کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور قرطبہ میں لوگ اُسے ایک نوکر کی بجائے عبدالمنعم کے بھائی کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ عبدالمنعم کی غیر حاضری میں اس کی تمام جائداد کا انتظام الماس کے سپرد ہوتا۔

الماس کی عمر چالیس سال سے اُوپر تھی لیکن وہ جسمانی صحت کے لحاظ سے ہزاروں نوجوانوں کے لیے قابلِ رشک تھا۔ اُسے تیر اندازی اور شہسواری میں کمال حاصل تھا۔

شادی کے بعد عبدالمنعم کی زندگی ہر لحاظ سے خوشگوار تھی۔ دنیا میں کوئی ایسی نعمت نہ تھی جو اُسے میسر نہ تھی۔ ایک خاوند کی حیثیت میں وہ اپنی بیوی اور ایک باپ کی حیثیت سے وہ اپنے بچوں پر فخر کر سکتا تھا۔ اس کے دوست اس سے محبت کرتے اور دشمن اس سے خوف کھاتے تھے۔ تاہم وہ مطمئن نہ تھا۔ اندلس کے مستقبل کا خیال اسے ہر وقت پریشان رکھتا تھا۔ شادی سے قبل وہ ایک فارغ البال اور آزاد منش انسان تھا۔ اس کی زندگی نئے نئے خطرے تلاش کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے تک محدود تھی، اپنا بیشتر وقت قرطبہ سے باہر گزارا کرتا تھا۔ تجارت کا مشغلہ اس نے دولت کمانے کے لیے اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ سیر و تفریح کے لیے ایک بہانہ تھا۔ لیکن سکینہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اس کی دنیا بدل چکی تھی۔ سعد، احمد اور حسن کے مستقبل کا تصور اُسے قرطبہ اور اندلس کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیتا۔

ایک مُلک اور کئی بادشاہ

پانچویں صدی ہجری میں مسلمانانِ اندلس اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے تھے۔ اموی خاندان کا پرشکوہ دورِ حکومت افسانۂ ماضی بن چکا تھا۔ وہ عظیم الشان سلطنت جس کی طاقت اور سطوت سے مغرب کے تاجدار مرعوب تھے۔ طوائف الملوکی کے باعث پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ وہ باغ جسے عبدالرحمن اول کے جانشینوں نے تین صدیوں تک آبیار کیا تھا۔ اب خزاں کی آندھیوں کا سامنا کر رہا تھا۔ نااہل حکمران، خود غرض راہنما اور حریص قسمت آزما۔ اندلس کو قریباً بیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر چکے تھے اور ہر ریاست کے لیے کئی دعویدار برسرِ پیکار تھے۔ ایک کو امرا تخت پر بٹھاتے اور وہ غلاموں کے ہاتھوں مارا جاتا۔ دوسرے کے سر پر علما دستار باندھتے اور اسے پہریدار اور خواجہ سرا پھانسی پر لٹکا دیتے۔ تیسرا بربریوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر مسندِ حکومت پر رونق افروز ہوتا اور اُسے عرب یا اندلسی مسند سے اتار کر قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پہنچا دیتے۔ چوتھا عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر چند دن ایوانِ حکومت کی سیر کرتا اور جب عوام کا جوش و خروش کم ہو جاتا تو یہ خبر سنی جاتی کہ ان کے محبوب حکمران کی لاش غسل خانے کے آتش دان سے برآمد ہوئی۔

قرطبہ جو اموی اقتدار کے زمانے میں مغرب کے لیے روشنی کا مینار تھا۔ جس کے سپاہی کسی زمانے میں فرانس کے دروازوں پر دستک دیا کرتے تھے، جس کے باغات اور عمارتیں بغداد[1]

کے مکانوں کے لیے بھی باعثِ رشک تھیں، اب ایک ایسی لاش بن چکا تھا، جسے اقتدار پسند عناصر گدھوں کی طرح نوچ رہے تھے۔ چند سال کے عرصے میں حکومت کے کئی امیدوار گمنامی

[1] مورخوں، سیاحوں اور شاعروں نے قرطبہ کے باغات کے متعلق اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس کا خلاصہ پیش کرنے کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ اس کے محلات اور باغات دنیا بھر میں اپنی نظیر آپ تھے۔ عبدالرحمن اول نے اندلس کی سلطنت پر قابض ہونے کے بعد مختلف ممالک میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ وہ قرطبہ کے باغات کیلیے عمدہ اور نایاب پودے اور بیج لائیں۔ اس کا یہ شوق دیکھ کر دنیا کے بہترین باغبان اپنے فن کا کمال دکھانے کیلیے قرطبہ پہنچنے لگے۔ ان باغات کو سیراب کرنے کیلیے وادی الکبیر سے نہریں نکالی گئیں اور ان کا پانی سنگِ مرمر کے وسیع تالابوں میں جمع کرنے کے بعد سیسہ، پیتل اور بعض اوقات چاندی اور سونے کے نلوں سے تقسیم کیا جاتا تھا۔ قرطبہ کا شہر وادی الکبیر (ایک دریا) کے کنارے دس میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ پچاس ہزار سے زیادہ عہدہ داروں اور ایک لاکھ سے زیادہ عام لوگوں کے مکانات تھے۔ سات سو مساجد اور نو سو حمام تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں کتب خانے اور درسگاہیں تھیں۔ قرطبہ کی عمارتوں میں جامع مسجد بہترین سمجھی جاتی تھی۔ آج بھی یہ مسجد دنیا بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس کی تعمیر امیر عبدالرحمن الداخل نے شروع کی اور اس کے بعد ہر سلطان اس عمارت کی رعنائی، دلفریبی اور وسعت میں اضافہ کرتا چلا گیا۔

قرطبہ کی دوسری شاندار عمارت مدینۃ الزہرا تھی، جسے اندلس کے خلیفۂ اعظم عبدالرحمن الناصر (ثالث) نے اپنی بیوی زہرا کی خواہش پر تعمیر کیا تھا۔ اسے عمارت کے بجائے ایک شہر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ قرطبہ سے چند میل کے فاصلے پر جبل العروس کے دامن میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ عبدالرحمن ثالث ہر سال اپنی آمدنی کا ایک تہائی حصہ اس کی تعمیر پر صرف کیا کرتا تھا۔ اس نئے شہر کے پندرہ ہزار دروازے تھے۔ دیوانِ عام کی چھت اور دیواریں سنگِ مرمر کی تھیں۔ دیوانِ عام کے وسط میں پارے کا ایک حوض تھا۔ جب آفتاب کی شعاعیں پارے سے بھرے ہوئے حوض پر پڑتیں تو سارا دیوان جگمگا اُٹھتا۔ جگہ جگہ ہرے بھرے باغ اور صاف شفاف پانی کے فوارے تھے۔

آج الزہرا کے کھنڈر دیکھنے والوں کو یہ یقین نہیں آتا ہوگا کہ یہاں کسی زمانے میں یورپ اور ایشیا کے فرمانرواؤں کے سفیر اور ایلچی دم بخود ہو کر عبدالرحمن ثالث اور اس کے جانشینوں کا جاہ و جلال دیکھا کرتے تھے۔

قرطبہ میں دوسری محل سرائیں بھی تھیں، جن کے نام قصر المعشوق، قصر السرور اور قصر التاج وغیرہ تھے۔ طوائف الملوکی کے دور میں مسجد قرطبہ کے سوا ان سب عمارات کو تباہی اور بربادی سے دوچار ہونا پڑا۔

کے پردوں سے نکل کر مسندِ حکومت اور مسندِ حکومت سے نکل کر مقتل یا قید خانے میں پہنچ چکے تھے۔ قرطبہ میں اس بدنظمی اور انتشار کے باعث اندلس کا ہر ضلع ایک علیحدہ سلطنت اور ہر بڑا شہر کسی خاندان کا دار الامارت بن چکا تھا۔

غرناطہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقے بنی زیری کے تصرف میں تھے۔ سرقسطہ اور ٹلاردہ پر بنو ہود قابض تھے۔ طلیطلہ پر بنو ذالنون، اشبیلیہ پر بنو عباد، قرطبہ پر بنی جہور، المیریا پر بنی سمادح، بطلیوس پر بنی افطس، شلب پر بنی مزین، سہلہ پر بنی ازین، ولبہ پر بنی بکر، قرمونہ پر بنی رزال اور مالقہ پر بنی حمود قبضہ جما چکے تھے۔

شیروں کی کچھاریں گیدڑوں کی آماجگاہیں بن چکی تھیں، عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرّف میں آ چکے تھے۔ اُٹھائی گیر، چور اور اچکے عدل و انصاف کی کرسیوں پر براجمان تھے۔ ملوک الطوائف میں سے بیشتر ایسے تھے کہ انھیں ان کی سیرت اور کردار کے لحاظ سے جرائم پیشہ لوگوں کی صفِ اوّل میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ بعض ریاستیں ایسی بھی تھیں جن کی سرحدیں فقط ان کے دار الامارت تک محدود تھیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ امیر، بادشاہ، سلطان اور خلیفۃ المسلمین کہلانا پسند کرتے تھے۔ وہ حریر و اطلس کی قبائیں اور جواہرات سے مرصع ٹوپیاں پہنتے تھے۔ اپنے لیے القابات کے انتخاب میں بھی وہ دورِ زوال کے عباسی خلفا سے پیچھے نہ تھے۔ کوئی مہدی تھا۔ کوئی الناصر، کوئی المنصور، کوئی المقتدر باللہ، کوئی المویدباللہ، کوئی المعتصم باللہ، کوئی الموفق باللہ، کوئی المعتضد باللہ، کوئی المعتمد باللہ، کوئی المعزر باللہ اور کوئی المامون باللہ کہلانا پسند کرتا تھا۔

غالباً اسی زمانے کا ایک شاعر ان نودولت نقالوں کے متعلق لکھتا ہے:

”جب میں سرزمین اندلس میں ہر طرف سے مقتدر اور معتمد کے الفاظ سنتا ہوں تو مجھے نفرت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہ بے جا شاہی القاب بالکل ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی بلی اپنے آپ کو پھلا پھلا کر شیر کی سی صولت کا اظہار کرے“۔

ان خود سر حکمرانوں کے درباروں میں مفکروں، سیاستدانوں اور انتظامی قابلیت رکھنے والوں کی جگہ مغنیوں، مسخروں اور خوشامدی شاعروں نے لے لی تھی۔

جب کسی قوم میں زندہ رہنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں تو اس کا شعر و ادب بھی اس کے لیے افیون کا کام دیتا ہے۔ زندہ قوم کے شاعر شاہراہِ ترقی میں قوم کے نقیب بن جاتے ہیں اور ان کا کلام بعض اوقات مُردوں میں بھی زندگی کی حرارت پھونک دیتا ہے۔ لیکن اندلس کے اس دورِ زوال کے شاعروں کی تمام صلاحیتیں نااہل حکمرانوں کی مدح سرائی کے لیے وقف تھیں۔ ہر امیر کی خدمت کے لیے شاعروں کا ایک گروہ موجود تھا۔ وہ ان کی خوشامد کے لیے قصائد لکھتے تھے اور ان قصائد میں ہر چھوٹے بڑے امیر کو ہفت اقلیم کا بادشاہ ثابت کیا جاتا تھا۔ بعض امیروں کا یہ حال تھا کہ ان کی فوج کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی لیکن درباری شاعروں کا یہ فرض تھا کہ وہ انھیں دنیا کا سب سے بڑا فاتح ثابت کریں بعض کے خزانوں میں اتنا روپیہ بھی نہ تھا کہ وہ ان عظیم الشان عمارتوں کی مرمت ہی کروا سکیں جو ان کے اسلاف کی یادگاریں تھیں لیکن ان کے قصیدہ گو شاعر ان کی دولت اور ثروت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے۔ امیر سے انعام حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ دوسرے اُمرا کی مذمت کی جائے۔ اس لیے قصیدہ گوئی کے ساتھ ہجو گوئی کا فن بھی اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا جس امیر کے شاعر اس کی تعریف میں بہترین قصائد اور اس کے مخالفین کی مذمت میں بدترین ہجو لکھ سکتے تھے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ دُنیا کی نگاہوں میں اس کا درجہ اُونچا ہو گیا ہے۔

قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کے اسلحہ خانوں میں اب موسیقی کے آلات بنائے جاتے تھے۔ شہروں سے باہر کھلے میدانوں میں جہاں لوگ کسی زمانے سپاہیوں کی نیزہ بازی اور تیر اندازی کے کمالات دیکھا کرتے تھے، اب شعر کہنے اور شعر کی داد دینے والوں کی ٹولیاں نظر آیا کرتی تھیں۔ شاعری کی وبا سے وہ عظیم الشان درسگاہیں بھی محفوظ نہ تھیں، جہاں

سائنس، طب، تاریخ، فلسفہ، طبیعات اور علومِ دین کے متلاشی دُور دراز سے چل کر آیا کرتے تھے۔

عوام اپنے حکمرانوں سے زندگی کے آداب سیکھتے ہیں، اس لیے اگر قرطبہ کے امرا شاعری کو معراجِ انسانیت قرار دیتے تھے تو قرطبہ کے باغبان، بافندے اور کمہار بھی شعر سننے اور شعر کہنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اگر اشبیلیہ کے شاہی دربار اور امراء کی محفلوں میں مشاعرے ہوتے تھے، تو ماہی گیروں کی جھونپڑیوں میں بھی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔

فارغ البالی کے دور میں اکثر قومیں فنونِ لطیفہ کی دلدادہ بن جاتی ہیں۔ لیکن اہلِ اندلس کے لیے یہ فارغ البالی کا دور نہ تھا۔ وہ اس وقت بھی شعر کہتے تھے جب گھٹنوں تک خون میں ڈوبے ہوتے تھے۔ انھیں اس وقت بھی طاؤس و رباب سے عشق تھا جب کہ تباہی اور بربادی کی آگ اُن کے گھروں تک پہنچ چکی تھی۔

(۲)

شمال میں قسطلہ کا عیسائی حکمران فرڈیننڈ اوّل مسلمان اُمراء کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر ان کے کئی علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر چکا تھا۔ وہ متحارب فریقوں میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے کی مدد کرتا اور معاوضے میں ان سے اپنی سرحدوں کے ساتھ ملحقہ علاقے چھین لیتا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی فوج کے مصارف پورے کرنے کے لیے اُن سے بھاری خراج وصول کرتا۔ ملوک الطوائف آپس کی جنگوں میں فرڈیننڈ کو ایک فیصلہ کن عنصر سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ فرڈیننڈ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُسے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خراج ادا کرتے تھے۔

اس انتشار اور بدنظمی کے دور میں اشبیلیہ کے عبادی حکمران معتضد نے اپنی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کر لیا۔ اس نے کبھی حیلہ جُوئی سے اور کبھی بزورِ شمشیر مرسیہ، رندہ، ارکش، مورور، ذلبہ، لبلبہ، شلب، مثنت، ماریۃ الغرب اور جزیرۃ الخضراء کو مغلوب کر کے یہ سلطنتیں اشبیلیہ میں شامل کر لیں۔ ابتدا میں لوگ اُسے اندلس کا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس کی سخت گیری کے باعث وہ جلد ہی اس سے متنفر ہو گئے۔

معتضد پرلے درجہ کا بدباطن، منتقم مزاج اور خود سر تھا۔ شراب نوشی اور فسق و فجور میں وہ اندلس کے باقی امرائے کہیں آگے تھا۔ اس کے باوجود وہ شاعری کا دلدادہ اور شاعروں کا قدردان تھا۔ اس کے قوائے جسمانی اس قدر مضبوط تھے کہ کثرتِ عیاشی کے باوجود سخت محنت کا عادی تھا۔ مغلوب دشمن کو اذیتیں دے کر قتل کرنے سے اسے ایک لذّت حاصل ہوتی تھی۔ وہ دشمن کی کھوپڑیوں میں پھولوں کے پودے لگواتا تھا اور ان پودوں سے اپنے قصر کے صحن کو آراستہ کرتا تھا۔ یہ اس کا باغ تھا۔ بڑے بڑے امیروں کی کھوپڑیاں اس نے ایک صندوق میں بند کر کے محل کے تہہ خانے میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے بیٹے اسماعیل کو حکم عدولی کے جرم میں اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا تھا۔

معتضد نے غرناطہ کے بربری حکمران بادیس کے چند شہر اس سے چھین لیے۔ ایک مرتبہ جب وہ رندہ میں تھا بعض بربری سرداروں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن رندہ کے ایک امیر کے رشتہ دار نے انھیں روک دیا۔ تاہم معتضد اپنے خلاف ایسا سوچنے والوں کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے اشبیلیہ پہنچ کر رندہ، مورور، ارکش اور سریش کے ساتھ بربری رؤسا کو ضیافت میں مدعو کیا اور انھیں کھانے سے پہلے اپنے عجیب و غریب حمام میں غسل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ بربری اس وسیع حمام میں لطف اندوز ہو رہے تھے، کہ باہر نکلنے کے تمام دروازے اور ہوا کے تمام راستے بند ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی حمام اس قدر گرم ہو گیا کہ وہ تڑپتے ہوئے موت کی آغوش میں سو گئے۔ معتضد کے اس فعل سے غرناطہ اور اس کی ہمسایہ سلطنتوں میں عربوں اور بربروں کی نزاع ایک نئی شدت کے ساتھ شروع ہوئی۔ معتضد نے قرطبہ پر بھی کئی حملے کیے لیکن قرطبہ کی تسخیر کی خواہش پوری نہ کر سکا۔

معتضد کی اس حکمتِ عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی ملوک الطوائف نے اس کی ہوسِ ملک گیری سے بچنے کے لیے قسطلہ کے عیسائی حکمران کو اپنا سرپرست اور محافظ بنا لیا اور اُسے خراج ادا کرنے لگے۔ سنہ ۴۴۷ ہجری میں فرڈیننڈ اوّل نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا اور

بطلیوس کے حکمران مظفر سے چند شہر چھین لیے۔ ۴۴۹ھ ہجری میں اس نے سرقسطہ کے چند علاقے چھین لیے۔

اندلس میں اشبیلیہ کے بعد اب طلیطلہ کی سلطنت سب سے طاقتور تھی اور طلیطلہ کا امیر مامون ذوالنون بھی قرطبہ پر قابض ہونے کے لیے بے تاب تھا لیکن فرڈیننڈ نے اس کے بعض علاقے بھی چھین لیے۔ مامون نے لڑنے کی بجائے اُسے خراج دینا منظور کر لیا۔ سرقسطہ کا حکمران بھی فرڈیننڈ کا باجگزار بن گیا۔ اس کے بعد اشبیلیہ کی باری آئی۔ اہلِ اشبیلیہ کو معتضد سے یہ توقع تھی کہ وہ قسطلہ کے عیسائی حکمران کے جارحانہ اقدام کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا لیکن معتضد نے بھی فرڈیننڈ کو خراج دینا منظور کر لیا۔

معتضد کی اس کمزوری کے بعد ان لوگوں کی مایوسی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں جو صرف اس امید پر اس کی سفاکی برداشت کر رہے تھے کہ وہ کسی دن اندلس کے مسلمانوں کو اس خطرۂ عظیم سے نجات دلائے گا جو قسطلہ کی سلطنت میں پل رہا تھا۔ اندلس کے کسی چوراہے میں اگر دو سنجیدہ آدمیوں کی ملاقات ہوتی تو ان کی گفتگو کا پہلا فقرہ یہ ہوتا کہ اب ہمارا کیا انجام ہو گا!

فرڈیننڈ اوّل کی موت کے بعد الفانسو[1] ششم صلیب کا جھنڈا جبل الطارق تک لے جانے کا عہد کر چکا تھا اور معتضد کی موت کے بعد اشبیلیہ کی حکومت ایسے نوجوان کے ہاتھ آچکی تھی جن کا سب سے بڑا کمال شا[illegible] معتضد کے بیٹے نے مسندِ حکومت پر رونق افروز ہو کر اپنے لیے معتمد باللہ کا لقب پسند کیا۔

۴۵۸ھ ہجری میں فرڈیننڈ مر گیا۔ لیکن مسلمانانِ اندلس کو اہلِ قسطلہ کی چیرہ دستیوں سے نجات نہ ملی۔ الفانسو ششم نے قسطلہ کے تخت پر قابض ہوتے ہی سپین کے شمال میں عیسائیوں کی چھوٹی سلطنتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا۔ قسطلہ کے ساتھ لیون، جلیقیہ

[1] عربی تاریخوں میں ALPHONSO افونش اور ادفنش لکھا گیا ہے۔

اور النوار[1] کے الحاق سے الفانسو کی طاقت میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے اسلامی اندلس کی طرف توجہ کی اور فرڈیننڈ کے طریق کار پر عمل کرتے ہوئے ملوک الطوائف کو یکے بعد دیگرے اپنا باجگزار بنا لیا۔ الفانسو کی ہوسِ ملک گیری بڑھتی گئی اور اندلس میں ملوک الطوائف کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی حدود جنوب کی طرف سمٹتی گئیں۔ الفانسو ایک امیر کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتا اور دوسرے کو دھمکی دے کر اس سے بعض علاقے چھین لیتا۔ پھر دوسرے کو دوست بنا لیتا اور تیسرے کو اپنے مطالبات ماننے پر مجبور کر دیتا۔ اب کسی کو شبہ نہ تھا کہ الفانسو اندلس کے مسلمانوں کے ڈگمگاتے ہوئے اقتدار کو آخری ضرب لگانے کا عزم کر چکا ہے۔ عوام جنہیں الفانسو کا خراج مہیا کرنے کے لیے اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے نااہل امرا کی نذر کرنا پڑتا تھا انتہائی اضطراب کے دن گزار رہے تھے، بھاری ٹیکسوں کے باعث اندلس کے مسلمانوں کی صنعت و حرفت زوال پذیر تھی۔ بعض امرا نے عوام کا زیادہ سے زیادہ خون چوسنے کے لیے ٹیکس وصول کرنے کا کام یہودی اہل کاروں کے سپرد کر رکھا تھا۔ حق پرستوں کی نگاہیں کسی نجات دہندہ کی تلاش میں تھیں۔

(۳)

اشبیلیہ کا امیر معتمد ایک بلند پایہ شاعر تھا لیکن ایک قوم کی بدقسمتی نے اُسے حکمران بنا دیا تھا۔ معتمد کے وزیر، عہدیدار اور فوجی افسر اس کی بیگمات اور لونڈیاں اور اس کے خواجہ سرا سب شاعر تھے۔ ابن عمار ایک پریشان روزگار شاعر تھا۔ چند سال قبل معتضد نے شلب فتح کرنے کے لیے جو فوج روانہ کی، اس کی سپہ سالاری اپنے کم سن بیٹے معتمد کے سپرد کی۔ محاصرۂ شلب کے دوران میں ابنِ عمار سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ابنِ عمار نے معتمد کی شان میں پہلا قصیدہ لکھ کر ہی اسے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ شلب فتح کرنے کے بعد معتمد وہاں کا گورنر مقرر ہوا۔

[1] NAVARE عربی میں اسے النوار کہا جاتا ہے۔

تو اس نے ابنِ عمار کو اپنا مشیر بنا لیا۔ معتمد ایک پیدائشی شاعر ہونے کے باوجود سپاہیانہ
خصلتوں کا مالک تھا۔ اگر اسے جوانی کی ابتدا ہی میں کچھ ایسے مصاحب، رفیق یا دوست
مل جاتے تو ممکن تھا کہ اندلس کی ترقی اور خوشحالی کا نیا دور اس کا مرہونِ احسان ہوتا لیکن ابنِ
عمار کی رفاقت نے اُسے پرلے درجہ کا عیش پسند بنا دیا۔ شلب میں معتمد نے ابن عمار کے ساتھ جس
عیش و نشاط کے دن گزارے، ان کا ذکر اس کے کلام میں موجود ہے۔ معتضد کی وفات کے
بعد معتمد نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے ابن عمار کی درخواست پر اُسے شلب کا
گورنر مقرر کر دیا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں لوگ کبھی اس کی مفلسی کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ ابنِ عمار
شلب میں شاہانہ کروفر کے ساتھ داخل ہُوا۔ کسی زمانے میں وہ اس شہر کے تاجروں کے قصیدے
لکھا کرتا تھا اب شلب کے شاعروں کا ایک لشکر اس کے پیچھے تھا۔ ابن عمار نے سب سے پہلے
اس شخص کو چاندی کی ایک تھیلی بھر کر بھیجی، جس نے چند سال قبل ایک قصیدے کے عوض
جو کا ایک توبرا بھیجا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر تم مجھے جو کی بجائے گندم دیتے
تو آج میں تمہیں چاندی کی بجائے سونا دیتا۔ ابن عمار نمائشی شان و شوکت کا بھوکا تھا اور شلب
کا خزانہ اس کے دربار کی زینت، رقص و سرود کی محفلوں اور شراب و کباب کی دعوتوں پر صرف
ہو رہا تھا۔ معتمد کی دلجوئی کے لیے اشبیلیہ میں شاعروں کی کمی نہ تھی لیکن ابنِ عمار کی جدائی وہ دیر
تک برداشت نہ کر سکا، یہاں تک کہ اس نے ابن عمار کو شلب سے اشبیلیہ بلا لیا اور سلطنت کی
وزارت اُسے سونپ دی۔

معتمد کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کے لیے شاعری پہلا اور آخری زینہ تھا۔ اس
لیے سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر شاعروں کا قبضہ تھا۔ جب قسطلہ کے اسلحہ
خانوں میں دشمنانِ اسلام اپنی تلواریں تیز کر رہے تھے، اشبیلیہ کا حکمران اور اس کے اُمراء کئی
کئی گھنٹے ایک ایک شعر کی نوک پلک درست کرنے میں صرف کر دیا کرتے تھے۔ جب لیون
اور الفانسو کے گرجوں میں صلیب کی فتح کے لیے دُعائیں کی جا رہی تھیں، اشبیلیہ کے ایوانوں میں

رقص و شراب کی محفلیں گرم تھیں۔

(۴)

شاعری اور ابنِ عمار کے بعد معتمد کو دُنیا میں سب سے زیادہ ایک عورت سے محبت
تھی۔ شلب کی گورنری کے زمانے میں معتمد ابن عمار کے ساتھ چند دنوں کے لیے اشبیلیہ آیا۔
ایک شام بھیس بدل کر یہ دونوں دریا کے کنارے تفریح گاہ میں ٹہل رہے تھے۔ ہوا کے جھونکوں
سے دریا کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ معتمد نے اپنے ساتھی کو دریا کی طرف متوجہ کرتے
ہوئے یہ مصرع کہا:

"نسیم کے جھونکوں سے پانی کی موجیں زرہ بن گئیں۔"

ابھی یہ دونوں دُوسرا مصرع سوچ رہے تھے کہ پیچھے سے ایک ہلکا سا نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔
ایک البیلی حسینہ جس کی آواز میں موسم بہار کے پرندوں کی دلکشی تھی۔ آنکھیں مٹکاتی ہوئی آگے بڑھی اور بولی:
"اگر پانی کی سطح منجمد ہو جاتی تو یہ زرہ لڑنے والے کے کام آ سکتی۔"
معتمد اس کی حاضر جوابی سے زیادہ اس کی شکل و صورت سے متاثر ہوا۔ نازنین مسکراہٹوں
کے پھول برساتی ہوئی گزر گئی۔ معتمد بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ابن عمار کے اشارے سے
ایک خادم اس کا سُراغ لگانے کے لیے روانہ ہوا۔

اگلے دن جب خواجہ سرا نے اس حسینہ کو شاہی محل میں پہنچا دیا تو اُسے معلوم ہوا کہ اس
کی شوخ نگاہوں کا شکار اشبیلیہ کا ولی عہد ہے۔

"تم کون ہو؟" معتمد نے بظاہر بے اعتنائی سے سوال کیا۔

"عالی جاہ! میں رمیک کی لونڈی ہوں۔"

"تمہارا نام؟"

"میرا نام اعتماد تھا لیکن اب مجھے رمیک کی لونڈی ہونے کے باعث رمیکیہ کے
... سے پکارا جاتا ہے۔"

معتمد نے چند بار اپنے دل میں اعتماد اور رمیکیہ کے الفاظ دہرانے کے بعد سوال کیا۔ "تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

"میں ایک لونڈی ہوں۔ عالی جاہ!" اس نے قدرے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں نہیں۔ تم ایک ملکہ ہو ــــ میرا مطلب ہے کہ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو اشبیلیہ کا ولی عہد تمہیں اپنے تاج کا ہیرا بنانے کے لیے تیار ہے۔"

"عالی جاہ! آپ مذاق کرتے ہیں۔" رمیکیہ نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

معتمد نے کہا "میرے سوال کا جواب دو۔ رمیکیہ کیا تمہیں میری رفیقہ حیات بننا منظور ہے؟"

رمیکیہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں آپ کی کنیز بننا بھی اپنے لیے باعث فخر سمجھتی لیکن رمیک کی لونڈی کے تخیل کی پرواز اس محل کی چاردیواری تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟"

"میں رمیک سے تمہاری آزادی خرید چکا ہوں۔ اب تمہاری پرواز پر کوئی پابندی نہیں۔ میرے سوال کا جواب دو!"

رمیکیہ مسکرائی۔ "شہزادے اگر آپ دل لگی نہیں کرتے تو میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے چکی ہوں۔"

رمیکیہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد معتمد کے لیے ہر صبح، صبحِ مسرت، ہر شب شبِ نشاط تھی۔ رمیکیہ بذلہ سنجی، شیریں کلامی اور خوش ادائی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا معتمد اپنی زندگی کا اولین فرض سمجھتا تھا۔ حق گو اس بات سے نالاں تھے کہ رمیکیہ نے معتمد کو عیش و نشاط اور لہو و لعب میں مبتلا کر رکھا ہے لیکن رمیکیہ کے پاس ایسی شکایت کے جواب میں حقارت آمیز تبسم کے سوا کچھ نہ

تھا۔ معتمد کی مسند نشینی کے بعد سلطنت کے کاروبار میں رمیکیہ کا اشارہ ایک حکم سمجھا جاتا تھا۔ اب معتمد کی زندگی ہر لحاظ سے ایک شاعر کا خواب تھی۔ شعر و نغمہ کی مجلسوں اور ضیافتوں کا انتظام بن عمار کے سپرد تھا اور حرم کے عیش و نشاط کو رمیکیہ نے اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ مفکر، سیاستدان اور علوم و فنون کے ماہرین، شاہی محل کے خانساموں، باورچیوں اور سازندوں کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔

قرطبہ، طلیطلہ اور اشبیلیہ

قرطبہ کی عظیم الشان سلطنت کسی زمانے میں بحیرۂ روم کے ساحل سے لے کر پرینیز کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اب اس کی وسعت اندلس کے ایک چھوٹے سے ضلع سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم اس گئی گزری حالت میں بھی اموی خاندان کے دارالحکومت کو عروس البلاد کہا جاتا تھا اور ملوک الطوائف میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے بے قرار نہ ہو۔ اشبیلیہ کا حکمران معتمد اور طلیطلہ کا حکمران مامون ذالنون، دوسرے امراء کی نسبت زیادہ طاقتور تھے اور ان دونوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ اندلس کے شہنشاہ ہیں اس لیے قرطبہ پر پہلا حق بھی انہی کا ہے۔ چنانچہ ایک طرف مامون اور دوسری طرف معتمد قرطبہ کی سرحدوں پر اپنی افواج جمع کر رہے تھے۔ اب صرف یہ سوال تھا، کہ پہل کون کرے۔ معتمد کو یہ خطرہ تھا کہ اگر میں نے پہل کی تو مامون اہلِ قرطبہ کا طرف دار ہو کر میرے خلاف لڑے گا اور مامون کو یہ ڈر تھا کہ اگر میں نے قرطبہ پر حملہ کیا تو معتمد نہ صرف اہلِ قرطبہ کی اعانت کے لیے اپنی فوجیں بھیج دے گا بلکہ وہ براہِ راست طلیطلہ پر حملہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

قرطبہ میں آئے دن مسندِ حکومت کے لیے نئے نئے دعویداروں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر اکثر علماء اور عوام نے ایک عمر رسیدہ سیاستدان ابنِ جہور کو حکومت کی مسند پر بٹھا دیا۔ کچھ عرصہ علماء کی مجلسِ شوریٰ کے صلاح و مشورے سے حکومت کا کاروبار چلتا رہا لیکن جب ابنِ جہور کے بیٹے عبدالملک نے اپنے باپ کو سلطنت کے معاملات سے بے دخل کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تو سلطنت کے جمہوری خصائل ختم ہو گئے

اور مجلسِ شوریٰ جی حضوریوں کی ایک ٹولی بن کر رہ گئی۔

اس عرصے میں مامون ذالنون، قسطلہ کے عیسائی حکمران الفانسو ششم کے ساتھ معاہدہ کر چکا تھا کہ اگر قرطبہ پر حملے کی صورت میں معتمد کے ساتھ اس کی ٹکر ہو گئی تو وہ اس کی مدد کریگا۔ ابنِ جہور کی حکومت کو کسی حد تک عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ اس لیے مامون نے الفانسو کی حمایت کے یقین کے باوجود بھی حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا، کہ حکومت کی گدی عبدالملک نے سنبھال لی ہے اور عوام اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو رہے ہیں تو اُس نے فوراً قرطبہ پر حملہ کر دیا۔ معتمد کے لیے اس کی یہ حرکت ناقابلِ برداشت تھی لیکن وہ کسی جوابی کاروائی کے لیے آمادہ نہ ہوا۔

اہلِ قرطبہ اس گئی گزری حالت میں بھی طلیطلہ کے حکمران اور وہ بھی الفانسو کے ایک باجگزار کی غلامی کی لعنت قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ لوگ جو عبدالملک کی گزشتہ بدعنوانیوں کے باعث قرطبہ کی سیاسیات سے کنارہ کشی کر چکے تھے، اپنے گوشوں سے نکل آئے اور انھوں نے یہ نعرہ بلند کیا "قرطبہ ہمارا ہے"!

عبدالمنعم کو زندگی میں پہلی بار کسی بڑے مقصد کے لیے کام کرنے کا موقع ملا اور اُس نے قرطبہ کے عوام کو ایک راہنما کی حیثیت سے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا معترف بنا لیا۔ اُس نے قرطبہ کے اکابر کے ایک وفد کے ساتھ عبدالملک سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے بعد اس نے شاہی ایوان کے دروازے پر جمع ہونے والے لوگوں کو یہ مژدہ سنایا کہ عبدالملک نے جنگ میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ہمارے یہ مطالبات مان لیے ہیں کہ وہ اختتام جنگ تک مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں پر عمل کرے گا۔ فوج کی قیادت مجلسِ شوریٰ کی ہدایت کے مطابق تجربہ کار اور قابلِ اعتماد لوگوں کے ہاتھ میں دی جائے گی۔ غیر ذمہ دار اور نالائق عہدیداروں کو معزول کیا جائے گا۔ جنگ کے اختتام کے بعد قرطبہ کے علماء اور اکابر کا اجلاس طلب کیا جائے گا اور وہ عبدالملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

عبدالمنعم کا یہ اعلان قرطبہ کے ہر کوچے، ہر محلہ سے، ہر درس گاہ اور مسجد میں دہرایا جانے لگا اور عوام کا یہ نعرہ بلند ہوتا گیا۔ کہ "قرطبہ ہمارا ہے!"

ایک دن جب قرطبہ کے ایک سرحدی قلعہ پر مامون کے حملے کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ قرطبہ کے عوام جامعہ قرطبہ میں عبدالمنعم کی رُوح پرور تقریر سُن رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا:

"مسلمانو! یہ وہ مسجد ہے جہاں تمہارے اسلاف عبدالرحمان، الحکم اور المنصور جیسے مجاہدوں کا اعلانِ جہاد سُننے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کے فرش پر خدا کے ان بندوں کے سجدوں کے نشان ہیں، جن کے پاؤں تلے مغرور نصرانی بادشاہوں کے تاج روندے جاتے تھے۔ لیکن آج ہم اس لیے یہاں جمع ہوئے ہیں کہ تباہی کا سیلاب جو ہمارے گھروں تک پہنچ چکا ہے اسے کس طرح روکا جائے۔ آج ہمارے تیروں کی ہدف کفر کی پناہ گاہیں نہیں بلکہ ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ ہم اپنی آزادی اور بقا کے لیے دشمنوں کی یلغار کو کیونکر روک سکتے ہیں۔ تم سن چکے ہو کہ طلیطلہ سے مامون ذالنون قرطبہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ تم میں سے بعض لوگ شاید یہ خیال کرتے ہوں گے کہ مامون اور دوسرے ملوک الطوائف میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اگر آئے گا تو زیادہ سے زیادہ عبدالملک کو قرطبہ کی مسندِ حکومت سے اتار کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے گا اور عوام کے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن میری بات کان کھول کر سن لو۔ عبدالملک کو تمہاری بے حسی اور تمہارے امراء کی خود غرضی نے جنم دیا ہے۔ لیکن مامون اسلام کے بدترین دشمنوں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ اس کی آمد کے بعد طلیطلہ اور قرطبہ کے درمیان جو نیا راستہ تیار ہوگا، وہ نصرانی حملہ آوروں کے لیے ایک شاہراہ کا کام دے گا۔ مامون ہمارے لیے الفانسو کی غلامی کی زنجیریں لے کر آ رہا ہے۔ قرطبہ میں جو جھنڈا اس کے ہاتھوں نصب ہوگا، اس پر تم صلیب کا نشان دیکھو

گے۔ الزہرا میں اقتدار کی جو کرسیاں خالی ہوں گی وہ مامون اور اس کے خود غرض امراء کے نہیں بلکہ الفانسو اور اس کے سپاہیوں کے حصے میں آئیں گی۔ جو گردنیں مامون کے سامنے جھکیں گی ان پر کسی دن الفانسو کی تلوار لٹک رہی ہوگی۔ ہماری جو بستیاں اور شہر مامون کے قبضہ میں چلے جائیں گے، جو ہاتھ مامون کی غلامی کی زنجیریں پہنیں گے وہ کسی دن الفانسو کے حکم سے کاٹ دیے جائیں گے۔ جو لوگ اس مسجد میں جمع ہو کر مامون کی بیعت کریں گے وہ کسی دن اس منبر سے الفانسو کی بادشاہت کا اعلان سنیں گے!

مسلمانو! میں مامون کا راستہ روکنا چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں عبدالملک کی حکومت سے مطمئن ہوں۔ اگر اس جنگ کے نتائج صرف دو حکمرانوں تک محدود رہتے تو مجھے اس کی طاقت آزمائی سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ میں قوم کو ان دونوں سے نجات دلانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرتا۔ لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تباہی کے جس گڑھے کی طرف ہمیں مامون دھکیلنا چاہتا ہے، وہ اس قدر ہولناک ہے کہ ہم شاید دوبارہ کبھی نہ اُٹھ سکیں، مجھے یہ گوارا نہیں کہ یہ شہر جسے ہم اسلام کا آخری حصار بنانا چاہتے ہیں، عیسائی حملہ آوروں کی بیرونی چوکی بن جائے۔ میں بنی جہور کے اقتدار کے لیے نہیں بلکہ اپنی بقا کے لیے لڑنا چاہتا ہوں۔ مسلمانو تم آج تک ملوک الطوائف کی خانہ جنگی تماشائیوں کی حیثیت میں دیکھتے رہے ہو لیکن آج تم مامون کے نیام میں جو تلوار دیکھ رہے ہو اس کا قبضہ الفانسو کے ہاتھ میں ہے اور اس تلوار کا ہر وار اُن لوگوں پر ہوگا جو مسلمانوں کی حیثیت میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ مامون نے الفانسو کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی سلطنت کی کئی بستیاں اس کے حوالے کر دی ہیں۔ ان بستیوں کے مسلمانوں کو بھیڑ

بکریاں سمجھ کر عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تم اس سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ تمہیں عیسائیوں کے پاس فروخت کرنے سے دریغ کرے گا۔ اگر وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہوا تو یہ کامیابی درحقیقت الفانسو کی کامیابی ہوگی اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ تم میں سے کسی کو الفانسو کے عزائم کے متعلق غلط فہمی ہے۔ اگر ہم اس خطرے کو قرطبہ کی چار دیواری سے باہر نہ روک سکے تو اندلس کے مسلمان آہستہ آہستہ بحیرۂ روم کی طرف دھکیل دیے جائیں گے ..... ہمارے پیچھے بھیڑیوں کے لشکر ہوں گے اور سامنے سمندر کی لہریں لیکن اگر ہم خودکشی کا ارادہ نہیں کر چکے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس خطرۂ عظیم کو روک سکتے ہیں۔ آج بھی مسلمانانِ قرطبہ میں اتنی ہمت ہے کہ وہ بڑے سے بڑے طوفان کا رُخ بدل سکیں۔ مامون اور اس کے نصرانی حلیفوں کا رُخ پھیرنے کے لیے صرف پچاس ہزار رضاکاروں کو میدان میں لایا جا سکتا ہے اور جب اہلِ قرطبہ میدان میں آئیں گے تو باقی اندلس کے مسلمان ان کی پشت پر ہوں گے اور ہم نہ صرف قرطبہ کو بچا سکیں گے بلکہ سارے اندلس کو ان ملوک الطوائف سے بچا سکیں گے جن کا وجود مسلمانانِ اندلس کے مستقبل کے لیے ایک دائمی خطرہ ہے۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی کو اسلام کا مستقبل عزیز ہوگا تو وہ ہمارا ساتھ دے گا، ورنہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ملت کے غداروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مسلمانو! اب تقریروں کا وقت نہیں، اب مورچے بنانے اور خندقیں کھودنے کا وقت ہے، تم سن چکے ہو کہ دشمن قرطبہ سے دور نہیں، وقت کا نقیب تم سے صرف ایک سوال پوچھتا ہے اور وہ یہ سوال ہے کہ کیا تم تیار ہو؟"

سامعین جوش و خروش کے ساتھ یہ نعرے بلند کر رہے تھے "ہم تیار ہیں۔ ہم سب تیار ہیں!!!"

(۲)

عوام کو تیاری کا موقع دینے کے لیے عبدالملک کی فوج نے قرطبہ سے پیش قدمی کر کے مامون ذالنون کے لشکر کو سرحد پر روکنے کی کوشش کی۔ کئی دن فریقین کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مامون برسوں کی تیاری کے بعد میدان میں آیا تھا، اس کی فوج اسلحہ کی برتری اور تعداد کے لحاظ سے قرطبہ کی فوج کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقتور تھی اس کے علاوہ الفانسو اور شمال کے عیسائی امراء جو اس کے زیر اثر تھے۔ مامون کی پشت پر تھے۔

بالآخر ایک فیصلہ کن معرکے میں قرطبہ کی افواج کو شکست ہوئی اور مامون اُن کا تعاقب کرتا ہوا قرطبہ کی چار دیواری تک پہنچ گیا۔ اس عرصے میں قرطبہ کے عوام کو تیاری کا موقع مل چکا تھا۔ علما کی کوششوں سے مختلف شہروں سے رضاکاروں کی ٹولیاں قرطبہ کی حفاظت کے لیے پہنچ رہی تھیں۔ قرطبہ کا عقب وادی الکبیر[1] کے باعث محفوظ تھا اور الزہرا کی عمارات وادی الکبیر کے دوسرے کنارے پر تھیں، اس لیے وہ خطرے کی زد سے باہر تھیں۔ قرطبہ اور الزہرا کے درمیان آمد و رفت کے لیے دریا کے راستے محفوظ تھے۔

مامون کے لشکر نے تین اطراف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کئی بار طلیطلہ کی افواج یلغار کرتی ہوئی قرطبہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں لیکن اہل قرطبہ کی شدید مزاحمت کے باعث انہیں ہر بار پیچھے ہٹنا پڑا۔ تاہم مامون نے شدید نقصانات اٹھانے کے باوجود قرطبہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ اُسے یہ امید تھی کہ الفانسو اس کی مدد کے لیے پہنچ جائے گا لیکن اس کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی۔ الفانسو کو مامون کی فتح یا اہلِ قرطبہ کی شکست سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ صرف ان دو فریقوں میں جنگ کا خواہشمند تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آپس کی زور آزمائی سے طلیطلہ اور قرطبہ اسقدر

---

[1] یہ وہ مشہور دریا ہے جس کے کنارے قرطبہ اور وہاں سے کچھ فاصلے پر مدینۃ الزہرا ہے اور اندلس کا دوسرا عظیم الشان شہر "اشبیلیہ" بھی اسی دریا کے کنارے آباد ہے۔

کمزور ہو جائیں کہ وہ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر دونوں کو مغلوب کر سکے۔ اس نے قرطبہ پر حملہ کرنے کے لیے مامون کی پیٹھ ٹھونکی تھی لیکن جب مامون قرطبہ کی چار دیواری تک پہنچ گیا تو اس نے اپنے وعدوں کے باوجود اس کی اعانت کے لیے فوج نہ بھیجی۔ وہ مامون کے ایک حلیف کی حیثیت سے میدان میں آنے کی بجائے ایک تماشائی کی حیثیت میں قرطبہ کی جنگ کے نتائج کا انتظار کر رہا تھا۔

اب اشبیلیہ کے حکمران معتمد کی باری تھی، وہ اپنی فراست سے یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ الفانسو مامون کا دوست نہیں بلکہ وہ جنوب کی طرف پاؤں پھیلانے سے طلیطلہ کو ہڑپ کرنا ضروری سمجھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے مامون کی فوجی قوت زائل کرنے کے لیے اُسے قرطبہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

جب قرطبہ کے محاصرے نے طول کھینچا اور الفانسو کی طرف سے مامون کو کوئی کمک نہ پہنچی تو اس کا یہ یقین اور بھی پختہ ہو گیا، کہ الفانسو کو اس کی فتح کی بجائے اس کی شکست کے ساتھ زیادہ دلچسپی ہے۔ معتمد ہر میدان میں مامون کی شکست کو اپنی فتح سمجھتا تھا۔ اس کے جاسوس اسے قرطبہ کے حالات سے ہر وقت باخبر رکھتے تھے اور اُسے یہ اطمینان ہو چکا تھا، کہ مامون دیر تک محاصرہ جاری نہیں رکھ سکتا۔

لیکن قرطبہ میں جو حالات پیدا ہو رہے تھے وہ اس کے لیے پریشان کن تھے۔ اس کے جاسوس اسے بتا چکے تھے کہ قرطبہ آہستہ آہستہ اندلس کے تمام علماء کی توجہ کا مرکز بن رہا ہے۔ ان کی تبلیغ سے مختلف شہروں سے رضاکاروں کی جماعتیں قرطبہ میں جمع ہو رہی ہیں، اور اندلس کے بعض علماء کی یہ تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ کہ قرطبہ کو مرکز بنا کر سارے اندلس پر اسلامی حکومت نافذ کی جائے اور عامۃ المسلمین کو ان ملوک الطوائف کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے جو مسلمانوں کی عزت اور آزادی کو اپنے ذاتی اقتدار کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں معتمد کے جاسوس اُسے یہ اطلاع بھی دے چکے تھے کہ بطلیوس کا حکمران عمر المتوکل

اہلِ قرطبہ کی مدد کے لیے پہنچ چکا ہے اور وہ بھی علماء کی اس تحریک کا حامی بن چکا ہے۔ مامون کو یقیناً شکست ہو گی لیکن اس کی شکست کے بعد قرطبہ میں علمائے دین کا اقتدار اس قدر بڑھ جائے گا کہ وہ بڑی سے بڑی طاقت کے ساتھ ٹکر لینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ عبدالملک یا تو ان کے اشاروں پر چلے گا، ورنہ علماء کی مجلسِ شوریٰ اسے کان سے پکڑ کر مسندِ حکومت سے اُتار دے گی۔ ان حالات میں قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے معتمد جس موقع کا منتظر ہے وہ کبھی نہیں آئے گا۔ بلکہ اُندلس میں اسلام کے احیاء کی یہ تحریک اشبیلیہ میں اس کے اقتدار کے لیے خطرے کا باعث ہو گی۔ اس کے شاعروں، وزیروں، امیروں اور اس کی ملکہ کو یہ گوارا نہ تھا، کہ اسلام کے نام لیوا کسی دن ان کے عشرت کدوں میں گھس آئیں اور ان کی عیش و نشاط کی محفلیں درہم برہم کر ڈالیں۔ بلکہ وہ قرطبہ اور الزہرا کے ایوانوں کو بھی اپنی عیاشی کے اڈے بنانا چاہتے تھے۔

(۳)

عبدالمنعم کی بیوی صبح کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کر رہی تھی کہ صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ ”اللہ تیرا شکر ہے!“ اس نے تشکر کے آنسوؤں کے ساتھ دُعا ختم کی اور اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کا شوہر زرہ میں ملبوس تھا۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا چمکتا ہوا خود سر سے اتارا۔ اس کے تھکے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر بیوی تمام کلفتیں بھول گئی۔

عبدالمنعم برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیوی نے جھک کر اس کا موزہ اتارنا چاہا لیکن عبدالمنعم نے اُسے منع کرتے ہوئے کہا۔ ”نہیں بیگم میں صرف ایک ساعت کے لیے آیا ہوں بیٹھ جاؤ!“

بیوی نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ ”جنگ کی حالت ٹھیک ہے نا؟“

”بالکل ٹھیک ہے۔ رات کو دشمن کا حملہ بہت شدید تھا لیکن ہم نے انہیں بہت بڑی شکست دی ہے۔ اب ہم فیصلہ کن حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ بچے کہاں ہیں؟“

"سعد نماز پڑھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر الزہرا چلا گیا تھا اور احمد اور حسن باہر صحن میں رہے ہیں۔ کل شام آپ نے سعد کو پھر اجازت دے دی تھی۔ ورنہ میں نے اُسے منع کر دیا تھا۔"

عبدالمنعم نے کہا۔ "آج رات لڑائی میں عبدالجبار میرے ساتھ تھا۔ وہ سعد سے بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔"

"عبدالجبار کون! ادریس کا باپ؟"

"ہاں، وہ کہتا تھا کہ سعد نے ادریس اور اس کے تمام دوستوں کو اچھے خاصے تیر انداز بنا دیا ہے"

عبدالمنعم کی بیوی نے کہا۔ "سعد کہتا ہے کہ مامون کی فوجوں نے قرطبہ کی کئی بستیاں جلا دی ہیں۔ میں بچوں کی ایک فوج تیار کر رہا ہوں۔ بڑے ہو کر ہم طلیطلہ پر حملہ کریں گے اور مامون سے انتقام لیں گے۔"

احمد اور حسن صحن میں داخل ہوئے اور بھاگتے ہوئے اپنے باپ کے ساتھ لپٹ گئے۔

احمد نے سوال کیا۔ "ابا جان اشبیلیہ کی فوج کب آئے گی؟"

"بیٹا اشبیلیہ کی فوج شاید آج پہنچ جائے گی۔"

عبدالمنعم کی بیوی نے کہا۔ "شہر کے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔"

عبدالمنعم نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اب مامون کو شکست دینے کے لیے ہمیں معتمد کی کی ضرورت نہ تھی۔"

اس کی بیوی نے کہا۔ "واقعی اشبیلیہ کا لشکر بہت دیر سے آیا ہے۔ پھر بھی یہ اچھا شگون ہے۔ میرے خیال میں اشبیلیہ کی فوج دیکھتے ہی مامون کا رہا سہا حوصلہ ٹوٹ جائے گا۔"

عبدالمنعم بولا۔ "مامون کا حوصلہ پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے۔ اب خدا کرے، معتمد کی فوج کی آمد ہمارے لیے کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو۔ اگر وہ خلوص دل سے قرطبہ کی مدد کرنا چاہتے تھے، تو انہیں کئی دن پہلے یہاں پہنچنا چاہیے تھا۔ اب بھی وہ ایک ہفتہ سے قرطبہ سے بیس میل دور پڑاؤ ڈال کر مشاعرے کر رہے ہیں۔ کل ہمیں اطلاع ملی تھی کہ وہ وہاں

سے کوچ کر چکے ہیں اور شام تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ شام کے وقت فوج ان کے استقبال کے لیے الزہرا میں جمع ہو گئی تھی اور کئی رضا کار بھی بازاروں کو سجانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ عشا کی نماز کے بعد ہمیں اطلاع ملی کہ اشبیلیہ کی فوج یہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر رُک گئی ہے اور وہ صبح تشریف لائیں گے۔ دشمن کو شاید ان واقعات کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے رات کے وقت پوری قوت کے ساتھ تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ اگر بطلیوس کے سپاہی ڈٹ کر مقابلہ نہ کرتے تو اس وقت شہر پر مامون کا قبضہ ہو چکا ہوتا۔ دشمن کو رات کے تیسرے پہر شہر پناہ سے پیچھے ہٹانے کے بعد میری یہ کوشش تھی کہ ہم فیصلہ کن حملہ کریں لیکن بدقسمتی سے لوگوں میں وہ پہلا سا جوش و خروش باقی نہیں رہا، قرطبہ کی فوج کے اکثر رضا کار بھی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دشمن پر آخری ضرب لگانے کے لیے صرف اشبیلیہ کی فوج کافی ہو گی۔ اگر ان کے سر پر علمار کا پہرا نہ ہو تو وہ اپنے اپنے مورچے چھوڑ کر گھروں کی طرف بھاگ آئیں۔"

خادمہ نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہے اور عبدالمنعم اُٹھ کر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔

(۴)

ادریس تیر کمان ہاتھ میں لیے اپنے مکان کے سامنے وسیع باغ میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ایک کبوتر فضا میں اڑتا ہوا آیا۔ اس نے جلدی سے نشانہ باندھ کر تیر چلا دیا لیکن کبوتر بچ کر نکل گیا۔ پیچھے سے اسے ایک قہقہہ سُنائی دیا۔ ادریس نے غصے کی حالت میں مڑ کر دیکھا تو اس کی چھوٹی بہن میمونہ ہاتھ میں ایک گڑیا لیے کھڑی تھی۔

"تم کس بات پر ہنسی ہو؟" ادریس نے برہم ہو کر کہا۔

میمونہ اُسے جواب دیے بغیر بھاگی اور زمین پر گرا ہوا تیر اُٹھا لائی۔ "یہ لو!" اُس نے شرارت آمیز تبسم سے اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ادریس نے تیر پکڑنے کی بجائے میمونہ کے دوسرے ہاتھ سے گڑیا چھین لی اور اسے پاس ہی ایک درخت پر پھینک دیا۔

گڑیا درخت کی ایک شاخ پر اٹک کر رہ گئی۔ میمونہ نے تیر پھینک دیا اور کچھ دیر مُنہ بسورنے کے بعد درخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اُتار لوں گی!"

"کیسے اُتارو گی؟"

"میمونہ پاس ہی ایک کیاری سے مٹّی کے ڈھیلے اُٹھا کر درخت پر پھینکنے لگی!

"تم سے نہیں اترے گی۔ دیکھو میں تیر کے ساتھ نشانہ کرتا ہوں۔ ابھی نیچے آجائے گی

یہ کہتے ہوئے ادریس نے گڑیا کا نشانہ کرنے کی کوشش کی لیکن میمونہ بھاگ کر اس کے بازو کے ساتھ لپٹ گئی۔ "نہیں۔ نہیں میری گڑیا پر تیر مت چلاؤ!"

ادریس نے کہا۔ "اچھا، چھوڑو۔ میں ڈھیلا مار کر اُتار دیتا ہوں۔"

میمونہ نے ادریس کا بازو چھوڑ دیا۔ ادریس ڈھیلا اُٹھانے کے لیے بڑھا لیکن اتنی دیر میں باہر پھاٹک پر سعد نمودار ہوا اور ادریس گڑیا کا خیال چھوڑ کر اس کی طرف بڑھا۔

"آج باقی لڑکے نہیں آئے؟" سعد نے گھوڑے سے اترتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، وہ آج نہیں آئے، وہ سب اشبیلیہ کے لشکر کا جلوس دیکھنے چلے گئے ہیں۔"

"لیکن ابھی تو اشبیلیہ کا لشکر نہیں آیا؟"

"وہ کہتے تھے کہ وہ یہاں سے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔ آج الزہرا کو بہت سجایا گیا ہے سنتے ہیں معتمد کا وزیر ابنِ عمار بھی فوج کے ساتھ ہے۔"

سعد نے کہا۔ "چچا الیاس کہتا تھا کہ وہ صرف شعر کہنا اور شطرنج کھیلنا جانتا ہے۔"

"میرے ابا جان بھی کہتے تھے کہ وہ آٹھ دن سے بیس میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ شاید راستے میں شطرنج کھیلتے ہوں گے!"

ادریس سعد کا گھوڑا لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا۔

میمونہ کچھ دیر چند قدم دور کھڑی رہی اور پھر درخت کے قریب پہنچ کر اوپر ڈھیلے پھینکنے لگی۔

"کیا ہے میمونہ؟" سعد نے اس کے قریب جاکر سوال کیا۔

"ادریس نے درخت پر میری گڑیا درخت پر پھینک دی ہے۔" میمونہ نے شکایت کے لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھہرو میں اتار دیتا ہوں۔" سعد نے کمان میں تیر چڑھاتے ہوئے کہا۔

میمونہ نے احتجاج کیا۔ "نہیں نہیں۔ دیکھو میری گڑیا!"

"تم فکر نہ کرو۔ میرا تیر تمہاری گڑیا کو نہیں لگے گا۔" سعد نے یہ کہہ کر تیر چھوڑ دیا۔ ٹہنی میں تیر لگنے سے گڑیا نیچے گر پڑی اور میمونہ نے اٹھا کر اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا:

"اگر بھائی ادریس نشانہ کرتا تو اس کا تیر ضرور اس کی آنکھ میں لگتا۔"

"ادریس کا نشانہ ایسا بُرا تو نہیں۔"

"ہونہہ بُرا نہیں۔ اس نے ابھی اُڑتے ہوئے کبوتر پر نشانہ کیا تھا تو تیر زمین پر آگرا تھا۔"

سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تیر تو میرا بھی زمین پر آگرا ہے۔"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ اچانک میمونہ نے سوال کیا۔ "تم میری گڑیا کا نام جانتے ہو؟"

"نہیں — گڑیوں کے نام بھی ہوتے ہیں؟"

"کیوں نہیں ہوتے؟"

"اچھا بتاؤ کیا نام ہے تمہاری گڑیا کا؟"

"اس کا نام ہے سلطانہ رمیکیہ۔ جانتے ہو سلطانہ رمیکیہ کون ہے؟"

"تم نے ابھی تو کہا ہے کہ یہ تمہاری گڑیا کا نام ہے۔"

"نہیں امی جان کہتی تھیں کہ سلطانہ رمیکیہ اشبیلیہ کی ملکہ ہے۔"

سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تو تمہاری گڑیا اشبیلیہ کی ملکہ ہے۔"

میمونہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

سعد نے کہا "تمہاری گڑیا کے لیے رمیکیہ کچھ اچھا نام نہیں۔ اس لیے تم اسکا کوئی اور نام رکھ لو"
میمونہ نے پریشان ہو کر سوال کیا "اچھا تم بتاؤ کیا نام رکھوں اس کا؟"
"تم اسے میمونہ کہا کرو۔ یہ نام بہت اچھا ہے"
میمونہ نے پھر ہنستے ہوئے کہا "میمونہ تو میرا اپنا نام ہے"۔

اتنی دیر میں ادریس گھوڑا باندھ کر واپس آگیا اور دونوں تیر اندازی کی مشق کے لیے باغ کی طرف چل دیے۔ میمونہ ان کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔

اشبیلیہ کی فوج نے قرطبہ اور الزہرا کے درمیان وادی الکبیر کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ معتمد کا بیٹا عباد اور اس کا وزیر ابنِ عمار اس فوج کے ساتھ آئے تھے۔ اہلِ قرطبہ نے اُن کے استقبال میں بے پناہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ اب عوام نہ صرف اپنی فتح کے متعلق پُرامید تھے۔ بلکہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ دشمن کو شکست دینے کے بعد وہ طلیطلہ تک اس کا تعاقب جاری رکھ سکیں گے۔ تاہم بطلیوس کا حکمران عمر المتوکل جو ایک ہزار سواروں کے ساتھ اہلِ قرطبہ کی مدد کے لیے آیا تھا۔ اس صورتِ حال سے خوش نہ تھا۔ اس نے عبدالملک کو سمجھایا کہ تم اشبیلیہ والوں کے خلوص پر بھروسہ کر کے غلطی کر رہے ہو لیکن عبدالملک کے صلاح کاروں کے سامنے اس کی پیش نہ گئی۔ عبدالمنعم اور اس کے چند ہم خیال ... کے سوا کوئی اشبیلیہ والوں کی نیت پر شبہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ عمر المتوکل نے آزردہ خاطر ہو کر اپنے سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا۔ عوام نے ان کی آمد پر خوشی کے نعرے لگائے تھے لیکن اپنے نئے مددگاروں کی تعداد دیکھ کر انھوں نے ایک ہزار سواروں کے بگڑ کر واپس چلے جانے کو کوئی اہمیت نہ دی۔

عبدالملک، ابنِ عمار اور قرطبہ کے رہنماؤں کے درمیان یہ فیصلہ ہوا کہ مامون کو شکست دینے کے بعد پوری قوت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا جائے۔ چنانچہ ... ہفتوں کی تیاری کے بعد ایک دن علی الصباح اچانک شہر کے دروازے کھول دیے گئے، اور قرطبہ اور اشبیلیہ کی افواج اور رضاکاروں کی جماعتوں نے شہر سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ دوپہر کے

وقت مامون کی فوج شکست کھا کر بھاگ گئی تھی۔ شام کے وقت جب عبدالملک اور اس کے ساتھی دشمن کے تعاقب میں قرطبہ سے چند کوس دور جا چکے تھے تو انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ اشبیلیہ کے بیشتر سپاہیوں نے یا تو تعاقب میں حصہ ہی نہیں لیا اور اگر حصہ لیا ہے تو وہ واپس لوٹ گئے ہیں۔ ابنِ عمار اور عباد بھی پیچھے رہ گئے تھے۔ اشبیلیہ کے سات ہزار سپاہیوں میں سے صرف دو ہزار ان کے ساتھ تھے۔

رات کے وقت جب تھکے ہوئے سپاہیوں نے ایک چھوٹے سے شہر میں قیام کیا، تو عبدالملک نے قرطبہ کے لیڈروں کی ایک خفیہ مجلس بلائی۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا، کہ اشبیلیہ کی فوج اپنی بزدلی اور تساہل کے باعث پیچھے رہ گئی ہے۔ عبدالمنعم بھی اس مجلس میں شریک تھا اور وہ ان لوگوں کا ہم خیال تھا جو ابنِ عمار کا پیچھے رہنا خطرناک سمجھتے تھے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ عبدالملک پانچ سو سواروں کے ساتھ فوراً واپس چلا جائے اور باقی فوج یہیں ٹھہر کر قرطبہ کی اطلاعات کا انتظار کرے۔

جب یہ لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ قرطبہ کی اسٹیج پہ نیا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

ابنِ عمار بظاہر تین ہفتوں سے مامون پر فیصلہ کن حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھا لیکن دراصل اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ اشبیلیہ سے اپنے ساتھ سونے اور چاندی کے انبار لے کر آیا تھا اور تحائف اور انعامات کے عوض ان خود غرض لوگوں کے ضمیر خرید چکا تھا جنہیں عبدالملک نے مجلسِ شوریٰ کے مطالبے پر ملازمتوں سے برطرف کر دیا تھا۔ عیش پسند امراء کا ایک گروہ اس جنگ کے باعث علمائے دین کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ یہ لوگ پہلے ہی معتمد کے ساتھ ساز باز کر چکے تھے۔ خوشامدی شاعر جو یہ سمجھتے تھے کہ قرطبہ میں اسلامی نظام حکومت کے بعد ان کے قصائد سن کر انعام دینے والے ... ہو جائیں گے۔ سب سے زیادہ پریشان تھے۔

ابنِ عمار ان سب کو یقین دلا چکا تھا کہ معتمد تمہارا نجات دہندہ ہے۔ یہ لوگ قرطبہ کے

بازاروں میں معتمد اور ابنِ عمار کا کلام پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے اور ان کی سخاوت اور دریا دِلی کی داستانیں سنا کر لوگوں پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے کہ عبدالرحمٰن اعظم (ثالث) کے بعد اندلس کے مسلمان اگر کسی کی ذات پر فخر کر سکتے ہیں تو وہ معتمد ہے۔

حریص لوگوں کی نگاہیں ابنِ عمار کے سونے اور چاندی سے خیرہ ہو رہی تھیں۔ جاہ پسندوں کو خوش کُن وعدوں کے ساتھ خریدا جا چکا تھا۔ الزہرا کے محافظ اور خواجہ سراؤں کو تحائف اور انعامات دیے جا چکے تھے۔

اہلِ قرطبہ صرف معتمد کے وزیر کے فیاض ہاتھوں کو دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے، کسی کو یہ خیال تک نہ تھا کہ ان ہاتھوں میں ایک زہر آلود نشتر بھی چھپا ہوا ہے۔ ابنِ عمار نے اپنی سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کمال رازداری سے کام لیا تھا۔

قرطبہ کے علماء اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ابنِ عمار بار بار یہ اعلان کر چکا تھا کہ اُس کی منزل طلیطلہ ہے اور قرطبہ کے بے حد محتاط لوگ بھی اس کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

جب فیصلہ کُن حملہ کیا گیا، تو ابنِ عمار نے اپنے دو ہزار سپاہی الزہرا اور قرطبہ کے درمیان اپنے پڑاؤ ہی میں روک لیے۔ پانچ ہزار سپاہیوں نے اہلِ قرطبہ کا ساتھ دیا لیکن مامون کو شکست دے کر چند میل ان کا تعاقب کرنے کے بعد ان میں سے تین ہزار ایک طرف سے چکر کاٹ کر واپس آ گئے۔ عوام فتح کی خوشی میں مست تھے۔ اس لیے کسی ذی شعور لیڈر نے ان کے واپس آنے پر اعتراض بھی کیا تو انھوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ معتمد کا بیٹا عباد مسجدِ قرطبہ کے دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا فتح کی خوشی میں لوگوں پر سونے اور چاندی کے سکے پھینک رہا تھا اور لوگ اس پر پھول نچھاور کر رہے تھے۔ شہر کے ہر چوک میں قرطبہ اور اشبیلیہ کے مشہور شاعر اپنے سپاہیوں کے بہادرانہ کارنامے بیان کر رہے تھے۔ رات کو شہر میں چراغاں کیا گیا۔

عبدالملک اپنی فوج کے پانچ سو سواروں کے ساتھ رات کے تیسرے پہر شہر

میں داخل ہوا تو اس وقت بھی بعض بازاروں اور کوچوں میں لوگوں کی چہل پہل تھی، عبدالملک اور اس کے ساتھیوں کو اطمینان ہوا، کہ ان کے خدشات بے بنیاد تھے۔ اس نے قصرِ زہرا کا رُخ کیا لیکن وہاں سے تھوڑی دُور اشبیلیہ کی فوج کے ایک دستے نے اس کا راستہ روک لیا اور اس دستے کے سالار نے آگے بڑھ کر کہا "ٹھہریئے! آپ آگے نہیں جا سکتے!"

عبدالملک کے ایک ساتھی نے کہا "تم ہمارا راستہ روکنے والے کون ہو؟"

"ہمیں حکم ہے کہ شہر کے کسی آدمی کو مدینۃ الزہرا کی طرف نہ جانے دیا جائے۔"

"یہ سلطان عبدالملک ہیں اور تم ان کا راستہ نہیں روک سکتے!"

"آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ سلطان عبدالملک ہیں؟ وہ تو دُشمن کے تعاقب میں گئے ہوئے ہیں!"

عبدالملک کی فوج کے ایک اور افسر نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر دبی زبان میں اس سے کہا "یہ کوئی سازش ہے۔ ہمارے لیے شہر جانا بہتر ہو گا۔"

عبدالملک نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا "ہم واپس جا کر شہر میں قیام کریں گے" لیکن جب وہ واپس مڑ کر شہر کا رُخ کر رہے تھے، تو اچانک رات کی تاریکی میں انھیں گھوڑوں کی ٹاپ سُنائی دی اور اشبیلیہ کے سواروں نے جو سڑک کے آس پاس موقع کے منتظر تھے، ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ عبدالملک کے بعض ساتھی حملہ آوروں کا گھیرا توڑ کر اِدھر اُدھر نکل گئے اور دوسروں نے معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔

صبح کے وقت عبدالملک اپنے محل کے قریب ایک قید خانے میں پڑا ہوا تھا اس کا باپ ابن جہور اور اس کے خاندان کے باقی افراد اور الزہرا کے با اثر امراء پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ عبدالملک کو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ابنِ عمار نے قرطبہ کے بعض غداروں اور الزہرا کے پہرے داروں کے ساتھ ساز باز کر کے عشا کی نماز سے تھوڑی دیر بعد ہی الزہرا پر قبضہ کر لیا تھا۔

قرطبہ کی جو فوج مامون کے تعاقب میں گئی تھی اُسے بھی ایک غیر متوقع صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ عبدالملک کی روانگی سے تھوڑی دیر بعد اشبیلیہ کی فوج کے سالار نے بھی اپنے دو ہزار سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا۔

عبدالمنعم نے اشبیلیہ کے سالار کو روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب دیا ہم قرطبہ جا کر اپنی باقی فوج کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالمنعم نے اُسے سمجھایا کہ اس مقصد کے لیے چند سواروں کو بھیج دیں۔ وہ کل تک تمام حالات معلوم کر کے واپس آجائیں گے لیکن اشبیلیہ کے سپہ سالار نے یہ کہہ کر بحث ختم کر دی کہ ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے!

اشبیلیہ کے سالار کے اس طرزِ عمل کے بعد قرطبہ کے سپاہیوں کے یہ شکوک اور بھی پختہ ہو گئے کہ قرطبہ میں کوئی خطرناک سازش ہو رہی ہے۔

قرطبہ کے سالار نے رضاکاروں کے قائد عبدالمنعم سے مشورہ کرنے کے بعد آدھی رات کو یہ فیصلہ کیا کہ ان حالات میں ہمیں یہاں ٹھہرنے کی بجائے قرطبہ کا رُخ کرنا چاہیئے۔

یہ فوج اگلے دن قرطبہ میں داخل ہوئی تو قرطبہ کی عمارات پر معتمد کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔

(۶)

عبدالمنعم نے شہر میں داخل ہوتے ہی سیدھا اپنے مکان کا رُخ کیا۔ دروازے پر شہر کا نیا کوتوال، اشبیلیہ کی فوج کے دو افسر اور چند سپاہی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ نیا کوتوال قرطبہ کے ان فوجی افسروں میں سے تھا جو کچھ عرصہ قبل علمائے قرطبہ کے مشورے سے معزول کیے جا چکے تھے۔

عبدُالمنعم نے اپنا گھوڑا روکا تو کوتوال نے کسی تمہید کے بغیر کہا: "آپ فوراً ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ قصرِ زہرا میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے!"

"کیا یہ حکم ہے!" عبدالمنعم نے اطمینان سے سوال کیا۔

کوتوال کے بجائے اشبیلیہ کے افسر نے جواب دیا: "اگر آپ حکم کے بغیر چلنے کے عادی نہیں تو یہی سمجھ لیجیے!"

"کس کا حکم ہے؟"

"یہ قرطبہ کے گورنر عباد ابنِ معتمد کا حکم ہے۔"

عبدالمنعم نے کہا: "تو لومڑی اپنا جال بچھا چکی ہے۔"

اشبیلیہ کے فوجی گورنر کا چہرہ غصے سے تمتما اُٹھا لیکن کوتوال نے اسے بولنے کا موقع دینا نامناسب سمجھتے ہوئے کہا: "ہم آپ کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں حکم ہے کہ اگر آپ مزاحمت نہ کریں تو آپ کو عزت کے ساتھ لایا جائے ورنہ گرفتار کر کے وہاں پہنچایا جائے۔ اگر آپ وعدہ کریں کہ بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ہم آپ کو تھوڑی دیر کے لیے گھر جانے کا موقع دینے کے لیے تیار ہیں۔"

عبدالمنعم نے اپنے ایک نوکر کو اشارہ کیا اور نیچے اتر کر گھوڑا اس کے حوالے کرتے ہوئے کوتوال سے کہا: "اگر کسی کے گھر میں چور گھس آئیں تو وہ گھر چھوڑ کر بھاگ نہیں جاتا۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر عبدالمنعم گھر میں داخل ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے مکان کے صحن میں اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ بیوی نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ قرطبہ میں معتمد کی بادشاہت کا اعلان ہو چکا ہے۔"

"ہاں۔" عبدالمنعم نے اپنے چہرے پر مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

بیوی نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: "آپ کے بہت سے دوست جنہوں نے معتمد کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

عبدالمنعم یہ کہہ کر سعد کی طرف متوجہ ہوا: "سعد بیٹا! تم باہر جاؤ، اپنے بھائیوں کو بھی لے جاؤ۔ میں تمہیں ابھی بلاتا ہوں۔"

سعد، احمد اور حسن ڈیوڑھی میں چلے گئے۔ تو عبدالمنعم نے اپنی بیوی سے کہا: "انھوں نے

مجھے بلانے کے لیے سپاہی بھیجے ہیں۔"

بیوی نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے۔ وہ دیر سے ہمارے مکان پر پہرہ دے رہے ہیں۔"

عبدالمنعم نے کہا "دیکھو اگر مجھے واپس آنے میں دیر لگے تو بہتر ہوگا کہ تم بچوں کو غرناطہ لے جاؤ۔"

"نہیں۔ نہیں۔" بیوی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تم شاید نہ سمجھ سکو۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد تم یہ محسوس کرو گی کہ قرطبہ کا ماحول ان بچوں کی تربیت کے لیے سازگار نہیں۔ یہاں ان کے سینوں سے غیرت کی چنگاریاں بجھ جائیں گی۔ معتمد کی بادشاہت یہاں اپنے ساتھ عیاری، مکاری اور فحاشی کا سیلاب لے کر آئے گی۔ یہاں زندگی کی قدریں یکسر بدل دی جائیں گی۔ ان بچوں کو میرا ادھورا کام پورا کرنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غرناطہ قرطبہ سے بہت بہتر ہے۔ لیکن وہاں ان کی نگرانی اور تربیت کے لیے ان کے خالو موجود ہیں۔"

بیوی نے کہا "اگر یہ آپ کا حکم ہے تو مجھے انکار کی مجال نہیں لیکن کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے؟"

"نہیں ابھی نہیں۔ میں ڈوبتی ہوئی کشتی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ طوفان عارضی ہے۔ ہم ایک چھوٹے سے مقصد کے لیے لڑ رہے تھے۔ خدا ہمیں ایک بڑے مقصد کی طرف بلا رہا ہے۔ اگر میں یہ سمجھتا کہ اس مقصد کے لیے تمہارا بھی یہاں رہنا ضروری ہے تو میں تمہیں غرناطہ جانے کا مشورہ نہ دیتا۔ ممکن ہے کہ میں آج واپس لوٹ آؤں۔ ممکن ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو لیکن میں تم سے توقع رکھتا ہوں کہ ان بچوں کو تمہارا پہلا اور آخری سبق یہ ہوگا کہ ایک مسلمان کا مقصد اس کی زندگی سے بڑا ہے۔"

بیوی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "میرے آقا! اس سبق کی مجھے بھی ضرورت تھی۔"

عبدالمنعم نے کہا "عبدالجبار رات کے وقت دشمن کے تعاقب میں زخمی ہو گیا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں الیاس کو اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ الیاس اُسے گھر پہنچا کر شام تک یہاں آ جائے گا۔ آپ گھر کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیں۔

اگر ضرورت پڑے، تو فالتو گھوڑے فروخت کروا دیں۔"

بیوی نے کہا "کل جب آپ دشمن کے تعاقب میں جا چکے تھے، عبدالجبار کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ مجھے فتح کی مبارکباد دینے آئی تھی، وہ کہتی تھی اس کے خاوند نے فتح کے بعد اُسے حج پر لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ عبدالجبار کے زخم زیادہ تشویشناک تو نہیں؟"

"طبیب اس کے متعلق بہت پریشان تھے۔ وہ قرطبہ سے تھوڑی دور زخمی ہو گیا تھا لیکن ہمیں اس کے زخمی ہونے کا اس وقت علم ہوا۔ جب وہ بیہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا تھا۔"

عبدالمنعم نے بچوں کو آواز دی اور وہ بھاگتے ہوئے اس کے پاس آ گئے۔ عبدالمنعم نے انہیں یکے بعد دیگرے اٹھا کر گلے لگایا اور پھر سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "سعد بیٹا! میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں اپنے بھائیوں کا خیال رکھنا اور اپنی ماں کو تنگ نہ کرنا۔"

حسن نے اپنے باپ کی ٹانگوں سے لپٹتے ہوئے کہا "ابا جان مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے، آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب لڑائی ختم ہو گی آپ مجھے ساتھ لے جایا کریں گے۔"

"ابھی لڑائی ختم نہیں ہوئی بیٹا!" عبدالمنعم نے حسن کو دوبارہ گلے لگاتے ہوئے کہا۔ پھر ایک لمحے کے لیے سعد، احمد اور اپنی بیوی کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے حسن کو نیچے اتار دیا اور خدا حافظ کہہ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

بچے اپنی ماں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سعد کی پُرنم آنکھیں بتا رہی تھیں، کہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔

(۷)

عبدالمنعم کو قصرِ زہرا کے دار الامراء میں عباد اور ابن عمار کے سامنے پیش کیا گیا۔ عباد معتمد کے گورنر کی حیثیت سے مسندِ حکومت پر رونق افروز تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ ابنِ عمار اور بائیں طرف اشبیلیہ کا قاضی بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے اشبیلیہ کے فوجی افسروں کی

کرسیاں تھیں۔ مسند سے نیچے قرطبہ کے ان امراء کی کرسیاں تھیں جو معتمد کی بادشاہت تسلیم کر چکے تھے۔ ان کرسیوں کے پیچھے پہریدار اور سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ مسند کے پاس دونوں طرف چند کرسیاں کسی خاص مقصد کے لیے خالی رکھی گئی تھیں۔

عبدالمنعم سپاہیانہ وقار کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ اس نے ایک حقارت آمیز تبسم کے ساتھ ان امراء کی طرف دیکھا جو ان کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے قرطبہ کی عزت اور آزادی کا سودا کر چکے تھے۔ کسی کو اس کے ساتھ آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ابن عمار کے اشارے سے اشبیلیہ کا ایک فوجی افسر اُٹھا اور اُس نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبدالمنعم کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ لیکن عبدالمنعم نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔

ابن عمار نے کہا۔ "ہم نے آپ کو ایک دوست کی حیثیت میں یہاں آنے کی تکلیف دی ہے۔ تشریف رکھیے!"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "نہیں میں اس کرسی کی خاطر آپ کی دوستی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میں کھڑا رہنے کو ترجیح دیتا ہوں۔"

ابنِ عمار نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ اہلِ قرطبہ کی اکثریت شہنشاہِ اشبیلیہ کی حکومت کو تسلیم کر چکی ہے۔"

"میں اس سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"اور وہ کیا ہے؟"

"وہ ایک لمبی داستان ہے جسے سننا آپ لوگوں کو پسند نہیں ہوگا۔"

"آپ کو بولنے کی اجازت ہے۔"

"بولنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ جب تک میرے منہ میں زبان ہے میں حق کی آواز بلند کر سکتا ہوں۔ سنیئے، قرطبہ کی آزادی اور عزت پر چھاپہ مارنے کے لیے طلیطلہ سے ڈاکوؤں کا ایک گروہ آیا تھا۔ اہلِ قرطبہ ان ڈاکوؤں کے ساتھ لڑ رہے

تھے کہ اشبیلیہ سے چوروں کا ایک گروہ ان کی دوستی کا لبادہ اوڑھ کر آ گیا۔ انھوں نے ان چوروں کو اپنی عزت اور آزادی کا محافظ سمجھ کر اپنے گھروں میں جگہ دی اور خود ڈاکوؤں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے گھروں سے نکل گئے۔ انھوں نے ڈاکوؤں کو بھگا دیا لیکن جب وہ واپس آئے تو چوروں کا گروہ ان کے گھروں پر قابض ہو چکا تھا۔ تم لوگوں نے دوستی کا نقاب اوڑھ کر ہماری پیٹھ میں ایک زہر آلود خنجر گھونپا ہے اور میں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں کہ قرطبہ میں ایسے لوگ ہیں جن پر اس زہر کا اثر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اپنی مرضی سے تمہاری غلامی کی ذلت قبول کر لی ہے۔ اُنھوں نے اپنی گردنوں پر تمہاری تلواریں دیکھ کر اپنی کمزوری اور بے بسی کا اعتراف کیا ہے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اہلِ قرطبہ تمہاری غلامی پر قانع ہیں تو ایک بار اپنی فوجوں کو قرطبہ کی چار دیواری سے باہر لے جاؤ، پھر دیکھو کہ اہلِ قرطبہ تمہارے لیے الزہرا کے دروازے کھولتے ہیں یا اشبیلیہ کی دیواروں تک تمہارا تعاقب کرتے ہیں۔ تم نے اشبیلیہ سے یہاں تک پہنچتے پہنچتے ایک مہینہ لگا دیا تھا لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اہلِ قرطبہ تمہیں ایک ہی دن میں اشبیلیہ پہنچا دیں گے۔"

ابنِ عمار نے میز پر پڑے ہوئے کاغذات اُٹھائے اور انھیں لپیٹ کر عبدالمنعم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی اخلاقی جرأت کا اعتراف کرتا ہوں لیکن یہ دیکھیے یہ ان علماء کے فتوے ہیں جو سلطان معتمد کی بیعت کر چکے ہیں۔"

عبدالمنعم نے جواب دیا۔ "میں ان کاغذوں کو دیکھے بغیر ان نام و نہاد علماء کے نام بتا سکتا ہوں۔ میرے نزدیک ان سب کے ایمان کی قیمت اس سیاہی سے بھی کم ہے جو ان کاغذوں کو سیاہ کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ جس جنگل میں شیر رہتے ہیں۔ اس میں لومڑیاں بھی ہوتی ہیں، بلکہ لومڑیوں کی تعداد شیروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ ان فتووں پر اُن علماء کے دستخط ہوں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تم قرطبہ کی لاش نوچتے ہوئے انھیں بھی اپنے ساتھ حصہ دار بناؤ گے لیکن میں تمہیں ایسے علماء کا نام بتا سکتا ہوں جنھوں نے اس

ایوان کی کرسیوں کی بجائے تمہارے قید خانے کو ترجیح دی ہے۔"

اشبیلیہ کے قاضی نے کہا "میرا خیال تھا کہ آپ اندلس میں انتشار اور لامرکزیت کا دور ختم کرنے میں ہمارا ساتھ دیں گے۔ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ معتمد کے سوا کوئی اور حکمران اندلس کے مسلمانوں کو ملوک الطوائف سے نجات دلا سکتا ہے؟"

عبدالمنعم نے کہا "آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ خود غرضی، عیاری، مکاری اور عیاشی کا زمانہ ہے، اس لیے اندلس کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ملوک الطوائف میں سے اس شخص کی غلامی قبول کر لیں جو سب سے زیادہ عیاش۔ سب سے زیادہ خود غرض اور عیار ہے۔ تم اہلِ قرطبہ سے معتمد کی بیعت لینے آئے ہو۔ کیا اس لیے کہ وہ عیسائیوں کا باجگزار ہے اور الفانسو کے چہرے کا نقاب ہے۔ تم اُسے مسلمانانِ اندلس کا نجات دہندہ کہتے ہو۔ کیا اس لیے کہ اُس نے مسلمانوں میں انتشار کا بیج بونے میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے؟"

حاضرینِ محفل کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ معتمد کا نوعمر بیٹا جس نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی، اضطراب کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ اشبیلیہ کے فوجی افسر اُٹھ اُٹھ کر احتجاج کر رہے تھے۔ ابنِ عمار نے گرج کر کہا "خاموش! تم اپنے آپ کو بدترین سزا کے مستحق ثابت کر چکے ہو۔"

لیکن عبدالمنعم نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ قرطبہ کے غدار بھی شور مچا رہے تھے لیکن عبدالمنعم کی آواز سب سے بلند تھی۔

بالآخر ابنِ عمار چلایا "اس بدبخت کو لے جاؤ!"

پندرہ بیس پہریدار عبدالمنعم پر جھپٹ پڑے اور اسے دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔

قرطبہ کا ایک با اثر امیر جو تھوڑی دیر پہلے معتمد کے ساتھ وفاداری کا اعلان کر چکا تھا اچانک اُٹھ کر بولا "ابنِ عمار! عبدالمنعم نے جو کچھ کہا ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔" اور ابنِ عمار کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ عبدالمنعم کے پیچھے ہو لیا۔

(۸)

رات کے وقت حسن نے سونے سے پہلے اپنی ماں سے حسبِ معمول کہانی سنانے کی درخواست کی، لیکن ماں نے کہا "بیٹا! آج تمہیں سعد کہانی سنائے گا۔"

سکینہ سعد کو کہانی سنانے کا حکم دے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ دیر تک اپنی کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر دوسرے کمرے سے ایک کتاب اُٹھا لائی اور کرسی کھسکا کر شمع کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ کتاب عبدالرحمٰن الداخل کی سوانح حیات تھی۔ چند صفحات پڑھنے کے بعد اس نے کتاب بند کر دی اور اُٹھ کر بستر پر لیٹ گئی۔

سعد دبے پاؤں اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔ "امی جان!" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے بیٹا؟" ماں نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "تم ابھی تک سوئے نہیں؟"

سعد نے کہا "امی جان مجھے معلوم ہے کہ ابا جان قید ہو چکے ہیں۔"

سکینہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا "تمہیں کس نے بتایا؟"

"میں مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تھا تو وہاں لوگ ان کا ذکر کر رہے تھے۔"

"تم نے اپنے بھائیوں کو بھی بتا دیا ہے؟"

"امی جان مسجد میں احمد بھی میرے ساتھ تھا، اسے بھی معلوم ہو چکا ہے لیکن ہم نے حسن کو نہیں بتایا — امی جان میں بڑا ہو کر ابا جان کو قید سے چھڑا لاؤں گا!"

سکینہ نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا "سعد تمہارے ابا جان کا حکم ہے کہ ہم غرناطہ چلے جائیں۔"

سعد نے بدحواس ہو کر کہا "لیکن ابا جان کو قید خانے میں چھوڑ کر ہم کیسے جا سکتے ہیں"

ماں نے کہا "بیٹا قید خانے کے دروازے توڑنے کے لیے طاقت کی ضرورت ہے۔ تمہارے باپ کی یہ خواہش ہے کہ تم غرناطہ سے ایک مجاہد بن کر نکلو۔ غرناطہ میں تمہارے خالو اور اُن کے دوست تمہیں وہ تعلیم دے سکتے ہیں جو ایک مجاہد کے لیے ضروری ہے۔"

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا، کہ خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا "الماس آگیا ہے"

اور وہ پوچھتا ہے میرے لیے کیا حکم ہے ؟"

سکینہ نے کہا "اسے بلائیں دروازے پر خود اس کے ساتھ بات کرتی ہوں۔" خادمہ چلی گئی تھوڑی دیر بعد کمرے سے باہر الماس کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ سکینہ دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور سعد نے باہر نکل کر سوال کیا "چچا الماس ادریس کے ابا کیسے ہیں ؟"

الماس نے جواب دیا "میں نے انھیں گھر پہنچا دیا ہے۔ ان کی حالت اچھی نہیں۔"

سکینہ نے کہا "تم ان کے علاج کے لیے یہاں سے کسی تجربہ کار طبیب کو لے جاتے!"

الماس نے کہا "قرطبہ میں ابوالفتح سے بہتر طبیب کون ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی زیادہ پُرامید نہیں۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آقا میرے متعلق کیا حکم دے گئے ہیں!! مجھے الزہرا ہی میں ان کے متعلق علم ہو گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ میں نے یہاں حاضر ہونے میں دیر لگائی۔ میں شہر میں ان کے بعض دوستوں سے مشورہ کرنے کے لیے چلا گیا تھا لیکن جس سے مجھے نیک مشورے کی اُمید تھی، وہ یا تو قرطبہ سے بھاگ گئے ہیں یا قید ہو چکے ہیں۔"

سکینہ نے کہا "سردست تمہاری بھاگ دوڑ ٹھیک نہیں۔ وہ تمہارے لیے جو حکم چھوڑ گئے ہیں۔ وہ تمہیں بتا دیا جائے گا۔ اب تم جا کر آرام کرو اور علی الصباح جا کر معلوم کرو کہ عبدالجبار کی حالت کیسی ہے۔ سعد کے ابا تمہیں اپنا بھائی سمجھتے تھے اور میں بھی تمہیں نوکر نہیں بلکہ اپنا بھائی سمجھتی ہوں لیکن اگر اشبیلیہ والوں کو یہ شک ہو گیا، کہ تم ایک بھائی اور دوست کی حیثیت میں ان کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہو تو ممکن ہے وہ تمہیں بھی گرفتار کر لیں۔"

"آپ کیا کہتی ہیں۔ ان کی خاطر اگر وہ میری بوٹیاں بھی نوچ ڈالیں تو میں اُف نہیں کروں گا۔"

"الماس! میں تمہیں جانتی ہوں۔ لیکن ان کی خاطر تمہارا قید سے باہر رہنا ضروری ہے۔ اب جا کر آرام کرو!"

سعد نے اندر آ کر کہا "امی جان میں بھی صبح الماس کے ساتھ جاؤں گا۔"

"بہت اچھا بیٹا چلے جانا۔"

الماس چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں سعد اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گیا تو مختلف خیالات اس کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ کبھی وہ قید خانے پر حملہ کر رہا تھا کبھی وہ اشبیلیہ کی کی فوج کے ساتھ جنگ کر رہا تھا اور کبھی یہ کہہ کر ادریس اور اس کی بہن میمونہ کو تسلی دے رہا تھا۔ گھبراؤ نہیں تمہارے ابا ٹھیک ہو جائیں گے۔ آدھی رات کے وقت اُسے نیند آ گئی اور جب صبح کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو ماں اس کے سرہانے کھڑی کہہ رہی تھی "سعد! سعد! اٹھو بیٹا نماز کا وقت جا رہا ہے۔"

سعد نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا "امی جان چچا الماس چلا گیا؟"

"ہاں بیٹا! وہ تمہیں بلانے آیا تھا لیکن تم سو رہے تھے۔ اب تم نماز پڑھو۔ وہ تھوڑی دیر تک واپس آ جائے گا۔"

نماز پڑھنے اور ناشتہ کرنے کے بعد سعد کچھ دیر الماس کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ نہ آیا تو اس نے ماں سے اجازت لے کر گھوڑے پر زین ڈالی اور الزہرا کا رُخ کیا۔

ادریس کے مکان پر اُسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور لوگ اس کا جنازہ قبرستان لے جا چکے ہیں۔ سعد کچھ دیر سکتے کے عالم میں مکان کے دروازے پر کھڑا رہا اور پھر قبرستان کی طرف چل دیا۔

لوگ قبرستان سے نکل رہے تھے۔ سعد نے چار دیواری کے قریب ایک درخت کے ساتھ گھوڑا باندھا اور اندر داخل ہوا۔ عبدالجبار کی قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تھی اور چند آدمی قبر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ الماس اور ادریس بھی وہیں تھے۔ سعد نے فاتحہ پڑھی اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا ادریس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اپنے دوست کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کے لیے موزوں الفاظ تلاش نہ کر سکا۔ جب وہ قبرستان سے باہر نکل رہے تھے تو سعد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ادریس!"

ادریس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ سعد اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں

جھلکتے ہوئے آنسو اس کے احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ ادریس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اگلے دن سعد اپنی ماں اور بھائیوں کے ساتھ ادریس کے گھر آیا اور اس نے ادریس کو بتایا کہ ہم پرسوں غرناطہ جا رہے ہیں۔

ادریس نے پوچھا "واپس کب آؤ گے؟"

سعد نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا "مجھے معلوم نہیں۔ امی جان کہتی ہیں، کہ اب ہم قرطبہ میں نہیں رہیں گے۔"

میمونہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ سسکیاں بھرتے ہوئی بولی "ہم بھی یہاں نہیں رہیں گے"

سعد نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سعد کی ماں نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لیا اور پیار کرتے ہوئے کہا "ہم بہت جلد واپس آئیں گے اور ہر روز تمہارے پاس آیا کریں گے۔"

جب وہ رخصت ہو رہے تھے تو ادریس اور میمونہ مکان سے باہر ان کی بگھی کے قریب کھڑے تھے۔

سعد کی ماں نے بگھی پر سوار ہونے سے پہلے ایک بار پھر میمونہ کو پیار کیا اور پھر ادریس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹا! تم مرد ہو، اپنی ماں اور بہن کو تسلی دیا کرو!"

بگھی روانہ ہوئی تو ادریس اور میمونہ دیر تک باہر کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

تیسرے دن الماس عبدالمنعم کے مکان کے دروازے پر کھڑا اسی بگھی کو غرناطہ کا رخ کرتے دیکھ رہا تھا۔ سعد کھڑکی سے سر نکال کر کہہ رہا تھا "چچا الماس! ادیس کے پاس ضرور جانا!"

حالات بگڑتے گئے

غرناطہ میں عبدالمنعم کی بیوی اپنی رہائش کے لیے ایک مکان خرید چکی تھی۔ قرطبہ کی جائداد سے اس کی سالانہ آمدنی اس کی ضروریات کے لیے کافی تھی۔ عبدالمنعم نے قید ہونے سے پہلے جن یتیموں اور بیواؤں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے اس کی بیوی نے انھیں بند کرنا گوارا نہ کیا۔ قرطبہ میں معتمد کے حکام کچھ اپنے حکمران کی عیاشیوں کا سامان مہیا کرنے اور الفانسو کا خراج پورا کرنے کے لیے خوشحال لوگوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگا رہے تھے۔ الماس نے ایسے حکام کی ایک فہرست تیار کر رکھی تھی۔ جو ہر سال اس سے نئے اضافوں کے ساتھ حکومت کا ٹیکس وصول کرنے کے علاوہ اس سے اپنے لیے بھی کچھ وصول کر لیا کرتے تھے، وہ ہر سال غرناطہ آتا اور زمین اور باغات کی ساری آمدنی عبدالمنعم کی بیوی کے سامنے پیش کرنے کے بعد اس بات پر اصرار کرتا کہ اس سے حساب لیا جائے۔ عبدالمنعم کی بیوی کہتی "نہیں الماس تمہیں حساب دینے کی ضرورت نہیں۔" وہ پریشان ہو کر سعد سے شکایت کرتا "دیکھو سعد! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ اب تم مجھ سے حساب لیا کرو!"

سعد کہتا "نہیں چچا۔ تم سے تو ابا جان بھی حساب نہیں لیا کرتے تھے۔"

الماس کہتا "بیٹا! وہ زمانہ اور تھا۔ اب ہر سال ایسی باتیں ہوتی ہیں، جو میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ سنو ورنہ میں خفا ہو جاؤں گا۔ احمد، حسن، تم بھی بیٹھو!"

وہ مجبوراً اس کے سامنے بیٹھ جاتے۔ ان کی ماں اور خالہ پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر اس کی باتیں سنتیں۔ بعض اوقات ابو صالح بھی اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے۔ الماس آمدنی کی

تفصیلات سمجھانے کے بعد اخراجات کا حساب دیتا اور سننے والوں کے لیے اس کی گفتگو دلچسپ بن جاتی

"دیکھو سعد! پچھلے سال معتمد نے قرطبہ میں چار دربار، چالیس ضیافتیں اور مشاعروں کی پچاس مجلسیں منعقد کی تھیں۔ اس لیے رعایا پر اس قدر زائد ٹیکس لگایا گیا تھا۔ معتمد نے پچھلے سال کی نسبت اس سال الفانسو کو خراج کی رقم ڈیڑھ گنا زائد دی تھی۔ اس لیے ہم پر جو ایک خاص ٹیکس لگایا گیا تھا، اس کی رقم اتنی تھی۔ قرطبہ کے گورنر نے اپنے لنگرخانے کے زائد اخراجات پورے کرنے کے بہانے ایک اور خاص ٹیکس وصول کیا ہے لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہ رقم فرانس سے شراب منگوانے پر صرف ہوئی ہے۔ مجھ سے اتنے دینار وصول کیے گئے۔ پچھلے سال ملکہ رمیکہ نے قرطبہ میں ایک ماہ قیام کیا تھا۔ اس سال انھوں نے تین ماہ قیام کیا ہے، اس لیے ہمیں مجموعی مالیہ کے ہر دینار کے ساتھ اتنے درہم زائد ادا کرنے پڑے۔ اب ایک افواہ یہ بھی ہے کہ ملکہ شاید مستقل طور پر یہاں تشریف لے آئے، اس لیے قرطبہ کے بہت سے لوگ اپنی جائدادیں چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔"

اخراجات کی تفصیل سنانے کے بعد الماس اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر سعد کو دیتے ہوئے کہتا "اور یہ کاغذ سنبھال کر اپنے پاس رکھو، اس پر اُن عہدہ داروں کے نام ہیں جنھوں نے مجھ سے زبردستی پیسے بٹورے ہیں۔ ان رشوت خوروں اور بددیانتوں کا یوم حساب دور نہیں لیکن اگر میں اس سے پہلے [illegible] تو تمھارا فرض ہوگا کہ ان لوگوں سے پائی پائی وصول کر دو۔"

(۲)

قرطبہ کے قید خانے میں عبدالمنعم کے ساتھ اس کے کسی دوست یا عزیز کو ملنے کی اجازت نہ تھی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اُسے شاہی خاندان کے قیدیوں کے ساتھ کسی جزیرے میں پہنچا دیا گیا ہے اور بعض حلقوں میں اس قسم کی افواہیں مشہور تھیں کہ اُسے اور اس کے ساتھیوں کو در پردہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ دو سال بعد عبدالمنعم کا ایک ساتھی کسی طرح قید خانے سے فرار ہوا اور غرناطہ پہنچ کر اس نے ابو صالح کو بتایا کہ عبدالمنعم ابھی تک قرطبہ

کے قید خانے میں ہے۔

سعد، احمد اور حسن کی زندگیوں پر اپنے باپ کی قید اور قرطبہ سے ہجرت کے واقعات کا گہرا اثر تھا۔ ماں کی تربیت نے انھیں بچپن میں ہی قوم کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق غور و فکر کرنے کا عادی بنا دیا تھا۔ ان کے خالو نے انھیں غرناطہ کے فوجی مکتب میں داخل کروا دیا۔

یہ فوجی مکتب کسی زمانے میں ایک عظیم الشان ادارہ تھا۔ جہاں حکومت کے خرچ پر بچوں کو فنونِ سپہگری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن اب نااہل حکمرانوں کی بے توجہی کے باعث اس کی اہمیت بہت کم ہو چکی تھی۔ ایک طویل مدت حکومت کی اعانت سے محروم ہونے کے باعث یہ مکتب بند رہا۔ اس کے بعد غرناطہ کے چند مخیر رؤسا نے اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا ایک مالدار تاجر نے اپنی جائداد کا بیشتر حصہ اس مدرسے کے لیے وقف کر دیا۔ پھر علماء کی ایک جماعت نے غرناطہ کے حکمران پر زور ڈالا اور شاہی خزانہ سے ایک معقول رقم اس کی اعانت کے لیے منظور کروا لی۔

سکینہ جس مشن کے لیے ان بچوں کو تیار کرنا چاہتی تھی، اس کے لیے فوجی مکتب کی تعلیم کافی نہ سمجھتے ہوئے اس نے ایک اتالیق کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ اتالیق غرناطہ کے علماء کی صفِ اول میں شمار ہوتا تھا۔ عبدالمنعم کے بیٹے مکتب کے علاوہ گھر پر اپنے اتالیق سے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی کی تعلیم لیا کرتے تھے۔

مکتب کے تمام اُستاد ان لڑکوں کی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے۔ غرناطہ کے نوعمر لڑکوں کی محفلوں میں جب تیر اندازی اور شہسواری کے متعلق باتیں ہوتی تھیں، تو عبدالمنعم کے بیٹوں کا ذکر ضرور آجاتا۔

احمد کو اپنے بھائیوں کی نسبت مطالعے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ شیخ ابو صالح کے ذاتی کتب خانے میں سینکڑوں کتابیں موجود تھیں۔ احمد ہر دوسرے تیسرے دن اس کتب خانے میں چلا جاتا اور ایک نئی کتاب اٹھا لاتا۔ سعد اور حسن زیادہ تر اپنی درسی کتابیں

پڑھنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ انھیں سپاہیانہ کھیلوں کے ساتھ زیادہ دلچسپی تھی۔

سترہ سال کی عمر میں معتمد اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے غرناطہ کے ہزاروں نوجوانوں کے لیے باعثِ رشک تھا۔ یہ فوجی مکتب میں اس کی تعلیم کا آخری سال تھا۔

(۳)

اہلِ قرطبہ کے لیے اشبیلیہ والوں کی بدعہدی ناقابلِ برداشت تھی لیکن ابن عمار کی سازش اس قدر کامیاب تھی کہ وہ بروقت کوئی قدم نہ اٹھا سکے۔ وہ علماء اور راہنما جن سے بغاوت کی توقع ہو سکتی تھی، اچانک حراست میں لے لیے گئے تھے اور ان کا اثر و اقتدار زائل کرنے کے لیے ضمیر فروشوں کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں۔ کسی کو دولت اور کسی کو عہدے کا لالچ دے کر خرید لیا گیا تھا چنانچہ پہلے ہی دن بعض مساجد کے خطیب معتمد کے عدل و انصاف اور فیاضی کی داستانیں سنا رہے تھے۔ عوام اہلِ طلیطلہ کے ساتھ ایک طویل جنگ سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لیے ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ معتمد بہرحال ایک مسلمان ہے۔ بعض یہ کہتے تھے کہ وہ عبدالملک سے یقیناً بہتر ہے اور جو لوگ اس صورتِ حال سے نالاں تھے، وہ اشبیلیہ والوں کی تلواروں کے خوف سے کسی کھلی بغاوت کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے جو راہنما ابھی تک قید خانوں سے باہر تھے، وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ سرِدست ان کی طرف سے کوئی فوری اقدام خوشگوار نتائج پیدا نہیں کرے گا۔ اس لیے وہ وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

معتمد شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ قرطبہ میں آیا۔ الزہرا میں اس کے دربار کی شان و شوکت دیکھ کر بعض سادہ دل لوگ بے حد مرعوب ہوئے۔ لیکن سنجیدہ لوگوں کو اس کی ظاہری نمائش متاثر نہ کر سکی۔

معتمد سے کہیں زیادہ اس کی ملکہ رمیکیہ ظاہری شان و شوکت، نمائشی دعوتوں اور عیش و نشاط کی محفلوں پر جان دیتی تھی۔ معتمد کی ملکہ کی حیثیت سے قصرِ زہرا میں داخل ہونا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

معتمد اور رمیکیہ ہر سال کچھ عرصہ قصرِ زہرا میں گزارتے تھے اور باقی سارا سال ان کے حکام اور عہدہ دار ان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے۔

معتمد کا بیٹا عباد قرطبہ کا گورنر تھا۔ وہ والدین کی تربیت اور ابن عمار کی صحبت کے باعث کم سنی ہی میں پرلے درجے کا عیاش بن چکا تھا۔ اہلِ قرطبہ کو الزہرا میں عیش و نشاط کی محفلوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔ اشبیلیہ کے حکام رعایا سے سرکاری لگان وصول کرنے کے علاوہ اپنے لیے رشوتیں اور نذرانے بھی لیا کرتے تھے۔ اس لیے جو لوگ معتمد کی ضیافتوں کی داستانیں سنا کرتے تھے، اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان ضیافتوں کا سارا بوجھ ان کی کمر پر لادا جاتا ہے۔

آہستہ آہستہ اہلِ قرطبہ کے دلوں میں معتمد کے خلاف نفرت کا دبا ہوا جذبہ ابھرنے لگا۔ قرطبہ کی مساجد کے دروازوں پر آئے دن اس قسم کے اشتہارات دیکھے جاتے تھے۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس حکمران کے متعلق جو رعایا کا خون چوس کر اپنے عیش و عشرت کا سامان اور دشمنانِ اسلام کے لیے خراج مہیا کرتا ہے۔ جس کی ملکہ اسلام کے ہر اصول کا مذاق اڑاتی ہے؟

—— قرطبہ کے لوگو! تمہارا حکمران الفانسو کا باجگزار ہے اور تمہارا مستقبل ایک ایسی عورت کی خواہشات پر قربان کیا جا رہا ہے جس نے الزہرا کے ایوانوں کو عیاشی اور فحاشی کے اڈوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اٹھو اور ان لوگوں کی حکومت کا تختہ الٹ دو جو خدا اور رسولؐ کے باغی ہیں۔

بعض اوقات قرطبہ کے بازاروں میں ان فقہا کے فتووں کو مشتہر کیا جاتا تھا جو دوسرے شہروں میں معتمد کی دست درازی سے محفوظ تھے۔ ان فتووں میں رمیکیہ کو خاص طور پر ہدفِ ملامت بنایا جاتا تھا۔

چند سال کے بعد قرطبہ میں وہ مواد پھوٹ نکلا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ عوام نے اہلِ اشبیلیہ کے خلاف بغاوت کی لیکن یہ بغاوت کسی بلند شخصیت کی قیادت سے محروم تھی۔

ابن عکاشہ کسی زمانے میں ایک مشہور قزاق تھا۔ اس نے حالات سے فائدہ اٹھایا اور باغیوں

کا رہنما بن گیا۔

ایک رات جب الزہرا میں عباد اور اس کے افسر رقص و سرور سے لطف اندوز ہو رہے تھے، ابن عکاشہ باغیوں کے ساتھ اچانک محل میں داخل ہوا۔ عباد لڑتا ہوا مارا گیا۔ صبح تک قرطبہ اور الزہرا پر ابن عکاشہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

(۴)

ایک دن سعد اور اس کے بھائی مکتب میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ باہر دروازے پر کسی نے دستک دی، سعد نے باہر جھانک کر دیکھا تو باہر اس کا اتالیق کھڑا تھا۔

اتالیق نے اسے دیکھتے ہی کہا "سعد! میں نے ابھی قرطبہ کے متعلق ایک اہم خبر سنی ہے۔ باغیوں کی کسی جماعت نے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔ مجھے اس خبر کی تفصیلات معلوم نہیں ہوئیں صرف یہ پتہ چلا ہے کہ معتمد کا بیٹا جو قرطبہ کا گورنر تھا، قتل ہو چکا ہے اور بغاوت کرنے والوں کے راہنما کا نام ابن عکاشہ ہے۔"

یہ خبر سن کر تھوڑی دیر کے لیے سعد کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ بالآخر اس نے سوال کیا "آپ نے یہ خبر کس سے سنی ہے؟"

اتالیق نے جواب دیا "تھوڑی دیر ہوئی، مجھے شہر کا کوتوال ملا تھا اور اس نے یہ بتایا کہ قرطبہ کے چند آدمی آدھی رات کے وقت یہاں پہنچے اور انھوں نے پہریداروں کو یہ خبر سنائی۔ پہریداروں نے انھیں مشکوک سمجھ کر شہر میں اپنے رشتہ داروں کے پاس جانے کی اجازت دینے کی بجائے صبح تک چوکی میں بٹھائے رکھا۔ صبح کے وقت ان کے رشتہ دار چوکی میں بلائے گئے اور انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی ان کے عزیز ہیں۔ کوتوال نے مجھے بتایا تھا کہ وہ خود اس خبر کی تصدیق کر چکا ہے۔ تاہم میں ان میں سے ایک کے رشتہ داروں کے گھر کا پتہ پوچھ آیا ہوں اگر تم مناسب سمجھو تو ہم وہاں پہنچ کر تصدیق کر سکتے ہیں۔"

سعد نے کہا "نہیں میں ابھی سیدھا قرطبہ جاؤں گا!"

تھوڑی دیر بعد سعد اپنی ماں اور بھائیوں کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے اس نے احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "احمد! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ میں گھر میں اپنے حصے کی ذمہ داریاں تمہیں سونپ کر جا رہا ہوں۔"

(۵)

قرطبہ میں آمد و رفت کے تمام راستوں پر ابن عکاشہ کے سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ شہر میں جانے والوں کو بیرونی چوکیوں اور دروازوں پر روکا جا رہا تھا۔ معتمد کے ان اہل کاروں کو جنھوں نے مزاحمت کے بغیر ابن عکاشہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اشبیلیہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت تھی۔ اشبیلیہ کے جو سپاہی لڑائی میں مارے جا چکے تھے، یا قید ہو چکے تھے، ان کے بال بچوں کو بھی قرطبہ چھوڑنے کی اجازت تھی۔ تاہم چوکیوں پر اس بات کی پوری چھان بین کی جاتی تھی کہ ہجرت کرنے والوں کے ساتھ قرطبہ کے بااثر لوگ فرار نہ ہو سکیں۔ ابن عکاشہ کے حملے کی رات قرطبہ کے چند بااثر لوگ شہر سے فرار ہو کر قرب و جوار کی بستیوں کے لوگوں کو اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے اور اس صورت حال سے باخبر ہوتے ہی اس نے یہ حکم دے دیا تھا کہ عورتوں اور بچوں کے سوا جو لوگ شہر سے ہجرت کرنا چاہیں وہ پہلے تحریری اجازت نامہ حاصل کریں۔ ان لوگوں کے لیے صرف شہر کا مغربی دروازہ کھلا تھا۔

سعد جنوب اور مشرق کے دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کے بعد مغربی دروازے پر پہنچا۔ وہاں دروازے سے باہر کھلے میدان میں کوئی پانچ سو آدمی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر قرطبہ کے وہ باشندے تھے، جو کسی نہ کسی وجہ سے حملے کے دن قرطبہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ چند ایسے بھی تھے، جو اشبیلیہ اور دوسرے شہروں سے اپنے عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں کی خبر لینے آئے تھے، ان سب کے لیے ایک ہی حکم تھا، کہ وہ دس دن تک انتظار کریں۔ بعض لوگ شہر کے آس پاس سراؤں، کسانوں اور ماہی گیروں کی بستیوں میں پناہ لے چکے تھے۔

حاصل کرنے کے بعد بھیڑیوں کے ایک نئے گروہ کی شکارگاہ بن چکا ہے۔ ورنہ میں تمہیں پریشان نہ کرتا۔

فوجی افسر نے انتہائی غصّہ کی حالت میں یکے بعد دیگرے سعد کو دو کوڑے رسید کر دیے۔ ایک کوڑا سعد نے اپنے بازو پر روک لیا اور دوسرا اُچھلتے ہوئے گھوڑے کے مُنہ پر لگا۔ گھوڑا بیخ پا ہو کر ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ چیختے چلاتے لوگ اس کا راستہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ افسر نے غصّے کی حالت میں دروازے کے آس پاس جمع ہونے والے چند آدمیوں کو بھی کوڑے سے پیٹنا شروع کر دیا۔

سعد نے چند گز دُور گھوڑے کو روکا۔ نیام سے تلوار نکالی اور گھوڑے کی گردن پر چند تھپکیاں دینے کے بعد دروازے کی طرف باگ موڑ لی لیکن ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "بیوقوف مت بنو! ایسے موقعوں پر تلوار نیام میں رکھنا بھی بہادری ہے تم نے صرف ایک بھیڑیا دیکھا ہے لیکن اس وقت بھیڑیوں کا ایک پورا لشکر قرطبہ پر مسلط ہو چکا ہے۔"

سعد نے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک بربری چرواہے کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ تاہم سعد کے دل کی پہلی آواز یہ تھی کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ نوجوان مسکرایا اور سعد کو اس کی مسکراہٹ میں ایک جانی پہچانی صورت کے دھندلے نقوش دکھائی دینے لگے۔

لوگ سعد کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ نوجوان نے کہا۔ "اگر تم غرناطہ سے آئے ہو اور تمہارا نام سعد بن عبدالمنعم ہے تو دریا کے کنارے تمہارا ایک دوست انتظار کر رہا ہوگا۔ یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔" نوجوان اس کے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر دریا کی طرف چل دیا۔ اتنی دیر میں لوگ سعد کے گرد جمع ہو کر فوجی افسر کے طرزِ عمل کے خلاف غم و غصّہ کا اظہار کرنے لگے۔ سعد نے ان کی باتوں پر توجہ دینے کی بجائے اپنی تلوار نیام میں ڈالی اور گھوڑے کو دریا کی طرف موڑ دیا۔ وہ غصّے کی بجائے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ —— دریا سے تھوڑی دور وہ نوجوان کے ساتھ جا ملا اور گھوڑے سے کود کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔ "اگر تمہارے لباس کی طرح تمہارے چہرے کی رنگت بھی مصنوعی ہے تو میں اپنے دوست سے یہیں ملنا چاہتا ہوں۔

سعد کچھ دیر دروازے پر کھڑا ان لوگوں کے چھوٹے چھوٹے قافلے دیکھتا رہا، جو پولیس اور فوج کے افسروں کو اپنے اپنے اجازت نامے دکھانے کے بعد شہر سے نکل رہے تھے۔ بالآخر اس نے قدرے جُرأت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھ کر ایک فوجی افسر سے کہا۔ "میں غرناطہ سے آیا ہوں۔ قرطبہ میں میرے عزیز ہیں اور میں ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

افسر نے دروازے سے باہر لوگوں کے ہجوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اِدھر دیکھیے ان میں سے اکثر قرطبہ کے باشندے ہیں اور ان سب کا کوئی نہ کوئی عزیز اس شہر میں ہے۔ آپ یا تو وہاں قیام فرمائیں یا دس دن کے بعد تشریف لائیں۔"

سعد نے اس افسر کی رسمی ملائمت سے اس کی شرافت کا غلط اندازہ لگایا۔ اس نے کہا۔ "اگر آپ کو مجھ پر کوئی شبہ ہے تو آپ اپنے کسی سپاہی کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ میں تھوڑی دیر میں اس کے ساتھ ہی واپس آجاؤں گا۔"

افسر نے اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا۔ "نوجوان تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

سعد کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں اپنے باپ کا نام لوں تو ممکن ہے کہ افسر اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی ضرورت محسوس کرے، لیکن اب تک لوگوں کی زبانی قرطبہ کے انقلاب کے متعلق جو کچھ سن چکا تھا اس کے پیشِ نظر اس نے اپنے باپ کا ذکر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا۔ ایک اور نوجوان نے آگے بڑھ کر افسر سے کہا۔ "دیکھیے میری بیوی سخت بیمار ہے۔ آپ میرے متعلق قرطبہ کے ہر شریف آدمی سے دریافت کر سکتے ہیں کہ میں ایک قالین باف ہوں اور میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔"

فوجی افسر نے اُسے دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے!"

سعد ابھی دروازے کے سامنے تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔ افسر قالین باف کو چند گالیاں دینے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟"

سعد نے اپنا گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا، کہ قرطبہ بنی عباد سے نجات

نوجوان بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ یہ ادریس بن عبدالجبار تھا۔

سعد نے کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو اور تمہیں اس غلط فہمی میں کس نے مبتلا کر دیا ہے کہ تم چہرے پر سیاہی ملنے اور چرواہے کا لباس پہننے سے اپنے دوستوں کو دھوکا دے سکتے ہو؟"

ادریس نے جواب دیا۔ "واہ! تم اس بات کی داد نہیں دیتے، کہ جب تک میں نے خود تمہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کیا۔ تمہیں میرے متعلق شبہ بھی نہیں ہوا!"

(۶)

دریا کے کنارے پہنچ کر سعد نے ایک درخت کے ساتھ گھوڑا باندھا اور ادریس کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔

سعد نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری والدہ اور ہمشیرہ کیسی ہیں؟"

ادریس نے جواب دیا۔ "جب میں قرطبہ سے فرار ہوا تھا تو وہ بخیریت تھیں، اب خدا بہتر جانتا ہے۔ تمہاری والدہ اور بھائی کیسے ہیں؟"

"وہ سب خوش ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ غرناطہ ابھی تک ایسے ہنگاموں سے محفوظ ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ تم قرطبہ سے کیوں فرار ہوئے تھے؟"

ادریس نے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد سعد کو اپنی سرگزشت سنائی:

"بات یہ ہوئی کہ مجھے آج سے دو ہفتے قبل اس شرمناک سازش کا علم ہو گیا تھا۔ قرطبہ میں معتمد کی حکومت کا تختہ الٹنے کی تحریک جن لوگوں نے شروع کی تھی ان کے مقاصد برے نہ تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ منافقوں اور اقتدار پرستوں کا ایک گروہ باغیوں کی خفیہ جماعت میں شامل ہو گیا۔ ایک دن شہر میں میرے ایک ہم مکتب کے بڑے بھائی کی شادی تھی۔ رات کے وقت میں دعوت میں شریک تھا اور مجھے وہاں دیر لگ گئی۔ میرے ماموں بھی اس دعوت میں شریک تھے، انھوں نے مجھ سے کہا۔ "اب دیر ہو گئی ہے۔ تم ہمارے پاس ٹھہرو۔ صبح چلے جانا۔" لیکن میں نے گھر سے باہر رہنا مناسب نہ سمجھا۔ آدھی رات کے وقت میں گھوڑے پر سوار ہو کر

اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ وادی الکبیر کے پل سے آگے میں نے کوئی نصف میل طے کیا ہو گا کہ پیچھے سے مجھے گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے اپنا گھوڑا ایک طرف کر لیا۔ ایک تیز رفتار بگھی مجھ سے آگے گزر گئی۔ بگھی کے گزرتے ہی مجھے چند اور گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی اور مجھے دوبارہ اپنا گھوڑا سڑک سے ایک طرف ہٹانا پڑا۔ اشبیلیہ کے امراء کی بگھیوں کے ساتھ سوار ضرور ہوتے ہیں اور بگھیوں کو معمولی رفتار سے چلانا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس لیے مجھے یہ شک نہ ہوا کہ سوار بگھی کے تعاقب میں جا رہے ہیں لیکن ایک میل دور چلنے کے بعد مجھے چند سوار شہر کی طرف آتے ہوئے ملے۔ ان کی تعداد سے مجھے شک ہوا کہ یہ وہی ہیں جو تھوڑی دیر پہلے بگھی کے پیچھے جا رہے تھے۔ میں نے مصلحتاً اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا اور سڑک کے پاس درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک سوار اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "اب ہمیں سڑک چھوڑ کر بکھر جانا چاہیے۔" وہ گزر گئے تو میں نے دوبارہ سڑک پر آ کر گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دور اور چلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ بگھی سڑک کے ساتھ ہی ایک گڑھے میں الٹی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو بگھی کے پاس مجھے زمین پر دو لاشیں نظر آئیں۔ اچانک مجھے بگھی کے اندر کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بڑی مشکل سے ایک آدمی کو باہر نکالا، وہ بُری طرح زخمی تھا، میں تاریکی میں اُسے پہچان نہ سکا۔ اس نے ہوش میں آتے ہی مجھ سے سوال کیا۔ "تم کون ہو؟"

میں نے اُسے تسلی دی کہ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا۔ "اب مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم چاہو تو قرطبہ کو تباہی سے بچا سکتے ہو، میں تمہیں چند آدمیوں کے نام بتاتا ہوں، تم فوراً قرطبہ کی حکومت کے کسی ذمہ دار عہدہ دار سے ملو۔ بہتر ہے کہ گورنر سے ملنے کی کوشش کرو۔ وہ بیوقوف ہے لیکن ممکن ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے قرطبہ کی حفاظت کرنے پر بھی تیار ہو جائے۔"

نقاہت کے باوجود اس شخص کی آواز میرے کانوں کے لیے نامانوس نہ تھی میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میرے خیال میں آپ عبدالرحمان ہیں۔ میں آپ کو گھر پہنچا دیتا ہوں۔"

اس نے کہا۔ "نہیں میرا وقت آ چکا ہے۔"

میں نے چند بار اصرار کیا لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا "ادھر دیکھو، میں صرف چند سانس لینے کے لیے زندہ ہوں اور مرنے سے پہلے کسی کو یہ باتیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں"۔

ایک خنجر قبضہ تک اس کے سینے میں اُترا ہوا تھا۔ میں نے کہا "اگر آپ کو اس بات سے تسکین ہو سکتی ہے تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی وصیت پر عمل کروں گا"۔

اس کے بعد اس نے مجھے جو واقعات سُنائے وہ مختصراً یہ تھے کہ وہ قرطبہ کی حکومت کے باغیوں کی جماعت کا رکن تھا۔ رات کے وقت اُسے قرطبہ کی خفیہ جماعت کے اجتماع میں حصہ لینے کے لیے بُلایا گیا تھا۔ اس جلسے میں اُسے معلوم ہوا کہ اُن کے ساتھی ابنِ عکاشہ کی وساطت سے مامون ذالنون کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ ابنِ عکاشہ ایک تاجر کے بھیس میں اس اجتماع میں شریک ہوا تھا اور اس اجتماع سے پہلے ہی جماعت کی اکثریت اسے اپنا راہنما تسلیم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ حاضرین یکے بعد دیگرے ابنِ عکاشہ سے وفاداری کا حلف اٹھانے لگے تو عبدالرحمٰن نے انہیں ملامت کی اور کہا کہ اگر تم ایک ڈاکو کو اپنا راہنما بناتے ہو تو میرا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ دو اور آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ ان تینوں کو جماعت کے ساتھ غداری کرنے کا مجرم ٹھہرایا گیا۔ یہ لوگ غصے کی حالت میں اُٹھ کر مجلس سے نکل آئے۔ بدمعاشوں کی ایک ٹولی باہر کھڑی ابنِ عکاشہ کے حکم کا انتظار کر رہی تھی وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ دونوں جوانوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور عبدالرحمٰن کو تاریکی میں مکان سے باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔ سڑک پر اس کی بگھی کھڑی تھی وہ بھاگ کر اس پر سوار ہو گیا۔ جب تک ابنِ عکاشہ کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں نکلے وہ کافی فاصلہ طے کر چکا تھا۔ لیکن الزہرا سے تھوڑی دور انھوں نے اسے گھیر لیا اور اس کے کوچوان اور نوکر کو قتل کرنے اور اسے گھائل کرنے کے بعد یہ سمجھ کر کہ وہ مر چکا ہے واپس چلے گئے۔

یہ واقعات سننے کے بعد میں نے کہا کہ اب اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں قرطبہ کی حکومت

کو اس بات سے آگاہ کر دوں تو میں اس بات کے لیے تیار ہوں لیکن اس وقت میرا فرض آپ کو آپ کے گھر پہنچانا ہے لیکن اس نے کہا۔ پہلے ان لوگوں کے نام سُن لو، جو قرطبہ کو ابنِ عکاشہ اور مامون کے پاس فروخت کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھو قرطبہ کسی دن بھیڑیوں کی شکارگاہ بن جائے گا۔ میں بنی عباد کا بدترین دشمن ہوں، لیکن اگر میں زندہ رہوں تو قرطبہ کے ان نئے دشمنوں کی ہولناکیوں سے بچانے کے لیے خاندانِ عباد کے جھنڈے تلے لڑنا بھی اپنے لیے سعادت کا باعث سمجھوں گا۔ پھر اس نے مجھے کوئی بیس آدمیوں کے نام بتائے ان میں سے اکثر قرطبہ کے با اثر امراء تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو حکومت کے اہم عہدوں پر فائز تھے۔

اس کے بعد میں نے عبدالرحمان کو اپنے گھوڑے پر لادا۔ اس کا مکان ہمارے مکان سے زیادہ دور نہ تھا۔ راستے میں وہ کبھی بیہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آ کر میرے ساتھ باتیں کرنے لگتا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو وہ بالکل بیہوش تھا اور میں سمجھتا تھا کہ وہ اپنا سفرِ حیات ختم کر چکا ہے۔ مجھے ان ناموں کے بھول جانے کا اندیشہ تھا جو اس نے بتائے تھے۔ اُسے گھر پہنچاتے ہی میں نے مختصراً اس کی بیوی، ماں اور نوکروں کے سوالات کے جواب دینے کے بعد ایک کاغذ لیا اور یادداشت کے لیے یہ نام لکھ لیے۔ تاہم چند ناموں کے متعلق میرے ذہن میں کچھ الجھن تھی۔

تھوڑی دیر بعد اُسے ہوش آیا تو اس نے میری طرف دیکھتے ہی سوال کیا "دیکھو اپنا وعدہ پورا کرنا۔ وہ نام لکھ لو!"

میں نے لکھے ہوئے نام اُسے سُنا دیئے تین نام غلط تھے اور اُس نے ان کی اصلاح کرنے کے علاوہ مجھے آٹھ اور آدمیوں کے نام بھی لکھوا دیئے۔ پھر اس نے مجھ سے سوال کیا "تم یہیں رہتے ہو؟"

میں نے جواب دیا "ہاں میرا گھر یہاں سے تھوڑی ہی دور ہے۔ میں عبدالجبار کا بیٹا ہوں"۔

اس نے کہا "تم ایک بہادر کے بیٹے ہو۔ اب مجھے اطمینان ہے"۔

صبح کی اذان سے کچھ دیر پہلے وہ چل بسا۔ میں نے گھر جا کر قرطبہ کے گورنر کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا جس میں یہ تمام واقعات درج تھے۔ اس کے بعد میں دوپہر تک گورنر کے محل کا

طواف کرتا رہا لیکن وہاں تک میری رسائی ممکن نہ تھی۔ تیسرے پہر میں قصرِ زہرا کے ناظم کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں اپنی معروضات پیش کروں اور اس کے جواب کا انتظار کروں۔

مجبوراً میں نے اپنا مراسلہ پیش کر دیا اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اگر آج ہی آپ گورنر کو یہ مراسلہ پیش کر سکیں تو ممکن ہے کہ آپ قرطبہ کو تباہی سے بچا سکیں۔

شام کے وقت کوتوال کا لڑکا جو میرا ہم مکتب تھا، ہمارے گھر آیا اور اس نے کہا "ادریس تمہیں میرے ابا گھر پر بلاتے ہیں۔" میں اس کے ساتھ کوتوال کے گھر پہنچا، وہ میرے والد کو جانتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا "ادریس تم کوئی بہت بڑی حماقت کر چکے ہو۔ مجھے تھوڑی دیر پہلے گورنر کا حکم ملا ہے کہ تمہیں گرفتار کر لیا جائے اور تا حکمِ ثانی تنہائی کی قید میں رکھا جائے۔ جانتے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟"

میں نے بدحواس ہو کر کہا "آپ مذاق کرتے ہیں!"

"میں مذاق نہیں کرتا۔ تا حکمِ ثانی قید کا مطلب یہ ہے کہ تم پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا اور تمہیں شاید ہمیشہ کے لیے ایسی کوٹھڑی میں پھینک دیا جائے گا۔ جہاں سے تمہاری فریاد باہر نہیں آ سکے گی۔ اب بتاؤ تم نے کیا جرم کیا ہے؟"

میں نے اس سوال کے جواب میں اُسے تمام واقعات بتا دیے۔

کوتوال کچھ دیر حیرت و استعجاب کے عالم میں میری طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے مجھ سے کہا۔ "اچھا اب مجھے ان لوگوں کے نام بتاؤ!"

کاغذ کے ایک پُرزے پر ان ناموں کی ایک نقل ابھی تک میری جیب میں تھی۔ میں نے جیب میں سے کاغذ نکالا اور تمام نام پڑھ کر سُنا دیے۔

کوتوال ایک نام سُن کر اچانک چونک پڑا اور اُس نے کہا "ارے بدبخت تم نے مگرمچھوں کی جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ تمہیں یہ بھی خیال نہیں آیا کہ جن لوگوں کے خلاف تم شکایت کر

رہے ہو۔ ان میں ناظمِ زہرا کا بھائی بھی ہے۔ ناظمِ زہرا نے تمہارا مراسلہ پڑھ لیا ہوگا اور گورنر سے تمہاری گرفتاری کے حکم پر دستخط کروانا اس کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔ اب تمہاری قید موت سے بھی بدتر ہوگی۔ باقی آدمیوں میں سے بھی اکثر ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں گورنر ایک کھلونا ہے۔"

میں نے کہا۔ "مجھے آپ ایک بار گورنر تک جانے کا موقع دیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اسے سمجھا سکوں گا۔"

"تم بیوقوف ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں گورنر تک پہنچنے دیں گے اور اگر پہنچ بھی جاؤ تو ان کے مقابلے میں تمہاری بات سنی جائے گی۔ دیکھو اب تمہارے لیے یہی راستہ ہے کہ تم یہاں سے فرار ہو جاؤ۔ اگر تم قرطبہ کو بچانا چاہتے تو ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تم سیدھے اشبیلیہ جاؤ اور معتمد سے مل کر یہ تمام واقعات بتاؤ۔ اگر اس تک نہ پہنچ سکو تو اس کے اہل کاروں سے ملو۔ مساجد کے خطیبوں سے ملو۔ چوراہوں میں کھڑے ہو کر چلاؤ، وہاں کوئی نہ کوئی تمہاری بات پر توجہ دے گا۔ اگر کوئی توجہ نہ بھی دے تو بھی کم از کم تم اپنی جان بچا سکو گے۔ یہاں اگر میں تمہیں گرفتار نہ کروں تو شام تک وہ مجھے معزول کر کے دوسرے کوتوال سے یہ کام لے سکتے ہیں۔ ناظم نے مجھے حکم بھیجا تھا کہ میں تمہیں گرفتار کرتے ہی اُسے اطلاع دوں۔ وہ یقیناً بہت پریشان ہوگا۔ ممکن ہے کہ اب تک وہ خود تمہارے گھر کا محاصرہ کر چکا ہو۔ اب باتوں کا وقت نہیں۔ شہر سے تین میل دور اشبیلیہ کی سڑک پر ایک چھوٹی سی سرائے ہے، تم وہاں پہنچ کر انتظار کرو۔ عشاء کی نماز کے بعد میں تمہارے لیے گھوڑا اور اخراجات کے علاوہ معتمد کے نام اپنی طرف سے ایک خط بھیج دوں گا لیکن اسے یہ ضرور بتانا ہوگا کہ تمہارا اشبیلیہ پہنچنا میری کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب تم گھر نہیں جا سکتے۔ میں تمہاری والدہ کو تمام واقعات بتا دوں گا۔"

اس کے بعد کوتوال نے اپنے لڑکے کو آواز دی اور اس سے کہا کہ مجھے بگھی پر بٹھا کر اشبیلیہ کی سڑک پر سرائے میں چھوڑ آئے۔

کوتوال کا لڑکا مجھے سرائے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد کوتوال کا ایک نوکر

میرے لیے گھوڑا، چند دینار اور کوتوال کا مراسلہ لے کر پہنچ گیا اور میں نے اشبیلیہ کا رُخ کیا۔

اشبیلیہ کے شاہی ایوان میں ضیافتوں، شاعروں، گویوں اور نقالوں کی مجلسوں کا زور تھا دس دن کی ذلت و خواری کے بعد ایک مسجد کے خطیب کی کوششوں کے باعث مجھے معتمد کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن جس وقت میں دربار میں کھڑا اپنی سرگزشت سنا رہا تھا۔ اسی وقت قرطبہ سے ایک قاصد پہنچا اور اس نے یہ خبر سنائی کہ معتمد کا بیٹا قتل ہو چکا ہے اور ابن عکاشہ نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا ہے۔

معتمد نے پہلا حکم یہ دیا کہ تمام پہریدار اور افسر گرفتار کر لیے جائیں، جنہوں نے اتنے دن اس نوجوان کو ہمارے پاس آنے سے روکے رکھا تھا، میرے متعلق یہ حکم ہوا کہ اشبیلیہ میں میری رہائش کا انتظام کیا جائے۔ اب میں اپنی ماں اور بہن کا حال معلوم کرنے آیا ہوں اور یہ جانتا ہوں کہ قرطبہ میں ابنِ عکاشہ کے ساتھی سب سے زیادہ میری تلاش کر رہے ہوں گے۔

میں علی الصباح یہاں پہنچا تھا۔ مدینۃ الزہرا کی ناکابندی شہر کی نسبت کہیں زیادہ شدید ہے۔ اور میرا براہِ راست وہاں جانے کی کوشش کرنا بھی خطرناک تھا۔ کیونکہ مجھے وہاں پہچاننے والوں کی تعداد شہر کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے میں نے یہ سوچا ہے کہ پہلے قرطبہ پہنچ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں سے اپنے گھر کے حالات معلوم کروں۔ ممکن ہے کہ والدہ اور ہمشیرہ شہر میں میرے ماموں کے پاس آ چکی ہوں، علی الصباح باہر سے پھل، سبزیاں، اناج، ایندھن اور چارہ وغیرہ لے جانے والے لوگوں کو قرطبہ کے مشرقی اور جنوبی دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے اور میں ایک لکڑہارے کے بھیس میں قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہاں سے تھوڑی دور اشبیلیہ کی سڑک کے کنارے ایک بستی میں اپنا گھوڑا چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں کا ایک کسان کچھ مدت پہلے ہمارے باغ کا مالی تھا اور یہ لباس بھی میں نے وہیں تبدیل کیا ہے۔ یہاں دروازے پر کھڑا میں یہ دیکھ رہا تھا کہ شہر سے باہر نکلنے والوں میں سے اگر کوئی میرا جان پہچان والا ہو تو اس سے اپنے گھر کا حال پوچھوں۔ اب تم بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

سعد نے جواب دیا "میں اباجان کا حال معلوم کرنے آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ باغیوں نے سب سے پہلے انھیں آزاد کروایا ہوگا۔ لیکن ان حالات کے پیشِ نظر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اباجان ابنِ عکاشہ جیسے آدمی کی اطاعت قبول کر کے آزادی حاصل کرنے پر قید کو ترجیح دیں گے اور تمہاری سرگزشت سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمہیں ہرگز شہر میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ شہر میں جس کام کے لیے تم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو وہ میں با آسانی کر سکتا ہوں۔ اگر تم اپنی والدہ اور بہن کو اشبیلیہ لے جانا چاہتے ہو تو میں انھیں تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔ میرے لیے صرف شہر میں داخل ہونا ہی ایک مسئلہ ہے اس کے بعد میں ہر جگہ آزادی کے ساتھ پھر سکوں گا۔ لیکن تمہارے لیے وہاں کوئی جگہ محفوظ نہیں ہوگی۔ وہ یقیناً تمہاری تلاش میں ہوں گے اور مدینۃ الزہرا میں تمہارے مکان اور قرطبہ میں تمہارے رشتہ داروں کے گھروں پر ان کا پہرہ ہوگا اور اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم ان کی مدد کرنے کی بجائے ان کے لیے مصیبت کا باعث بن جاؤ۔"

ادریس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "اگر قدرت نے تمہیں میری مدد کے لیے بھیجا ہے تو میں خواہ مخواہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

شام ہو رہی تھی۔ سعد اور ادریس نے دریا کے کنارے نماز پڑھی اور بستی کی طرف چل دیے رات کے وقت انھوں نے کسان کے گھر قیام کیا۔ علی الصباح سعد نے اپنا گھوڑا وہیں چھوڑا اور ایک گدھے پر جلانے کی لکڑیاں لاد کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔

اسے رخصت کرتے وقت ادریس نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا "سعد میں نے کبھی اتنا خوش وضع لکڑہارا نہیں دیکھا۔ تم ہر لباس میں ایک سپاہی نظر آتے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم پہرے داروں کو دھوکا نہیں دے سکو گے۔"

سعد نے جواب دیا "اطمینان رکھو، پہرے دار مجھے تمہاری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔"

الماس اپنے اصطبل کے سامنے لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے آ کر بلند آواز میں کہا "آپ لکڑیاں خریدیں گے؟"

الماس نے چونک کر پیچھے دیکھتے ہوئے نوعمر لکڑہارے سے کہا "بھاگ جاؤ، ہمیں لکڑیوں کی ضرورت نہیں"۔ لیکن اچانک اس کی توجہ لکڑیوں سے لدے ہوئے گدھے کی طرف مبذول ہو گئی جو اصطبل کی تازہ گھاس کے ڈھیر پر چڑھ کر اپنی بھوک کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

الماس آگ بگولا ہو کر اٹھا اور لکڑہارے کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر گدھے پر ٹوٹ پڑا گدھا چند ڈنڈے کھانے کے بعد باغ کی طرف بھاگ نکلا۔ لکڑہارے نے آگے بڑھ کر الماس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "چچا الماس یہ گدھا پرایا ہے؟"

الماس نے غصّے کی حالت میں اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن لکڑہارے کے ہاتھ کی گرفت اس کی توقع سے کہیں زیادہ سخت تھی۔ اس نے پہلی بار لکڑہارے کی طرف غور سے دیکھا اور اس کا غصہ مسرت میں تبدیل ہو گیا "سعد! تم!؟" اس نے لکڑہارے کو گلے لگاتے ہوئے کہا

سعد نے سوال کیا "پہلے مجھے ابا جان کے متعلق بتاؤ!"

الماس نے مغموم لہجے میں جواب "ان کا کچھ پتا نہیں چلا۔ ابھی تک ان کا کوئی اور ساتھی بھی رہا نہیں ہوا۔"

الماس سعد سے کئی سوالات پوچھنے کے لیے بے قرار تھا لیکن باقی نوکروں کو اس کے گرد جمع ہوتے دیکھ کر اس نے سعد کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے مکان کی طرف کھینچتے ہوئے کہا "اگر کوئی خطرناک بات ہے تو تمہارا یہاں کھڑا رہنا ٹھیک نہیں۔"

مکان کے ایک کمرے میں داخل ہو کر الماس نے کہا "تم یہاں بیٹھو میں نوکروں کو کچھ ہدایات دے آؤں!"

سعد نے کہا "چچا الماس گھبراؤ نہیں۔ میں نے یہ بھیس صرف شہر میں داخل ہونے کے لیے تبدیل کیا تھا۔ اب میرے لیے ایک طالب علم کے لباس کا انتظام کرو۔ مجھے شہر میں

ایک ضروری کام کے لیے جانا ہے۔"

الماس نے کہا "آقا کے متعلق میں ان کے ہر دوست سے پوچھ چکا ہوں۔ وہ سب کہتے ہیں کہ ابنِ عکاشہ قیدیوں کو رہا کرنے سے پہلے ان سے طلیطلہ کے حکمران مامون کی بیعت لے گا۔ مامون شاید آج یا کل یہاں پہنچ جائے۔"

"لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ اہلِ قرطبہ مامون کی غلامی قبول کر لیں گے؟"

الماس نے جواب دیا "اہلِ قرطبہ اب بکریوں کا ریوڑ بن چکے ہیں جنہیں ہر وہ شخص جس کے پاس چھڑی ہو ہانک سکتا ہے۔ امراء کے ایک گروہ نے انہیں اشبیلیہ والوں کے ہاتھ فروخت کیا۔ اس کے بعد امراء کا دوسرا گروہ اٹھا اور انھوں نے ان بکریوں کو طلیطلہ والوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ جس رات ابنِ عکاشہ نے گورنر کے محل پر قبضہ کیا تھا ہم بہت خوش تھے۔ مجھے یقین تھا کہ قدرت نے اسے اہلِ قرطبہ کو اشبیلیہ والوں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے بھیجا ہے لیکن اگلے دن ہی ہمیں یہ پتہ چلا کہ وہ قرطبہ کے بااثر آدمیوں سے مامون کی بیعت لے رہا ہے اور جو لوگ اس کی بیعت سے انکار کرتے ہیں انھیں پھانسی یا قید کی سزا دی جا رہی ہے۔ حملے سے ایک ہفتہ پہلے ہی باہر سے کئی لوگ شہر میں جمع ہو رہے تھے اور اہلِ قرطبہ یہ سمجھ کر انہیں اپنے گھروں میں جگہ دے رہے تھے کہ یہ لوگ قرطبہ کی جنگِ آزادی میں حصّہ لینے کے لیے آئے ہیں لیکن یہ مامون کے سپاہی تھے۔ میں نے بھی چار دن تک پندرہ آدمیوں کو اس مکان میں چھپنے کے لیے جگہ دی تھی۔"

سعد نے سوال کیا "تمہیں ادریس کے خاندان کا کچھ علم ہے؟"

الماس نے جواب دیا "میں تمہیں یہ بتانے ہی والا تھا۔ ادریس اس انقلاب سے کئی روز پہلے غائب ہو گیا تھا۔ چند دن پولیس اس کی تلاش میں بہت سرگرداں رہی۔ شہر کے بعض امراء جو اب ابنِ عکاشہ کے طرفدار ہیں ان دنوں ادریس کی تلاش میں عباد کے سپاہیوں کی نسبت کہیں زیادہ مضطرب رہے تھے۔ میں حیران ہوں کہ اس نے کس جرم کے عوض ایک وقت

اشبیلیہ کے حکمرانوں اور قرطبہ کے بااثر لوگوں کی دشمنی مول لے لی تھی۔ شہر میں اُس کے ہر عزیز اور رشتہ دار کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ اس کے ماموں نے اس کی ماں اور بہن کو مدینۃ الزہرا سے شہر میں لانے کی کوشش کی لیکن انھیں وہاں سے گھر چھوڑنے کی اجازت نہیں ملی۔

اس انقلاب کے بعد میرا یہ خیال تھا کہ ان کے ساتھ ابنِ عکاشہ کا رویہ عباد کے طرزِ عمل سے مختلف ہوگا لیکن کل شام مجھے مسجد میں ادریس کا ماموں ملا تھا اس نے بتایا کہ اب ادریس کے مکان پر ابنِ عکاشہ کی پولیس کا پہرہ اور زیادہ سخت ہے۔ ادریس کا ماموں زاد بھائی جس کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں ان کی خبر لینے کے لیے گیا تھا۔ سپاہیوں کو شک گزرا کہ وہ شاید ادریس کا ایلچی بن کر آیا ہے۔ چنانچہ اسے سخت جسمانی اذیتیں پہنچا کر ادریس کا پتہ دینے پر مجبور کیا گیا لیکن اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ ادریس کہاں ہے۔"

سعد نے سوال کیا "کسی نے اُس کی ماں اور بہن کے ساتھ سختی تو نہیں کی؟"

"اشبیلیہ والے تو پولیس کو عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن اب ایک ڈاکو کی حکومت ہے اور ہر بات ممکن ہے۔"

سعد نے کہا "میں انھیں فوراً ادریس کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں۔ وہ شہر سے باہر ان کا انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ تمھیں کب ملا؟"

"کل۔"

"تم نے پوچھا کہ اس نے کیا جرم کیا ہے؟"

"اس نے حکومت کو بروقت ابنِ عکاشہ کی سازش سے باخبر کرنے کی کوشش کی تھی۔"

الماس نے حیران ہو کر سوال کیا "اگر یہ بات تھی تو اشبیلیہ کے حکام اسے کس لیے گرفتار کرنا چاہتے تھے؟"

اس سوال کے جواب میں سعد نے مختصراً ادریس کی سرگزشت بیان کر دی۔

(۸)

رات کے وقت ادریس کی بہن میمونہ ایک کرسی پر بیٹھی شمع کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کی ماں دوسرے کمرے میں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد حسب معمول کوئی وظیفہ پڑھ رہی تھی کہ کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

میمونہ چونک کر اٹھی اور پاس ہی اپنے بستر کے تکیے کے نیچے چھپا ہوا خنجر نکال کر دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی کنڈی اندر سے بند تھی۔ میمونہ کچھ دیر دروازے کے ساتھ کان لگائے کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ "کون ہے؟" میمونہ نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

باہر سے کسی نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا "ڈرو نہیں میں سعد ہوں اور ادریس کا پیغام لایا ہوں۔"

اتنی دیر میں میمونہ کی ماں بھی برابر کے کمرے سے نکل کر اپنی بیٹی کے قریب پہنچ گئی اور اس نے خوفزدہ ہو کر کہا "کیا ہے میمونہ؟"

میمونہ کی بجائے باہر سے سعد نے جواب دیا "میں سعد بن عبدالمنعم ہوں۔ مجھے ادریس نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

میمونہ کی ماں نے قدرے توقف کے بعد دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہوا۔ سعد ایک سپاہی کے لباس میں تھا اور میمونہ اور اس کی ماں تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

سعد نے اپنی جیب سے ایک کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر ادریس کی ماں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "مجھے ڈر تھا کہ آپ شاید مجھے پہچان نہ سکیں۔ اس لیے ادریس سے یہ رقعہ لے آیا ہوں۔"

ادریس کی ماں دروازے کو بند کر کے کنڈی لگانے کے بعد شمع کے قریب جا کر رقعہ پڑھنے لگی۔

اچانک مکان کے ایک کونے سے کسی کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی اور کسی نے

نسوانی آواز میں کہا۔ "میمونہ! میمونہ!!"

میمونہ بدحواس ہو کر اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

برآمدے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور میمونہ کی ماں نے قدرے خوفزدہ ہو کر کہا۔ "بیٹا تم پچھلے کمرے میں چھپ جاؤ۔ یہ ہماری نئی خادمہ ہے۔ جسے ناظم زبیر نے ہم پر جاسوسی کے لیے مقرر کیا ہے۔"

سعد بھاگ کر کمرے کے عقب میں ایک کوٹھڑی کے اندر چلا گیا۔ میمونہ اپنی ماں کے اشارے سے بستر پر لیٹ گئی اور ماں نے جلدی سے کاغذ کا پرزہ اس کے تکیے کے نیچے چھپا دیا۔

خادمہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر کہا۔ "ابھی باہر سے اس طرف کوئی آیا ہے؟"

"اس وقت کون آسکتا ہے؟"

"مجھے ابھی دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی تھی۔"

"میمونہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا، میں نے ابھی بند کیا ہے۔"

"مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ یہاں کوئی باتیں کر رہا ہے۔"

"میں میمونہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔"

"نہیں آپ کی آواز برآمدے میں نہیں پہنچ سکتی۔ شاید کوئی برآمدے میں بول رہا تھا۔"

ادریس کی ماں نے دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل کر کہا۔ "تمہیں مغالطہ ہوا ہے۔ ابھی ڈیوڑھی میں نوکر شور مچا رہے تھے۔"

خادمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیوں میمونہ تم نے بھی کسی کی آواز نہیں سنی؟"

میمونہ نے قدرے بگڑ کر کہا۔ "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم کسی طبیب سے اپنے کانوں کا معائنہ کراؤ۔"

خادمہ کے دل میں جو شبہات ادریس کی ماں کی گھبراہٹ کے باعث پیدا ہوئے تھے، وہ میمونہ کی خود اعتمادی نے دور کر دیے اور وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ادریس کی ماں نے دوبارہ دروازہ بند کر دیا اور کچھ دیر خادمہ کے واپس لوٹتے ہوئے قدموں

کی آواز سنتی رہی۔ بالآخر جب اس کے کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

سعد عقب کی کوٹھڑی سے نکل کر کمرے میں آگیا۔ ادریس کی ماں نے میمونہ سے کہا۔ "بیٹی تمہیں اس کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے۔ وہ اگر نوکروں کو بلا کر مکان کی تلاشی لیتی تو پھر کیا ہوتا؟"

میمونہ نے کہا۔ "میں اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیتی۔"

سعد نے کہا۔ "میرے خیال میں اگر میمونہ کا طرزِ عمل اس سے مختلف ہوتا تو اس کے شکوک اتنی جلدی دور نہ ہوتے۔"

"بیٹا! تم اُسے نہیں جانتے، وہ سونے سے پہلے ایک بار نوکروں کو باخبر رہنے کے لیے ضرور کہے گی۔ ہمارا یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ میں حیران ہوں کہ تم مکان میں کیسے داخل ہوئے؟"

سعد نے جواب دیا۔ "میں باغ کی طرف سے دیوار پھاند کر آیا ہوں۔"

"چلو اسی کمرے میں۔" یہ کہتے ہوئے میمونہ کی ماں نے شمع اٹھالی اور میمونہ اور سعد اس کے پیچھے عقب کے کمرے میں داخل ہوئے۔

میمونہ کی ماں کے استفسار پر سعد نے مختصراً ادریس کے ساتھ اپنی ملاقات کے واقعات بیان کر دیے۔ اختتام پر جب اس نے انہیں یہ کہا کہ آپ تھوڑی دیر تک یہاں سے چلنے کے لیے تیار ہو جائیں تو میمونہ کی ماں نے کہا۔ "بیٹا! تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ہمارے تمام پرانے نوکروں کو یہاں سے نکال دیا گیا ہے۔ دو نوکر جو اس وقت ڈیوڑھی میں ہیں وہ پولیس کے آدمی ہیں۔ یہ خادمہ بھی ان کے ساتھ ہے۔ پرسوں میرے بھائی کا کمسن لڑکا ہماری خبر لینے کے لیے آیا تھا ان نوکروں نے پولیس کو خبر پہنچا دی اور وہ اُسے پکڑ کر چوکی میں لے گئے۔ ہمیں یہ خبر بھی نہیں کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے!"

سعد نے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے زد و کوب کر کے ادریس کا پتہ معلوم کرنے کی

کوشش کی گئی تھی۔ اب وہ اپنے گھر میں ہے۔"

ان حالات میں تم خود سمجھ سکتے ہو کہ ہمارا یہاں سے نکلنا کتنا مشکل ہے۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں سارا انتظام کر چکا ہوں۔"

میمونہ کی ماں نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ ہماری وجہ سے ادریس گرفتار نہ ہو جائے۔ کاش تم اُسے واپس اشبیلیہ چلے جانے کا مشورہ دیتے اور ہم حالات کے اعتدال پر آتے ہی وہاں روانہ ہو جاتیں۔"

سعد نے کہا "وہ قرطبہ سے باہر ایک محفوظ جگہ پر ہے۔ آپ اس کے متعلق پریشان نہ ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے باہر جاتا ہوں، اتنے عرصے میں آپ تیار ہو جائیں!"

میمونہ نے پریشان ہو کر کہا "آپ ڈیوڑھی میں پہریداروں کے ساتھ الجھنے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دو ہیں، اور ممکن ہے کہ سڑک پر گشت لگانے والے سپاہیوں کی کوئی ٹولی بھی ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے۔"

سعد نے جواب دیا "آج میں لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا، تاہم اگر لڑائی کی ضرورت پڑی تو میں اکیلا نہیں ہوں۔"

سعد نے دوسرے کمرے میں آ کر آہستہ سے دروازہ کھولا اور دبے پاؤں باہر نکل گیا۔ ماں اور بیٹی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

(۹)

تھوڑی دیر بعد میمونہ اور اس کی ماں سفر کی تیاری کرنے کے بعد اپنے سونے کے کمرے میں سعد کا انتظار کر رہی تھیں۔ میمونہ کی ماں اپنے زیورات کے علاوہ چند ضروری کپڑے ایک چھوٹی سی گٹھڑی میں باندھ چکی تھی۔

میمونہ نے اپنے تکیے کے نیچے سے ادریس کا رقعہ نکالتے ہوئے اپنی ماں سے کہا "امی! دیکھیے اگر ہم یہ رقعہ یہاں چھوڑ جاتے تو غضب ہو جاتا!"

ماں نے رقعہ اس کے ہاتھ سے لے کر شمع کی لو پر رکھ کر جلاتے ہوئے کہا "خدا کا شکر ہے کہ تمہیں اس کا خیال آگیا۔ ورنہ میں تو بھول چکی تھی۔"

ایک ساعت اور گزرنے کے بعد انھیں ڈیوڑھی کی طرف کچھ شور سنائی دیا۔ میمونہ نے اپنا خنجر سنبھالتے ہوئے کہا "امی وہ شاید لڑ رہے ہیں۔"

میمونہ نے باہر نکلنا چاہا لیکن اس کی ماں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "ٹھہرو! ایسے موقع پر ذرا سی غلطی ہمیں مصیبت میں ڈال دے گی۔"

میمونہ کو پیچھے ہٹا کر وہ خود دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن ڈیوڑھی کی طرف سے اب کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اچانک خادمہ پھر "میمونہ! میمونہ!" کہتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ میمونہ نے اپنی ماں کو دروازے سے ایک طرف ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "امی اسے اندر آنے دو، ورنہ وہ شور مچائے گی۔"

خادمہ نے کمرے کے قریب پہنچتے ہوئے پھر کہا "میمونہ یہ شور کیسا تھا؟ میمونہ! میمونہ بولتی کیوں نہیں۔ دروازہ کھولو!"

"دروازہ کھلا ہے۔ لیکن تم چاہتی کیا ہو؟"

خادمہ نے اندر داخل ہو کر کہا "تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔ اس وقت ادریس آیا تھا اور تم نے اُسے اندر چھپا رکھا ہے۔"

میمونہ نے اچانک اس کی طرف اپنا خنجر سیدھا کر دیا۔ خادمہ نے بدحواس ہو کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن میمونہ نے اُس کا راستہ روکتے ہوئے کہا "اگر تم نے شور مچایا تو میں خنجر تمہارے پیٹ میں گھونپ دوں گی!"

"نہیں نہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی۔ دیکھو یہ خنجر بہت تیز ہے ایسا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔ بیگم آپ اسے منع کریں!"

"دیکھو میں تمہیں کہتی ہوں، شور نہ مچاؤ۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتی ہو تو اس کوٹھڑی

میں چلی جاؤ۔ ورنہ!" میمونہ نے خنجر کو ذرا جنبش دی اور خادمہ خوف سے کانپتی ہوئی کوٹھڑی کے اندر چلی گئی۔ میمونہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور پھر کنڈی چڑھاتے ہوئے کہا "بدطینت اور منافق لوگ ہمیشہ ڈرپوک ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر تم نے اندر سے شور مچایا تو ہم اس مکان کو آگ لگا کر باہر نکل جائیں گے۔"

صحن میں سعد کو کسی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا سن کر میمونہ اور اس کی ماں باہر نکل آئیں اب سعد کے چہرے پر نقاب تھا اور اس کے پیچھے ایک اور نقاب پوش کسی کو اپنے کندھے پر اٹھائے چلا آرہا تھا۔ قریب آکر سعد نے کہا "میمونہ تمہاری خادمہ کون سے کمرے میں ہے؟"

میمونہ نے جواب دیا "میں نے اُسے کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے۔"

"بہت اچھا کیا۔ اب تمہارے نوکروں کے لیے بھی ایک کوٹھڑی کی ضرورت ہے۔"

"ان کے لیے ہمارے غسل خانے بہت رہیں گے۔"

"بہت اچھا۔ تم راستہ دکھاؤ!"

میمونہ نے شمع اٹھا کر اس کی راہنمائی کی اور قوی ہیکل نقاب پوش نے رسیوں میں جکڑے ہوئے نوکر کو غسل خانے کے اندر ڈال دیا۔ اس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا اور میمونہ کو اس کی حالت دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آرہی تھی۔

سعد نے کہا "اچھا اب دوسرے کو بھی لے آؤ!"

تھوڑی دیر میں سعد کے ساتھی نے دوسرے نوکر کو بھی غسل خانے میں پہنچا دیا۔ غسل خانے کا دروازہ بند کرنے کے بعد وہ خادمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ سعد نے اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر کہا "دیکھو تم ایک عورت ہو۔ ہم تم پر سختی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو تمہارا گلا گھونٹ دیا جائے گا!"

میمونہ نے کہا "آپ اس کی فکر نہ کریں اگر اس نے شور مچایا تو میں مکان کو آگ لگا دوں گی۔"

سعد نے دوبارہ دروازہ بند کرنے کے بعد خادمہ پر اور زیادہ اثر ڈالنے کی ضرورت

محسوس کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا "اب آپ سب آرام کریں۔ صرف ایک آدمی اس کوٹھڑی کا پہرہ دینے کے لیے کافی ہے۔"

(۱۰)

سعد کے ساتھ دوسرا نقاب پوش الماس تھا۔ آدھی رات کے قریب وہ میمونہ اور اس کی ماں کے ساتھ دبے پاؤں مکان کا صحن عبور کرنے کے بعد ڈیوڑھی میں پہنچے۔ سعد نے ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر ادھر اُدھر دیکھا۔ سڑک پر تھوڑی دور اُسے چند آدمیوں کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ بھاگ کر ڈیوڑھی کے اندر آ گیا۔

الماس نے کہا "اگر ہم مکان کے عقب سے دیوار پھاند کر باغ میں داخل ہو جاتے تو بہتر ہوتا"

"ٹھہرو!" سعد یہ کہتے ہوئے کواڑوں کی درز سے باہر جھانکنے لگا۔

جب پاؤں کی آہٹ قریب آ گئی تو الماس نے کہا "دروازہ بند کر دو۔ یہ پہریداروں کی ٹولی معلوم ہوتی ہے۔"

سعد نے قدرے توقف کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ جب گشت لگانے والے پہریدار گزر گئے، تو اس نے دوبارہ دروازہ کھول کر باہر جھانکتے ہوئے کہا "اب جلدی سے نکل آؤ!"

چند قدم چلنے کے بعد وہ سڑک چھوڑ کر ایک گھنے باغ میں داخل ہو گئے اور سعد نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "چچا الماس! اب تم رہنمائی کرو۔" الماس ان کے آگے ہو گیا

مدینۃ الزہرا کے شاہی ایوان اور سرکاری عمارات کی چار دیواری سے باہر مغرب کی طرف باغات کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں گہرے کھڈ جو برسات کے دنوں میں تیز رفتار پہاڑی ندیوں اور نالوں میں تبدیل ہو جاتے تھے اور باغات کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتے تھے۔ گزشتہ چند ماہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ ندیاں قریباً خشک تھیں۔ باغات کو سیراب کرنے والی بعض نہروں میں گھٹنے گھٹنے پانی تھا۔

رات کے پچھلے پہر یہ ایک لمبا سا چکر کاٹ کر کوئی اڑھائی تین میل نیچے کی طرف

دریائے وادی الکبیر کے کنارے پہنچ چکے تھے۔

الماس نے کہا "اب آپ یہاں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں" یہ کہہ کر الماس نے چھوٹی سی گٹھڑی زمین پر رکھ دی اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ میمونہ کی ماں جو تھکاوٹ سے چور ہو چکی تھی، زمین پر بیٹھ گئی۔

سعد نے کہا "آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ میں نے پہلے سوچا تھا کہ آپ کے لیے گھوڑوں کا انتظام کروں۔ لیکن اس میں بہت سے خطرات تھے۔"

"بیٹا میری تھکاوٹ ادریس کو دیکھتے ہی دور ہو جائے گی۔ وہ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"بس دریا کو عبور کرنے کے بعد ہمیں زیادہ سے زیادہ کوئی آدھ میل اور چلنا پڑے گا۔ خدا کرے کہ کشتی والا ماہی گیر پہنچ گیا ہو!"

"اور اگر وہ نہ آیا تو؟"

"پھر ہم یہ کوشش کریں گے کہ آس پاس کی بستیوں سے کسی اور ماہی گیر کی کشتی مل جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو میں تیر کر دریا عبور کروں گا اور ادریس کو یہاں بلا لاؤں گا۔ ایک گھوڑا ادریس کا اپنا ہے اور ایک میں اس کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ ہم گھوڑے بھی اس پار لے آئیں گے۔ یہاں سے چند میل اور نیچے کی طرف ایک پل ہے۔ اس پل کو عبور کرنے کے بعد آپ اشبیلیہ کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچ سکیں گی، لیکن مجھے یقین ہے وہ ماہی گیر ضرور آئے گا۔ الماس نے جس آدمی کے سپرد یہ کام کیا تھا، وہ بہت ہوشیار ہے۔"

(۱۱)

میمونہ دریا کے کنارے کھڑی سنگریزے اٹھا اٹھا کر پانی میں پھینک رہی تھی۔ اچانک اس کی ماں کے دل میں کوئی خیال آیا اور اس نے کہا "بیٹا مجھے معاف کرنا! میں اس قدر پریشان تھی کہ تمہاری ماں کی خیریت پوچھنا بھول گئی۔ ان کا کیا حال ہے؟"

"وہ بخیریت ہیں۔ امی جان نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں قرطبہ پہنچ کر آپ کا حال ضرور معلوم کروں۔

"تمہارے ابا جان! ان کا کچھ پتہ چلا یا نہیں؟"

"وہ ابھی تک قید میں ہیں۔"

میمونہ یہ گفتگو سن کر ان کے قریب آ گئی۔ اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا "آپ بھی ہمارے ساتھ اشبیلیہ جائیں گے؟"

"نہیں میں تمہیں ادریس کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد میں واپس قرطبہ جاؤں گا۔ میں ابا جان کے متعلق معلوم کرنے آیا تھا۔"

میمونہ کی ماں نے کہا "بیٹا! ان کا پتہ لگانے کے بعد ہمیں ضرور اطلاع دینا اور اگر خدانخواستہ وہ قید سے آزاد نہ بھی ہوں تو بھی تمہارا قرطبہ رہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ ابن عکاشہ ہر نیک انسان کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔"

سعد نے جواب دیا "اندلس کی زمین اب ہر جگہ خدا کا نام لینے والوں کے لیے تنگ ہو رہی ہے۔"

"خدا معلوم ہمارا انجام کیا ہوگا؟"

دور سے الماس کی آواز آئی "سعد! آؤ!!"

سعد، میمونہ اور اس کی ماں دریا کے اوپر کی طرف چل پڑے۔ الماس کے قریب پہنچ کر سعد نے سوال کیا "ماہی گیر کہاں ہے؟"

"وہ کشتی دریا کے کنارے لگا کر سو رہا تھا، اب اس طرف آ رہا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ماہی گیر کشتی لے کر پہنچ گیا اور وہ سب اس پر سوار ہو گئے۔

ملاح نے کہا "دیکھیے آپ باتیں نہ کریں۔ اگر دوسرے کنارے کسی سپاہی نے مجھے اس وقت کشتی چلاتے دیکھ لیا تو کشتی ضبط کر لی جائے گی اور میں قید خانے بھیج دیا جاؤں گا۔ رات کے وقت ہمیں کسی کو کشتی پر بٹھانے کی اجازت نہیں۔ آپ دوسرے کنارے پہنچ کر کسی سے اس بات کا ذکر بھی نہ کریں!"

دوسرے کنارے پہنچ کر کشتی سے اترنے کے بعد الماس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی

سی تھیلی نکال کر ملاح کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "اس تھیلی میں دس دینار ہیں۔ تمہارے ساتھ آٹھ کا وعدہ کیا تھا۔ میں دو دینار تمہیں بطورِ انعام دے رہا ہوں۔"

علی الصباح میمونہ اور اس کی ماں بستی کے ایک تنگ مکان کے صحن میں ادریس کے سامنے کھڑی تھیں۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹیں اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

گھوڑے تیار کروانے کے بعد سعد نے کہا "ادریس اب باتوں کا وقت نہیں تم فوراً سوار ہو جاؤ" مکان سے باہر نکل کر وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ادریس نے میمونہ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور اس کی ماں دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ سعد نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکال کر ادریس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ لو تمہیں راستے میں ضرورت پڑے گی۔"

ادریس نے احسان مندی اور محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا "سعد! راستے کی ضرورت کے لیے میرے پاس بہت ہے۔ اگر ضرورت ہوتی تو میں خود مانگ لیتا۔"

سعد نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم اشبیلیہ کی سڑک میں داخل ہوتے ہی ایک اور گھوڑا خرید لو تاکہ میمونہ کو تکلیف نہ ہو۔"

"مجھے گھوڑا خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ معتمد کے وزیر نے مجھے قرطبہ کی سرحدی چوکی کے افسر کے نام مراسلہ دیا تھا وہ مجھے ہر ممکن سہولت مہیا کرے گا۔"

ادریس کی ماں نے کہا "سعد بیٹا! میں بھی گھر سے خالی ہاتھ نہیں آئی۔ میں نے گٹھڑی میں تمام نقدی اور جواہرات باندھ لیے تھے۔"

سعد نے کہا "بہت اچھا۔ میں آپ کو مجبور نہیں کرتا۔ دیکھو ادریس جب تم اشبیلیہ پہنچو تو غرناطہ میں ہمارے گھر ضرور اطلاع دے دینا۔ شاید میں بھی چند دن تک وہاں پہنچ جاؤں۔"

"تم کبھی اشبیلیہ نہیں آؤ گے؟"

سعد نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا "اس وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاہم میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کسی دن اشبیلیہ میرے راستے کی اہم ترین منزل ہو گا۔ خدا بہتر جانتا

ہے کہ دوسری بار ہم کب اور کون سے بھیس میں ملیں گے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم کسی وقت کے بغیر ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔"

میمونہ غور سے سعد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی عمر کے اس حصے میں تھی جہاں لڑکپن اور جوانی کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔ اس عمر کی لڑکیوں کے تاثرات عام طور گہرے اور دیرپا نہیں ہوتے۔ گزشتہ چند گھنٹوں میں اس نے سعد کے متعلق اس سے زیادہ نہ سوچا تھا کہ وہ اس کے بھائی کا دوست ہے اس لیے اُسے ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ وہ رحمدل اور بہادر ہے اور انھیں مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ ایک دفعہ اس نے تیر چلا کر اس کی گڑیا درخت سے اتاری تھی اور وہ اپنی سہیلیوں سے کہا کرتی تھی کہ اس کے بھائی کا ایک دوست قرطبہ کا بہترین تیر انداز ہے اور اب جب کہ اس نے پانچ سال کے بعد اُسے ایک سپاہی کے لباس میں دیکھا تھا تو وہ یہ سوچ رہی تھی کہ میں اشبیلیہ میں اپنی نئی سہیلیوں کو یہ واقعات بتایا کروں گی۔

سعد نے اچانک اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "یوں میمونہ تم بھی مجھے پہچان لو گی نا؟"

میمونہ نے ایک خفیف سی مسکراہٹ کے بعد آنکھیں جھکا لیں۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تو میمونہ کچھ دور تک مڑ مڑ کر سعد کی طرف دیکھتی رہی۔ سعد کے الفاظ بار بار اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ تصورات کی ایک نئی دنیا میں تھی۔ مستقبل کی کسی موہوم شاہراہ کے چوراہے پر کوئی اجنبی اُسے کہہ رہا تھا "میمونہ! تم مجھے پہچانتی ہو نا؟" اور وہ ماضی کے دھندلے سے آئینے میں اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے دل کی معصوم لطیف اور خوشگوار دھڑکنیں کہہ رہی تھیں کاش یہ اجنبی سعد کے سوا کوئی اور نہ ہو!

ادریس کے روانہ ہونے سے تھوڑی دیر بعد سعد اور الماس دیہاتی کاشتکاروں کے بھیس میں شہر کا رُخ کر رہے تھے۔ سعد اپنے سر پر سیب اور الماس مرغیوں کی ٹوکری اٹھائے ہوئے تھا

(۱۲)

سعد قرطبہ میں تین ہفتے رہا۔ اس عرصے میں مامون ذالنون ایک فاتح کی حیثیت سے شہر

میں داخل ہو چکا تھا۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ مامون کو دیکھ کر اہلِ قرطبہ کی غیرت ایک بار پھر جوش مارے گی لیکن انھیں مایوسی ہوئی۔ جب ابنِ عکاشہ مامون کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلا تو قرطبہ کے بااثر امرا اس کے ساتھ تھے۔ شہر کے تاجروں نے اپنے نئے حکمران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بازاروں کو سجایا اور عوام ابنِ عکاشہ کی فوج اور پولیس کے احکام کی تعمیل میں سڑکوں پر قطار باندھے کھڑے تھے۔ مامون کا جلوس گزر گیا اور اس کے فوراً بعد شہر کے تمام دروازے کھول دیے گئے۔ کسی نے آواز بلند نہ کی۔ کوئی مظاہرہ نہ ہوا۔ قرطبہ کے حریت پسند خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ رات کے وقت چند آدمی شہر کے ایک چوراہے میں کھڑے دو آدمیوں کی بحث سن رہے تھے۔ ایک یہ کہہ رہا تھا کہ معتمد کا جلوس زیادہ پرشکوہ تھا اور دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ مامون کا جلوس زیادہ شاندار تھا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی تھوڑی دیر یہ بحث سنتا رہا اور پھر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔ "قرطبہ میں اگر شیطان آجائے تو بھی یہ لوگ اس کا جلوس نکالنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اب اس قوم کو کوئی معجزہ ہی تباہی سے بچا سکتا ہے۔"

جن محبانِ قوم کو پانچ سال قبل معتمد کے گورنر اور اس کے وزیر نے قید کیا تھا، ان کے سامنے ابنِ عکاشہ نے یہ شرط پیش کی کہ وہ اگر مامون کی بیعت کرلیں تو انھیں رہا کر دیا جائے گا لیکن چند ایک کے سوا کسی نے اس شرط پر رہا ہونا قبول نہ کیا۔ عبدالمنعم کو ابنِ عکاشہ اور مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ابنِ عمار کے دربار کی طرح ان کے سامنے بھی اُسی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے پانچ سال قبل ایک ڈاکو کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا تھا اور اس نے مجھے قید کر دیا تھا، اب ایک نیا ڈاکو مجھے قید خانے سے باہر نکال کر یہ کہتا ہے کہ تم میری بیعت کر لو، میرے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ میں پھر اُسی قید خانے میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤں"

مامون نے کہا۔ "تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی لیکن میرے خیال میں تمہارے لیے اب قرطبہ کا قید خانہ موزوں نہیں ہوگا۔"

چند دنوں کے بعد ایک رات عبدالمنعم اور اس کے بیس ساتھیوں کو قرطبہ کے قید خانے

سے نکال کر طلیطلہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس کام میں اس قدر احتیاط برتی گئی کہ اہلِ قرطبہ کو ان کے منتقل کیے جانے کا علم نہ ہو سکا۔ لوگوں کی رہی سہی بے چینی دور کرنے کے لیے ابنِ عکاشہ نے یہ اعلان کر دیا، کہ شہر پر اس کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی عبدالمنعم اور اس کے ساتھی قید خانے سے غائب ہو چکے تھے، ان کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے۔ اس اعلان سے دو دن بعد ایک شخص نے جامع قرطبہ میں یہ اعلان کیا کہ میں عبدالمنعم کے ساتھ قید ہوا تھا، عبدالمنعم اور میرے دوسرے ساتھیوں نے ایک رات قید خانے سے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن پہریداروں نے انھیں گرفتار کرلیا اور اس کے بعد داروغہ نے انھیں خطرناک قیدی سمجھ کر قتل کروا دیا۔ میں چونکہ ان دنوں بیمار تھا اور میں نے فرار ہونے کی سازش میں حصہ نہیں لیا تھا اس لیے میں قتل ہونے سے بچ گیا۔"

یہ آدمی وہی تھا جس نے قید سے آزاد ہونے کے لیے مامون کی بیعت کر لی تھی اور مسجد میں یہ اعلان اس نے ابنِ عکاشہ کے حکم سے کیا تھا۔

اس کے بعد چند دن تک ابنِ عکاشہ اپنے زر خرید علماء کی وساطت سے یہ منادی کرواتا رہا کہ اہلِ قرطبہ معتمد سے عبدالمنعم اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ پھر ایک دن مامون خود جامع قرطبہ میں آیا اور اس نے تقریر کی کہ "ہمیں ان بہادروں کے قتل کیے جانے کا بہت دکھ ہے اور ہم اہلِ قرطبہ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اپنے خزانے سے ان کے بال بچوں کی پرورش کا انتظام کریں گے۔"

(۱۴)

سعد کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ الماس اندر داخل ہوا۔ سعد نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا "کوتوال کیا کہتا تھا؟"

"وہ کہتا تھا کہ اگر تمہارے آقا کے بال بچے غرناطہ سے یہاں نہیں آسکتے تو پرسوں تمہیں خود بادشاہ کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔"

"تم نے اسے یہ نہیں کہا کہ ہم سرکاری اعانت کے محتاج نہیں؟"

"میں نے کہا تھا۔ لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ تم بیوقوف ہو۔ مامون کی سرپرستی کوئی معمولی بات نہیں۔ انہیں فوراً یہاں آنے کے لیے کہو۔"

سعد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: "چچا الماس میں کل جا رہا ہوں اور میں اس یقین کے ساتھ جا رہا ہوں کہ ابا جان قتل نہیں ہوئے۔ ابنِ عکاشہ نے انھیں قرطبہ کے قید خانے سے کسی اور مقام پر بھیج دیا ہے۔ ورنہ ان کے قتل کے متعلق اعلان کرنے سے کئی دن پہلے اُسے ٹال مٹول کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس نے مامون کی آمد کے بعد ان کے قتل کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا ہے۔ اگر اُسے قیدیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی تو وہ قرطبہ پر قابض ہوتے ہی ان کی خبر لیتا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ابا جان اور ان کے ساتھیوں نے مامون کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا ہے، اس لیے انہیں کسی دوسرے قید خانے میں بھیج دیا گیا ہے اور اگر وہ قتل بھی ہوئے ہیں تو ان کے قاتل مامون اور ابنِ عکاشہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ ہم اس کی اعانت کے محتاج نہیں، وہ ناپاک ہاتھ جنہوں نے قوم کی شاہ رگ پر خنجر چلائے ہیں چاندی اور سونے کے سکوں کی جھنکار سے ہماری اطاعت نہیں خرید سکتے۔"

"کوتوال یہ بھی کہتا تھا کہ اگر تمہارے آقا کے بیٹے نہ آئیں تو تمہیں مامون کے سامنے پیش ہونا پڑے گا اور قرطبہ سے ان کی دائمی غیر حاضری کی وجہ بیان کرنی پڑے گی۔"

سعد نے کہا: "تم یہ کہہ دو کہ عبدالمنعم کے بیٹے اس حکومت کے باغی ہیں۔"

الماس بولا: "لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

سعد نے جواب دیا: "میں جانتا ہوں، کہ تم قرطبہ میں نہیں رہ سکو گے، ہماری جائداد ضبط کر لی جائے گی لیکن مجھے اس کی پروا نہیں میں پیٹ پر پتھر باندھ کر اندلس کی جنگِ آزادی میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔ تم بھی جب یہ محسوس کرنے لگو، کہ قرطبہ میں رہنا تمہارے ضمیر کے لیے ایک بوجھ ہے تو غرناطہ چلے آؤ!"

الماس نے قدرے مغموم ہو کر کہا: "لیکن میں وہاں کیا کروں گا؟"

"تمہاری ہر جگہ ضرورت ہے۔ غرناطہ میں تم ان نوجوانوں کو تیر اندازی سکھایا کرو گے جو اندلس

کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے ہیں۔"

"یہ آپ کا حکم ہے کہ میں قرطبہ چھوڑ کر غرناطہ چلا آؤں؟"

"میں تمہیں حکم نہیں دیتا بلکہ تمہارا یہ حق تسلیم کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے ضمیر کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کسی دن تمہارا ضمیر ان حالات میں قرطبہ کے خلاف بغاوت کرے گا۔"

"میرا ضمیر یہ کہتا ہے کہ میں ان چوروں اور ڈاکوؤں کو اس گھر سے دور رکھوں۔"

سعد نے کہا: "جن چوروں اور ڈاکوؤں نے سارے اندلس کو اپنی شکارگاہ بنا رکھا ہے اُن پر تم دیر تک اس گھر کا دروازہ بند نہیں کر سکتے۔ الماس! اس وقت قوم کی کشتی ڈگمگا رہی ہے، اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو ہم سب ڈوب جائیں گے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

سعد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد مغموم لہجے میں جواب دیا: "ابھی مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کروں گا۔ مجھے اپنے سامنے تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ہم صرف اسلام کا سہارا لے کر اٹھ سکتے ہیں۔ لیکن آج ہمارا طبقۂ اعلیٰ احیائے اسلام کا بدترین دشمن ہے۔ اگر امراء کی خود غرضی اور جمہور کی بے حسی کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہم نصرانیوں کے ہاتھوں سمندر کی طرف دھکیل دیے جائیں گے۔ اندلس کا نجات دہندہ شاید اب تک پیدا نہیں ہوا۔ میں اپنے متعلق صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا۔"

رات کے پچھلے پہر سعد بن عبدالمنعم جامعہ قرطبہ میں سربسجود ہو کر یہ دعا مانگ رہا تھا:

"میرے اللہ میری قوم کو تباہی سے بچا۔ مجھے دین اسلام کا ایک سپاہی بننے کی ہمت دے۔ مجھے ایک نمازی کی زندگی اور شہید کی موت کی تمنا دے۔ میرے دل میں یقین اور ایمان کی وہ مشعل روشن کر دے جسے گمراہی اور ظلمت کی آندھیاں نہ بجھا سکیں!"

صبح کی نماز سے تھوڑی دیر بعد وہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر غرناطہ کا رُخ کر رہا تھا:

رضا کار

غرناطہ واپس آکر چند ماہ بعد سعد بن عبدالمنعم فوجی مکتب سے فارغ التحصیل ہوگیا۔ مکتب کے فارغ التحصیل طلباء عام طور پر فوج میں لے لیے جاتے تھے لیکن سعد نے غرناطہ ں برائے نام فوج کی ملازمت پسند نہ کی۔ اس مکتب میں غرناطہ کے بااثر رؤسا اور شاہی خاندان ے کئی لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ ان کی کوششوں سے سعد کو مکتب میں ایک معلم کا عہدہ پیش کیا گیا۔ سعد اس کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ لیکن اپنے خالو اور غرناطہ کے بااثر عالم قاضی ابوجعفر کے سمجھانے پر اُسے اپنا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔ قاضی ابوجعفر اندلس کو اسلامی نظامِ حکومت کے ماتحت متحد کرنے کی تحریک کے زبردست حامی تھے اور غرناطہ کے علاوہ کئی اور شہروں کے نوجوان اُن کے خیالات سے متاثر تھے۔ وہ ایک مدت سے فوجی مکتب میں صحیح الخیال معلموں کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے سعد کو سمجھایا کہ تم اس مکتب میں معلم کی حیثیت سے ایک بلند نصب العین کے لیے کام کر سکتے ہو۔ غرناطہ میں ہم لوگ جو انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے قلم کے ساتھ ساتھ تلوار کی بھی ضرورت ہے، اب تک جو نوجوان وہاں تعلیم پاتے ہیں وہ غرناطہ کے شاہی خاندان کی حفاظت کرنا اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں لیکن تم جیسے معلم ان میں ایک اجتماعی شعور بیدار کر سکتے ہیں۔

سعد نے کہا، "اگر آپ کی یہی رائے ہے تو میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

قاضی ابوجعفر نے کہا، "لیکن مکتب کے اساتذہ میں سے کسی کو یہ نہ بتانا کہ تم نے میرے مشورے سے اپنا فیصلہ تبدیل کیا ہے۔ ورنہ وہ تمہارا مکتب کی چار دیواری کے پاس پھٹکنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔"

اگلے دن مکتب کے طلباء ایک دوسرے کو خوشخبری سنا رہے تھے کہ مکتب کے منتظمین نے انہیں تیغ زنی، تیر اندازی اور شاہسواری کے فنون سکھانے کے لیے سعد بن عبدالمنعم کی خدمات حاصل کر لی ہیں

مکتب کے نوجوانوں کے ساتھ فنونِ حرب کی مشق، کتب خانوں میں کتابوں کی ورق گردانی اور غرناطہ کے علماء اور فقہا کی محفلوں کے علمی مباحثوں میں حصہ لینے کے بعد سعد تنہائی کے لمحات میں اندلس کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق سوچا کرتا تھا۔ اس کے ایک کمرے میں اندلس اور دوسرے اسلامی ممالک کے نقشے آویزاں تھے۔ ان نقشوں پر مختلف لکیروں کی صورت میں مسلمانوں کے عروج و انحطاط کی داستانیں لکھی ہوئی تھیں۔ سعد اس کمرے میں بیٹھ کر ان صحرا نشینوں کے قافلوں کا تصور کرتا جن کی قوتِ تسخیر کے سامنے دنیا کی وسعتیں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ ان وجوہات پر غور کرتا جن کے باعث مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ ایک قصۂ ماضی بن چکی تھی۔

کبھی کبھی وہ احمد اور حسن کو اپنے پاس بٹھا لیتا اور اندلس کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق تبصرہ شروع کر دیتا۔ غرناطہ میں اس کے بھائیوں کے علاوہ کئی اور نوجوان اس کے ہم خیال بن چکے تھے۔ وہ سب موجودہ صورت حال سے پریشان تھے۔ لیکن ان کے سامنے جدوجہد کا کوئی معین راستہ نہ تھا۔ یہ لوگ کسی نقیب، کسی راہنما اور کسی مشعل بردار کے منتظر تھے۔ سعد سے ایک سال بعد احمد بھی فارغ التحصیل ہوگیا۔ اب وہ اپنا تمام وقت غرناطہ کے مشہور کتب خانوں میں صرف کیا کرتا تھا۔

مامون ذالنون قرطبہ میں چھ ماہ زندہ رہ کر مر گیا۔ ابنِ عکاشہ اس کی زندگی میں ہی تمام اختیارات[1] اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔ طلیطلہ کی حکومت مامون کے بیٹے یحییٰ کے حصے میں آئی جس میں اپنے باپ کی تمام برائیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

قرطبہ میں ابنِ عکاشہ کے مظالم بڑھتے گئے۔ دو سال کے بعد الماس قرطبہ چھوڑ کر سعد کے پاس آگیا اور اس نے بتایا کہ "اب میرا وہاں رہنا ممکن نہ تھا۔ اس سال قرطبہ کی جائداد سے جو آمدنی

---

[1] بعض مورخین کا خیال ہے کہ مامون کی موت ابن عکاشہ کی کسی سازش کا نتیجہ تھی۔

ہوتی ہے۔ ابنِ عکاشہ کے حکام اس سے زیادہ ٹیکس مانگتے ہیں۔ قرطبہ کے عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہوچکا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد کھلی بغاوت کے لیے تیار ہوجائیں گے۔"

اگلے سال حسن بھی فارغ التحصیل ہوگیا۔ اپنے خالو کے تجارتی کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ سواری اور تیر اندازی اس کی سب سے بڑی دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی وہ احمد کے ساتھ کتب خانوں میں بھی چلا جاتا لیکن مطالعے سے اس کی طبیعت جلد ہی اچاٹ ہوجاتی۔

۴۷۱ھ میں قرطبہ میں ایک اور انقلاب آیا۔ معتمد نے قرطبہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی چند ناکام کوششوں کے بعد ایک زبردست فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ شہر کے عوام بھی اس کے طرفدار ہوگئے۔ ابنِ عکاشہ بھاگنے کی کوشش میں مارا گیا اور اشبیلیہ کی فوج قرطبہ پر قابض ہوگئی۔ اہلِ قرطبہ کو ابنِ عکاشہ کے مظالم سے نجات مل گئی لیکن اس کے ساتھ ہی معتمد کی شاہانہ ضیافتوں، درباروں اور شعر و شاعری کی مجلسوں کا نیا دور شروع ہوا۔ رمیکیہ کی عیاشیوں کا ساز و سامان مہیا کرنے والے ٹیکس گزار یہ محسوس کر رہے تھے، کہ انھوں نے ایک وحشی لٹیرے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں ایک مہذب ڈاکو کو اپنے سر پر مسلط کر لیا ہے۔

سعد الماس کو ساتھ لے کر ایک بار پھر قرطبہ گیا۔ لیکن اُسے اپنے باپ کا کوئی سراغ نہ ملا قرطبہ کے نئے گورنر نے اس کی تمام جائداد جسے ابنِ عکاشہ کی حکومت ضبط کرچکی تھی واپس دے دی اور الماس اس کا انتظام اپنے ایک پرانے نوکر کے سپرد کر کے سعد کے ساتھ واپس چلا آیا۔

قرطبہ پر قبضہ کرنے کے بعد معتمد نے مرسیہ کی طرف توجہ کی۔ اس کے وزیر ابنِ عمار نے مرسیہ فتح کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور سرحد کے ایک قلعہ دار ابنِ رشیق اور مرسیہ کے چند اور با اثر اُمراء کو طرح طرح کے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ مرسیہ کے عوام اپنے آرام طلب حکمران سے پہلے ہی نالاں تھے۔ چنانچہ ابنِ عمار نے کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر مرسیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد معتمد نے طلیطلہ میں مامون کے جانشین یحییٰ القادر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وادی الکبیر اور وادی آنہ کے درمیان اس کی سلطنت کے بعض علاقے بھی چھین لیے۔

بعض لوگ جو اندلس میں طوائف الملوکی سے تنگ آچکے تھے معتمد کی کامیابیوں پر خوش تھے لیکن الفانسو معتمد کی بڑھتی ہوئی طاقت کو برداشت نہ کرسکا۔ اس نے معتمد کو لکھا کہ اب تمہاری سلطنت وسیع ہوگئی ہے، اس لیے ہم خراج بھی پہلے کی نسبت دو گنا زیادہ لیں گے۔

معتمد نے الفانسو کو ٹالنے کی کوشش کی تو اس نے اشبیلیہ پر لشکر کشی کر دی۔ اب جو مسلمان معتمد سے نالاں تھے، انھیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اشبیلیہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا جائے۔

اندلس کے مختلف شہروں کے علما اور فقہا نے فتویٰ دیا کہ اشبیلیہ کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بیعہ کا مشہور عالم قاضی ابوالولید علماء کا ایک وفد لے کر مختلف شہروں میں گیا اور اس کی اپیل پر رضاکاروں کی جماعتیں اشبیلیہ پہنچنے لگیں۔ غرناطہ سے قاضی ابوجعفر نے قاضی ابوالولید کی اس تحریک کی حمایت کی۔ انھوں نے غرناطہ کے حکمران پر زور دیا کہ وہ الفانسو کے خلاف اہلِ اشبیلیہ کی حمایت کا اعلان کرے۔ لیکن جب غرناطہ کا حکمران معتمد کے خلاف اپنی پرانی رنجشیں فراموش کرنے کے لیے تیار نہ ہوا تو انھوں نے عوام کی طرف توجہ کی۔

پہلے دن قاضی ابوجعفر نے غرناطہ کی ایک مسجد میں تقریر کی۔ جب وہ حاضرین سے اہلِ اشبیلیہ کی اعانت کی اپیل کر رہے تھے، تو تین نوجوانوں نے اٹھ کر ان کی آواز پر لبیک کہا۔ ان میں سے ایک سعد بن عبدالمنعم اور دو اس کے بھائی تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی پندرہ بیس اور نوجوان اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ چند دن کی انتھک کوششوں کے بعد قاضی ابوجعفر نے قریباً اڑھائی سو رضاکار تیار کر لیے۔ غرناطہ کے حکمران کو یہ بھی گوارا نہ تھا، کہ غرناطہ کا کوئی باشندہ معتمد کی اعانت کے لیے تلوار اٹھائے۔ اس لیے اس نے اپنے حکام کے ذریعہ رضاکاروں کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی۔ لیکن نوجوانوں پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سعد بن عبدالمنعم نے مکتب سے رخصت لینے کی کوشش کی لیکن اس کی درخواست رد کر دی گئی۔ چنانچہ اس نے ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ روانہ ہونے سے پہلے جب ان رضاکاروں کی قیادت کا مسئلہ پیش آیا تو سب کی نگاہیں سعد پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ الماس بھی سعد اور اس کے بھائیوں کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔ لیکن سعد اور

اس کے خالو نے اُسے سمجھا بُجھا کر گھر میں رہنے پر رضا مند کر لیا۔

(۳)

ایک صبح عبدالمنعم کے تینوں بیٹے سپاہیانہ لباس پہنے مکان کے صحن میں ماں کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ تین آئینے تھے جن میں عبدالمنعم کی بیوی اپنے شوہر کے مختلف عکس دیکھ رہی تھی۔ سعد کے چہرے پر عبدالمنعم کا مردانہ وقار تھا۔ احمد اس کی سنجیدگی اور متانت کی تصویر تھا اور حسن کے تیکھے نقوش اور عقابی نگاہوں میں وہ اس کے عزم و استقامت کی جھلک دیکھ رہی تھی۔

مکان سے باہر ایک کشادہ چوک میں جمع ہونے والے رضا کاروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سعد کی خالہ نیم وا دروازے سے باہر جھانک رہی تھی۔

سعد نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "امی وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔"

ماں نے کسی گہرے خیال سے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اور کہا "جاؤ بیٹا خدا تمہیں ہر میدان میں فتح دے!"

ماں دروازے تک ان کے ساتھ آئی۔ جب وہ ماں اور خالہ کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل رہے تھے تو اچانک ماں نے آگے بڑھ کر حسن کو آواز دی۔

حسن نے مڑ کر دیکھا اور کہا "کیا ہے امی؟"

"یہاں آؤ!" ماں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

حسن نے اس کے قریب آ کر دوبارہ سوال کیا "کیا ہے امی جان؟"

"کچھ نہیں بیٹا!" ماں نے اضطراری حالت میں دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

باہر سے احمد کی آواز آئی "حسن! حسن!!"

"آتا ہوں بھائی جان! —— امی جان اجازت دیجیے!"

ماں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا "جاؤ بیٹا، جاؤ!"

حسن باہر نکل گیا، تو اس کی ماں اپنی بہن کے قریب کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی۔ الماس

اور ایک نوکر تینوں گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے اور سعد کا خالو شیخ ابو صالح اور قاضی ابو جعفر شہر کے ان معززین سے باتیں کر رہے تھے جو مجاہدین کو رخصت کرنے کے لیے آئے تھے۔

سعد نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے پہلے الماس اور پھر آگے بڑھ کر خالو اور قاضی ابو جعفر کے ساتھ مصافحہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

احمد اور حسن بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر رضا کاروں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ سعد نے رضا کاروں کی گرد ایک چکر کاٹنے کے بعد کوچ کا حکم دیا۔

جب تک گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دیتی رہی سعد کی ماں دروازے پر کھڑی رہی اور جب یہ آوازیں فضا میں گم ہو کر رہ گئیں تو اس کی بہن نے کہا "سکینہ! تمہیں مغموم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تمہاری فتح کا دن ہے۔ آج اگر عبدالمنعم ان بچوں کو دیکھتا تو وہ یہ سمجھتا کہ اُسے دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے۔ چلو اندر چلیں!"

سکینہ کی بہن اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گئی۔ سعد، احمد اور حسن کے کمروں میں ابھی تک ان کے ہلکے اور میٹھے قہقہے گونج رہے تھے۔

دبی دبی سسکیوں کے ساتھ سعد، احمد اور حسن کا نام پکارنے کے بعد اس نے سجدے میں گر کر دُعا مانگی "اے اللہ! مجھے صبر اور ہمت دے۔"

(۴)

اشبیلیہ کی فوج کی قیادت کے لیے تجربہ کار آدمیوں کی کمی نہ تھی لیکن معتمد اور ملکہ رُمیکیہ کو ابن عمار سے زیادہ کسی اور پر اعتماد نہ تھا چنانچہ کئی با اثر اور سنجیدہ مزاج لوگوں کی مخالفت کے باوجود اشبیلیہ کے حکمران نے ابن عمار کو سپہ سالار بنا دیا۔

ابن عمار شمالی سرحد پر پڑاؤ ڈال کر دادِ عیش دے رہا تھا اور اندلس کے دوسرے مقامات سے رضا کاروں کی ٹولیاں اس کے گرد جمع ہو رہی تھیں۔ پڑاؤ کے درمیان ابن عمار کی قیام گاہ کی آرائش و زیبائش دیکھنے والے یہ محسوس کرتے تھے کہ یہاں کوئی شہنشاہ قیام پذیر ہے۔ وسیع خیموں

میں اس کے لیے سونے بیٹھنے اور کھانے کے کمرے بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھے، روشنی کے لیے کافوری شمعیں اور خوشبو کے لیے مشک اور عنبر استعمال کیا جاتا تھا۔ ہر وقت سینکڑوں آدمی پہرے کے لیے موجود رہتے تھے۔ گویّوں، سازندوں خوشامدی شاعروں اور نقالوں کے علاوہ بہت کم لوگ ایسے تھے جنھیں بلا روک ٹوک ابن عمار کے کیمپ میں آنے جانے کی اجازت تھی۔

جو سپاہی اشبیلیہ سے آئے تھے وہ اس صورت حال سے قطعاً پریشان نہ تھے۔ وہ خندقیں کھودنے یا مورچے بنانے سے زیادہ دن بھر شطرنج کھیلنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ صرف وہ رضاکار پریشان تھے جو یہ سمجھ کر یہاں پہنچے تھے کہ اہلِ اشبیلیہ نصرانی حملہ آوروں کے خلاف جہاد کا علم بلند کرچکے ہیں۔ وہ اشبیلیہ کی فوج کے افسروں سے پوچھتے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم کب تک یہاں بیکار پڑے رہیں گے؟ سپہ سالار کی قیام گاہ میں ان ضیافتوں اور رقص و سرود کی محفلوں کا کیا مطلب ہے؟ اشبیلیہ کے افسر یا تو ان سوالات پر مسکرا دیتے اور یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے کہ تم عنقریب ایک خوشخبری سنو گے۔ کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن خود انہیں بھی معلوم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

ایک دن علی الصباح سعد بن عبدالمنعم پڑاؤ میں داخل ہوا۔ وہ ایک عیسائی راہب کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھی اُسے دیکھتے ہی اس کے گرد جمع ہوگئے۔ غرناطہ کے ایک نوجوان نے کہا۔ "آپ نے بہت دیر لگائی۔ ہم بہت پریشان تھے۔ کہیے کیا خبر لائے؟"

سعد نے جواب دیا۔ "میں سب کچھ دیکھ آیا ہوں۔ الفانسو کا لشکر واقعی چار کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ یہاں سے شام کے وقت اشبیلیہ کی فوج کے جو افسر روانہ ہوئے تھے میں نے انھیں دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہوتے اور کافی دیر کے بعد واپس آتے دیکھا ہے۔ ایک عیسائی راہب کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے الفانسو کے ساتھ ملاقات کی ہے۔"

احمد نے کہا۔ "پرسوں جو لوگ یہاں سپہ سالار سے ملنے کے لیے آئے تھے ان کے متعلق کل میں نے اشبیلیہ کی فوج کے ایک افسر سے پوچھا تھا، وہ یہ کہتا تھا کہ وہ سب قسطلہ کے بڑے بڑے نائٹ ہیں اور ان میں دو الفانسو کے قریبی رشتہ دار تھے۔ میرے خیال میں مصالحانہ گفتگو شروع ہوچکی ہے۔"

سعد نے کہا۔ "میں ان کی تیاریاں دیکھ آیا ہوں، ان سے مصالحت کی توقع کرنا خود فریبی ہے۔"

احمد نے کہا۔ "لیکن اگر یہ شاعر جسے معتمد نے اشبیلیہ کی بربادی کے لیے منتخب کیا ہے خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے تو اُسے کون روک سکتا ہے۔ مجھے اشبیلیہ کے فوجی افسر نے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کچھ ہو رہا ہے۔"

قرطبہ کے ایک رضاکار نے کہا۔ "قسطلہ کے اُمرا جب ابن عمار کی قیام گاہ میں داخل ہو رہے تھے تو میں نے انھیں دیکھا تھا۔ جب وہ ملاقات کے بعد باہر آرہے تھے تو ہر ایک کے گلے میں جواہرات کا ہار پڑا تھا۔ میں نے ان کے ہاتھوں میں تھیلیاں بھی دیکھی تھیں۔ میرے خیال میں ابنِ عمار لڑنے کی بجائے انھیں رشوت دے کر خوش کرنا چاہتا ہے۔"

سعد نے کہا۔ "وہ رشوت لے کر بھی لڑیں گے۔"

حسن جو یہ گفتگو خاموشی کے ساتھ سن رہا تھا، اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "بھائی جان! میں تو جب سے یہاں آیا ہوں یہی محسوس کر رہا ہوں کہ اہلِ اشبیلیہ کسی دسترخوان پر اہلِ قسطلہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابنِ عمار نے الفانسو کے پاس اس کے سوا اور کیا پیغام بھیجا ہوگا کہ آؤ کھانے پینے، گانے اور شطرنج کھیلنے میں ہمارا مقابلہ کرکے دیکھ لو — کاش قاضی ابوجعفر یہاں ہوتے!"

ایک نوجوان بھاگتا ہوا آیا اور اس نے چند قدم دور ہی سے چلانا شروع کردیا۔ "ابنِ عمار کہیں جا رہا ہے۔ میں نے اُسے پالکی پر سوار ہو کر باہر نکلتے دیکھا ہے۔ اشبیلیہ اور قسطلہ کی فوج کے چند افسر اس کے ساتھ جا رہے ہیں۔ دیکھو اس طرف جا رہا ہے وہ!"

نوجوان کی بدحواسی بلاوجہ نہ تھی۔ رضاکاروں میں سے بہت کم ایسے تھے جنھیں ابنِ عمار کا دیدار حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اس کی ضیافتیں اور مجلسیں سنگین پہرے کے اندر ہوا کرتی تھیں۔ آج اس کا کیمپ سے باہر نکلنا ایک نئی بات تھی۔

حسن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بھائی میں تو اس پردہ نشین سپہ سالار کو ضرور دیکھوں گا!"

چند نوجوان ہنستے ہوئے اس کے پیچھے چل دیے۔ سعد احمد اور غرناطہ کے چند اور نوجوان کچھ دیر وہیں کھڑے رہے۔ بالآخر سعد نے کہا: "چلو بھئی ہم بھی اس کے نیاز حاصل کر لیں۔ ایسی صورتیں دیکھنے کا موقع بار بار نہیں ملتا۔"

(۵)

آٹھ قوی ہیکل حبشی اپنے کندھوں پر ابن عمار کی پالکی اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ ایک بیش قیمت قبا اور جواہرات سے مرصع بالشت بھر اونچی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ اشبیلیہ کے چند چیدہ چیدہ فوجی افسر اور قسطلہ کے چار نائٹ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے۔ نقیب سونے کا عصا لیے آگے آگے تھا۔ کہیں کہیں پالکی رک جاتی اور نقیب ارد گرد جمع ہونے والے سپاہیوں سے بلند آواز میں کہتا: "مسلمانو! آج بہت بڑے امتحان کا دن ہے۔ سپہ سالار کی کامیابی کے لیے دعا کرو!"

اور وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے ——— حسن بن عبدالمنعم اپنے ایک ہم عمر رضا کار کے کان میں کہہ رہا تھا: "بے وقوف کہیں کے، یہ سپہ سالار ہے یا دلہن ہے، کاش میں اشبیلیہ جا کر معتمد کے انتخاب کی داد دے سکتا۔"

ابن عمار کا رخ شمال کی طرف تھا اور لوگوں کو یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ جس امتحان میں کامیابی کے لیے دعائیں کی جا رہی تھیں وہ کیسا تھا۔

ابن عمار نے لڑنے کی بجائے حیلہ جوئی سے دشمن کو ٹالنا زیادہ آسان خیال کیا۔ اس نے الفانسو کی فوج کے با اثر افسروں کو گراں قدر انعامات اور رشوتیں دے کر ان کے ساتھ راہ رسم پیدا کی اور پھر ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر تم الفانسو کو جنگ کیے بغیر واپس لوٹ جانے کا مشورہ دو تو میں تمہیں اور بھی بہت کچھ دوں گا۔ قسطلہ کے افسر ابن عمار کی فیاضی سے مرعوب ہو چکے تھے۔ لیکن الفانسو کو جنگ سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر ان کے ذہن میں نہ آئی۔

ابن عمار نے انھیں اپنی قیام گاہ پر بلا کر ایک شطرنج دکھائی جس کے مہرے بیش قیمت ہیروں کو تراش کر بنائے گئے اور ان سے کہا کہ یہ شطرنج دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے

تم الفانسو کے پاس جا کر اس کی بے حد تعریف کرو تا کہ وہ اسے دیکھنے کے لیے بیقرار ہو جائے۔ پھر میں اسے اس شرط پر یہ شطرنج پیش کرنے کے لیے رضامند ہو جاؤں گا کہ وہ پہلے میرے ساتھ ایک بازی کھیلے۔ اگر میں ہار جاؤں تو شطرنج اس کی اور اگر وہ ہار جائے تو وہ میری ایک درخواست قبول کرے گا۔ اگر میں جیت جاؤں تو الفانسو سے یہ کہوں گا کہ وہ اشبیلیہ پر حملہ نہ کرے۔"

الفانسو کے امراء نے واپس جا کر اس کے سامنے شطرنج کی اس قدر تعریف کی کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ تاہم وہ ابن عمار کے ساتھ شرط لگانے سے کتراتا تھا۔ امراء نے اسے سمجھایا کہ آپ شرط لگانے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ اگر ہم جیت گئے تو اس کے بدلے اہل اشبیلیہ سے لڑے بغیر ان کے کئی علاقے چھین لیں گے اور اگر وہ جیت گیا اور اس نے آپ سے کوئی ناجائز مطالبہ کر دیا، تو ہم اس کی بات نہیں مانیں گے۔

بالآخر شطرنج کھیلی گئی۔[1] ابن عمار جیت گیا اور الفانسو نے پوچھا: "اب تم کیا چاہتے ہو؟"

ابن عمار نے جواب دیا: "میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ جنگ کیے بغیر لوٹ جائیں۔"

الفانسو چلّایا: "نہیں ہرگز نہیں، میں نے عہد کیا ہے کہ میں اشبیلیہ فتح کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

"لیکن آپ شرط ہار چکے ہیں اور وعدے سے پھر جانا ایک بادشاہ کی شان کے شایان نہیں۔"

الفانسو نے علیحدگی میں اپنے امراء کے ساتھ مشورہ کیا تو انھوں نے سمجھایا کہ شطرنج میں آپ کا ہار جانا برا شگون ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اس سال جنگ کریں تو آپ کو شکست ہو جائے۔ اشبیلیہ کی مدد کے لیے دوسری سلطنتوں کے بے شمار رضا کار پہنچ رہے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم اگلی بار زیادہ تیاری کے ساتھ حملہ کریں۔ سر دست آپ ابن عمار سے خراج کی ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ کریں۔ قسطلہ کے توہم پرست پادریوں نے بھی امراء کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا کہ شطرنج میں آپ کی ہار ایک برا شگون ہے۔ چنانچہ الفانسو نے مجبور ہو کر لڑائی کا ارادہ تبدیل کر دیا اور ابن عمار نے اس کے بدلے پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

ابن عمار نے الفانسو کے ساتھ شطرنج کی بازی میں فتح حاصل کرنے کے بعد واپس اپنی قیام گاہ

---

[1] اسپین کی مختلف تاریخوں میں ابن عمار اور الفانسو کی شطرنج کی تفصیلات ملتی ہیں۔

میں آیا، تو اشبیلیہ کی فوج فلک شگاف نعروں سے اس کا استقبال کیا۔

رات کے وقت فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ پڑاؤ میں چراغاں کیا گیا۔ ضیافتیں اڑائی گئیں۔ رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ شاعروں نے اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی اور یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ عبدالرحمٰن اعظم کے بعد اگر کوئی فاتح ہوا ہے تو وہ ابنِ عمار ہے اور ابنِ عمار شراب کے نشے میں سچ مچ یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ فاتحین کی صفِ اول میں پاؤں رکھ چکا ہے۔ وہ رضا کار جو جہاد کا عزم لے کر دُور دُور سے آئے تھے انتہائی مایوسی، بے بسی اور ندامت کے آنسوؤں کے ساتھ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔

پچھلے پہر جب رقص و سرود کے ہنگامے کسی حد تک سرد ہو چکے تھے، پڑاؤ کے ایک کونے میں ایک نوجوان سجدے میں سر رکھ کر ہچکیاں لے رہا تھا اور اس کے منہ سے یہ دُعا نکل رہی تھی:

"ربّ العالمین! میری قوم کو تباہی سے بچا، ہمیں ان چند آدمیوں
کے اعمال کی سزا نہ دے جو ملک کے اقتدار پر قابض ہو چکے ہیں——
مولائے کریم! مجھے ہمت دے کہ میں تباہی کے اس گڑھے کو پاٹ
سکوں جسے یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں۔ مجھے جرأت دے
کہ میں ان فرعونوں کے سامنے حق کی آواز بلند کر سکوں!"

یہ نوجوان سعد بن عبدالمنعم تھا۔

اگلے دن جب غرناطہ کے رضاکار کوچ کی تیاری کر رہے تھے تو سعد نے اپنے بھائیوں سے کہا: "تم ان کے ساتھ جاؤ، میں چند دنوں تک آؤں گا۔"

احمد نے پوچھا: "آپ یہاں کیا کریں گے؟"

سعد نے کہا: "میں اپنا آخری فرض پورا کرنے کے لیے اشبیلیہ جا رہا ہوں۔"

احمد نے پوچھا: "آپ معتمد کے پاس جائیں گے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا تاہم میں یہ ارادہ کر چکا ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا!"

"اور میں بھی!" حسن نے کہا۔

غرناطہ کے ایک اور رضاکار الیاس نے کہا: "میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اب ہم واپس جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ اب ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم معتمد کے منہ پر کہیں کہ تمہیں شکست ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں غیرت کی کوئی چنگاری باقی ہو!"

غرناطہ کے تین اور رضاکار سعد کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ سعد نے اپنی ماں کی طرف ایک خط لکھا اور ایک نوجوان کو جو باقی رضاکاروں کے ساتھ واپس جا رہا تھا، یہ خط دیتے ہوئے کہا: "یہ ہمارے گھر دے دینا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ تک غرناطہ پہنچ جائیں گے۔"

ایک سپاہی شاعروں کی دنیا میں

ایک دن ملکہ رمیکیہ معتمد کے ساتھ کشتی پر دریا کی سیر کا لطف اٹھا رہی تھی۔ دریا کے کنارے چند غریب عورتیں اینٹیں بنانے کے لیے پاؤں سے مٹی گوندھ رہی تھیں۔ رمیکیہ کے اشارے پر ملاحوں نے کشتی دریا کے کنارے پر لگا دی۔ ملکہ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر غریب عورتیں پریشان سی ہو کر رہ گئیں۔ رمیکیہ نے ایک شرارت آمیز تبسم کے ساتھ اپنے خاوند کی طرف دیکھا اور مٹھی بھر اشرفیاں کیچڑ کے ڈھیر میں پھینک دیں۔ عورتوں کو رمیکیہ کی اس حرکت پر پہلے تو تعجب ہوا لیکن جب معتمد نے بھی طلائی سکوں کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی تو وہ ہنستی، چیختی اور چلاتی مٹی کے ڈھیر پر ٹوٹ پڑیں۔ سکوں کی تلاش میں ایک دوسری پر گرنے اور آپس میں گتھم گتھا ہونے کے باعث وہ سر سے پاؤں تک کیچڑ میں لت پت ہو چکی تھیں اور رمیکیہ مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ معتمد کو اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھ زیادہ اشرفیاں لے کر نہیں آیا۔

شاہی محل میں زندگی کے چند برس گزارنے کے بعد رمیکیہ نے معتمد سے شکایت کی کہ تم نے مجھے ایک قیدی کی طرح اس محل کی چار دیواری میں بند کر رکھا ہے۔ زندگی کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جو مجھے میسر نہیں۔"

معتمد رمیکیہ کی ایک مسکراہٹ کے لیے خزانے لٹا دینے کا عادی تھا۔ اُسے اس شکایت سے بے حد صدمہ ہوا۔ وہ بولا: "ملکہ تمہاری کونسی ایسی خواہش ہے جسے میں نے پورا نہیں کیا؟"

رمیکیہ نے کہا: "اس وقت میرے دل میں ایک ایسی خواہش ہے جسے تم پورا نہیں کر سکتے"

معتمد نے کہا: "میرا امتحان لے سکتی ہو۔"

"مجھے ان عورتوں کی زندگی پر رشک آتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ مجھے بھی ان کی طرح مٹی گوندھنے کی آزادی ہو۔"

معتمد نے چند دنوں کے اندر اندر محل میں مشک عنبر اور کافور کے ڈھیر لگوا دیے۔ پھر ان اشیاء کو کوٹ کر یک جا کیا گیا اور گلاب کے عرق سے نمی دی گئی۔ جب یہ تیاریاں مکمل ہو گئیں تو رمیکیہ کو بلایا گیا، وہ شہر کی چیدہ چیدہ خواتین اور اپنی سہیلیوں اور خادماؤں کے جلوس میں تشریف لائی اور ننگے پاؤں اس مشک و عنبر اور کافور کی کیچڑ میں کود پڑی، جسے جمع کرنے کے لیے معتمد نے لاکھوں روپے صرف کر دیے تھے۔ طبقۂ اعلیٰ کی بعض سنجیدہ مزاج خواتین کو بھی مجبوراً اس کھیل میں اس کا ساتھ دینا پڑا۔

معتمد اور اس کے چند مخصوص احباب اور شاہی گھرانے کے چند نوجوان ایک طرف کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ شہر کی بعض خواتین شرم و حیا کے باعث اس کھیل میں حصہ لینے سے کتراتی تھیں، لیکن رمیکیہ اور اس کی منچلی سہیلیاں انھیں زبردستی کھینچ کھینچ کر اپنے ساتھ شامل کر رہی تھیں۔ معتمد کے قریب ایک لونڈی موتیوں سے بھرا ہوا سنہری طشت اٹھائے کھڑی تھی۔ اس نے موتیوں کی چند مٹھیاں کیچڑ کے ڈھیر پر پھینک دیں اور بعض عورتوں نے قیمتی موتی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسری کو دھکیلنا اور گرانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں سب ایک دوسری کو گرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے قیمتی لباس کیچڑ میں لت پت ہو چکے تھے۔ شوخ لڑکیاں ایک دوسری کے منہ پر کیچڑ ملنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

میمونہ پہلی بار اپنی سہیلیوں کے اصرار پر شاہی محل میں آئی تھی۔ اُسے صرف یہ بتایا گیا تھا کہ رمیکیہ نے شہر کے تمام بڑے بڑے حکام اور معززین کی بہو بیٹیوں کو کھانے کی دعوت دی ہے۔ لیکن یہ تماشا اُس کی توقع سے بہت زیادہ تھا۔ زندہ دلی میں وہ اپنی عمر کی کسی لڑکی سے کم نہ تھی۔ لیکن مردوں کی موجودگی میں اس کے لیے ایک تماشائی کی حیثیت میں وہاں کھڑا رہنا بھی صبر آزما تھا۔ جب یہ کھیل شروع ہوا تو وہ کشادہ صحن سے ایک طرف ہٹ کر ایک برآمدے کے ستون کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اچانک اس نے محسوس کیا، کہ قریب ہی ایک نوجوان کھڑا اُسے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور خواتین کے اس گروہ کے پاس جا کھڑی ہوئی جو ابھی تک کیچڑ میں کودنے سے پس و پیش کر رہی تھیں۔ جب رمیکیہ اور اس کی سہیلیاں ان کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگیں تو میمونہ نے دوسری سمت ایک اور ستون کی پناہ لینے کی

کوشش کی لیکن تھوڑی دیر میں وہی نوجوان پیچھے سے اس کے قریب آکر بولا۔ "دیکھیے اگر آپ کو یہ کھیل پسند نہیں تو چلیے میں آپ کو باغ کی سیر کراتا ہوں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

میمونہ نے مڑ کر دیکھا اور غصے سے ہونٹ کاٹتی ہوئی دوبارہ عورتوں کے ہجوم کے پاس آگئی۔ ایک چنچل لڑکی نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے نقاب نوچ کر ایک طرف پھینک دیا۔ دوسری نے اسے بازو سے پکڑ کر کیچڑ کے ڈھیر کی طرف کھینچنے کی کوشش کی لیکن میمونہ نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا۔ اس کی ایک سہیلی "میمونہ! میمونہ!" کہتی ہوئی آگے بڑھی، لیکن میمونہ نے غصے کی حالت میں اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا اور وہ کیچڑ کے ڈھیر میں پیٹھ کے بل گر پڑی۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ایک اور لڑکی نے اس کے سر اور منہ پر کیچڑ تھوپ دیا۔ قہقہوں اور مسرت کی چیخوں کے درمیان کسی کو کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ معتمد بدستور ایک طرف کھڑا موتیوں کی مٹھیاں بھر بھر کر پھینک رہا تھا۔ میمونہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی۔ کچھ دیر محل کی بھول بھلیوں میں اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا۔ ایک برآمدے کے کونے پر اسے خواجہ سرا نظر آیا۔ وہ آگے بڑھ کر اس سے باہر نکلنے کا راستہ پوچھ رہی تھی کہ اچانک ایک طرف سے وہی نوجوان نمودار ہوا جس نے تھوڑی دیر پہلے باغ میں سیر کی دعوت دی تھی۔ اس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا "چلیے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آتا ہوں!"

میمونہ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور وہ کچھ کہے بغیر ایک طرف چل پڑی۔ بدحواسی کی حالت میں سنگِ مرمر کی سلوں پر سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود وہ گر پڑی۔ نوجوان آگے بڑھا اور اس نے میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے کے لیے سہارا دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟"

میمونہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا "مجھے معلوم نہ تھا کہ قرطبہ کا شاہی محل بھی تم جیسے بے حیا لوگوں کی دسترس سے محفوظ نہیں۔"

خواجہ سرا نے آگے بڑھ کر کہا "آپ شہزادہ رشید کے ساتھ گستاخی سے پیش آرہی ہیں!"

نوجوان نے خواجہ سرا کو ڈانٹا "تم خاموش رہو!"

میمونہ اٹھتے ہی تیزی سے آگے بڑھی۔ چند قدم چلنے کے بعد اسے نیچے اترنے کے لیے سیڑھیاں

دکھائی دیں۔ ابھی اس نے نصف سیڑھیاں طے کی تھیں کہ شہزادہ رشید تیزی سے اس سے آگے نکل گیا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ سیڑھیاں کافی کشادہ تھیں۔ میمونہ نے کترا کر دوسری طرف سے گزرنے کی کوشش کی لیکن رشید نے پھر اس کا راستہ روک لیا۔ میمونہ نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ میرا مطلب ہے آپ کا نام کیا ہے۔ آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں اور کسی کو ایک ہی نگاہ میں گھائل کر دینے کے انداز آپ نے کہاں سے سیکھے ہیں اور ہم سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ آپ کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا ہے؟"

میمونہ نے جواب دیا "میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور تمہارے تمام سوالات کا میرے پاس ایک ہی جواب ہے۔"

"فرمائیے!"

میمونہ نے پوری قوت کے ساتھ اس کے منہ پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا "یہ!"

شہزادہ رشید غصے، ندامت اور پریشانی کی حالت میں کھڑا اپنا گال سہلا رہا تھا اور میمونہ سیڑھیوں سے نیچے اتر کر دروازے کا رخ کر رہی تھی۔

دروازے سے نکلتے ہی میمونہ نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے آرہا ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ یہ خواجہ سرا تھا۔ راستے میں لوگوں کی نظر سے بچنے کے لیے میمونہ نے اپنی رفتار کم کر دی۔ خواجہ سرا نے قریب پہنچ کر کہا "اشبیلیہ میں شاید ہی کوئی لڑکی تم جیسی نادان ہو گی۔ تمہیں معلوم نہیں وہ شہزادہ رشید ہے۔ اشبیلیہ میں صرف تم ہی ایسی لڑکی ہو کہ وہ تھپڑ کھا کر مسکرا رہا تھا۔ ٹھہرو! میری بات سنو، نادان نہ بنو۔ تمہیں اس پر خفا ہونے کی بجائے اپنی فتح پر ناز کرنا چاہیے۔ تمہیں اس نوجوان نے پسند کیا ہے جس پر اشبیلیہ کی ہزاروں لڑکیاں فدا ہیں۔ تم ایسے شخص کو اپنا دشمن بنانے کی غلطی نہ کرو جس کی ایک نگاہ تمہیں اندلس کی معزز ترین عورتوں کی صف میں کھڑا کر سکتی ہے۔ اس کی دشمنی مول لو گی تو تم اپنے خاندان کے لیے برا کرو گی۔"

میمونہ محسوس کر رہی تھی کہ کوئی اس کے سر پر ابلتا ہوا پانی ڈال رہا ہے۔ تاہم اس نے ضبط سے کام لیا۔ خواجہ سرا بکتا رہا اور میمونہ کی رفتار غیر شعوری طور پر تیز ہوتی گئی۔ اپنی بھاری

توند کے باعث خواجہ سرا کے لیے اس کی رفتار کا ساتھ دینا مشکل تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا، یہاں تک کہ اس کے لیے بات کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

مکان تک پہنچتے پہنچتے میمونہ خواجہ سرا سے کوئی پچاس قدم آگے نکل چکی تھی۔ مکان میں داخل ہوتے ہی میمونہ بھاگ کر ایک کمرے سے کمان اور ترکش اُٹھا لائی اور ڈیوڑھی کے نیم وا دروازے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ خواجہ سرا دروازے سے چند قدم دور کھڑا ایک لڑکے سے پوچھ رہا تھا: "یہ کس کا مکان ہے؟"

"ادریس کا۔"

"وہ کون ہے؟"

"تم نہیں جانتے۔ وہ دار الضرب کے ناظم ہیں۔"

اچانک میمونہ کی کمان سے ایک تیر نکلا اور خواجہ سرا کی کلاہ سر سے گر پڑی۔ وہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا، ایک اور تیر آیا اور اس کے پاؤں کے قریب زمین میں دھنس گیا۔ ایک اور تیر اس کی ران کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ خواجہ سرا الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا تھا اور تیر اس کے دائیں بائیں اور سامنے گر رہے تھے۔ وہ چلا رہا تھا: "دیکھو دیکھو ایسا مذاق ٹھیک نہیں!"

ایک نوعمر لڑکا اس کی بدحواسی پر ہنس رہا تھا اور میمونہ کے دو نوکر بھی سڑک پر آکر قہقہے لگا رہے تھے۔ ایک بوڑھا نوکر ڈیوڑھی میں میمونہ کے پاس کھڑا کہہ رہا تھا: "بیٹی! احتیاط سے۔ یہ شاہی محل کا خواجہ سرا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں اسے زخمی نہ کر دینا!"

لڑکے نے خواجہ سرا کی کلاہ زمین پر سے اٹھائی اور اس سے تیر نکال کر جھاڑتے ہوئے پھر خواجہ سرا کے سر پر رکھ دی۔ پھر ایک تیر آیا اور کلاہ پھر چند قدم دور جا گری۔ خواجہ سرا منہ پھیر کر پوری قوت سے بھاگنے لگا۔ اچانک اس کا پاؤں الجھا اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

رات کے وقت وہ محل میں شہزادہ رشید کو سمجھا رہا تھا: "حضور! اگر اس لڑکی کے ساتھ عشق کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ساری عمر اپنے جسم پر آہنی خول پہننا پڑے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی اس کا نشانہ ٹھیک نہیں ورنہ میں چھلنی ہو گیا ہوتا۔"

(۲)

میمونہ اپنے مکان کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں دریا کی طرف کھلنے والے دریچے کے سامنے کھڑی شام کی خوشگوار ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ بہار کے دن تھے اور دریا کے کناروں پر اشبیلیہ کے امیر طبقوں کے بے فکر لوگوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی کشتیاں جن پر زیادہ تر اشبیلیہ کے امیر طبقے کے لوگ سوار تھے اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں بعض کشتیوں سے شام کے میٹھے اور دلکش راگ سنائی دے رہے تھے۔ شعر و سخن کے دلدادہ لوگوں نے کنارے کے باغات میں پھولوں کی کیاریوں کے آس پاس اپنی محفلیں جما رکھی تھیں۔ گویوں اور شاعروں کے علاوہ مسخرے، بازی گر اور مداری بھی لوگوں کو اپنے اپنے کمالات دکھا رہے تھے۔

غروبِ آفتاب کے بعد میمونہ ساتھ والے کمرے میں جا کر نماز مغرب کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز کے بعد وہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی، کہ نیچے مکان کے صحن میں اسے چند لڑکیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ میمونہ دُعا ختم کرنے کے بعد برآمدے میں آکر نیچے جھانکنے لگی۔ اس کی چار سہیلیاں خادمہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ ایک لڑکی میمونہ کو دیکھتے ہی چلائی: "میمونہ آؤ نا! دیر ہو رہی ہے، ابھی تم نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا!"

دوسری لڑکی نے کہا: "نہیں نہیں، میمونہ کو لباس تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھو وہ اس سیدھے سادے لباس میں بھی ایک ملکہ معلوم ہوتی ہے۔" تمام لڑکیوں کی نگاہیں میمونہ کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور وہ اپنے گالوں پر ایک خوشگوار حرارت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ایک ثانیہ توقف کے بعد وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور نیچے اترنے لگی۔

ایک لڑکی نے کہا: "ہمارا خیال تھا کہ تم جا چکی ہو گی۔ اچھا اب تیاری کرو!"

"کہاں؟" میمونہ نے بے اعتنائی سے کہا۔

دوسری لڑکی نے کہا: "قربان جاؤں اس بے نیازی پر۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ سلطانہ زینب خود آپ کو لینے کے لیے آئیں گی؟"

"میں نے کب کہا ہے کہ ملکہ رمیکیہ مجھے لینے آئے!"

"اچھا اب تیاری کرو، دیر ہو رہی ہے۔ آؤ میں تمہارے بال سنوار دوں۔" یہ کہتے ہوئے ایک دراز قامت لڑکی نے اس کا بازو پکڑ لیا اور نچلی منزل کے ایک کمرے کی طرف دھکیلنے لگی۔

میمونہ نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی۔"

"تم نہیں جاؤ گی؟" چند لڑکیوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"نہیں!"

"کیوں؟"

"میری مرضی!"

پہلی لڑکی نے کہا۔ "تم سلطانہ رمیکیہ کی دعوت ٹھکرا دو گی؟"

میمونہ نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کیا سلطانہ رمیکیہ کی دعوتوں میں شریک ہونا بھی ارکانِ دین میں شامل ہو چکا ہے؟"

دراز قامت لڑکی نے کہا۔ "دیکھو میمونہ، اگر تمہاری مرضی نہیں تو ہم تمہیں مجبور نہیں کر سکتیں۔ لیکن تمہارے لیے یہ ٹھیک نہیں کہ تم خواہ مخواہ سلطانہ سے الجھنے کی کوشش کرو۔ اگر اسے یہ احساس ہو گیا کہ تم عمداً ان کی دعوت میں شریک نہیں ہوئیں تو وہ اُسے گستاخی سمجھیں گی۔ اور یہ بات شاید تمہارے بھائی کے لیے اچھی نہ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے ہفتے اشبیلیہ کی ایک مسجد کے خطیب کو صرف اس لیے شہر بدر کر دیا گیا ہے، اس نے مجمع کو عام تقریر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ سلطانہ رمیکیہ اشبیلیہ کی خواتین کو بے حیائی کی تبلیغ کر رہی ہیں۔"

میمونہ نے قدرے برہم ہو کر جواب دیا۔ "آپ میرے بھائی کی فکر نہ کریں۔ جلاوطنی ان کے لیے نئی بات نہیں۔ وہ ملکہ رمیکیہ کی بجائے خدا کی خوشنودی حاصل کرنا پسند کریں گے۔"

میمونہ کی ایک اور سہیلی نے کہا۔ "بہت اچھا ہم آپ کو مجبور نہیں کرتیں لیکن یہ بہتر ہو گا کہ اگر ملکہ آپ کو بلا کر اس غیر حاضری کی وجہ پوچھیں تو آپ ان کے ساتھ بحث میں اُلجھنے

کی بجائے کوئی عذر پیش کر دیں۔"

"تم مطمئن رہو۔ میں اُسے جواب دے سکوں گی۔"

لڑکیاں ایک دوسری کے ساتھ کانا پھوسی کرتی ہوئی مکان سے باہر نکل گئیں۔ سڑک پر ان کی بگھی کھڑی تھی۔ جب وہ بگھی پر سوار ہو گئیں تو ایک لڑکی نے سرگوشی کے انداز میں کہا "مجھے معلوم تھا کہ میمونہ جشن میں حصہ نہیں لے گی۔"

دوسری لڑکی نے سوال کیا۔ "آخر اس کی وجہ؟"

"تم نہیں جانتیں۔ بات یہ ہے کہ شہزادہ رشید میمونہ کے ساتھ شادی کرنے پر بضد ہے۔"

"اگر میمونہ شہزادہ رشید کو ٹھکرا رہی ہے تو اس کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔"

"نہیں دماغ نہیں خراب ہوا۔ بات یہ ہے کہ میمونہ کو اپنے حُسن کی قوتِ تسخیر کا احساس ہو چکا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وہ جس قدر پیچھے ہٹے گی اس قدر شہزادہ رشید کی بیقراری میں اضافہ ہو گا۔"

بالآخر ایک لڑکی نے کہا۔ "تم سب رائی کا پہاڑ بنانا چاہتی ہو۔ میں میمونہ کو جانتی ہوں رمیکیہ کا بیٹا اگر آدھی دنیا پر حکمران ہو تو بھی وہ اُسے قابلِ توجہ نہیں سمجھے گی۔ تم جانتی ہو کہ جب سے اس کی ماں فوت ہوئی ہے، وہ کسی محفل میں شریک نہیں ہوتی۔ وہ صرف ایک بار رمیکیہ کی دعوت میں شریک ہوئی تھی اور وہاں جو کچھ اس نے دیکھا تھا، وہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا خصوصاً شہزادہ رشید کی حرکات سے وہ بہت پریشان ہوئی تھی۔"

دراز قامت لڑکی جو میمونہ کے انکار پر بہت خفا معلوم ہوتی تھی، بولی۔ "تم میں سے کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ میمونہ اور رشید کا معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ کسی دن تم اچانک یہ سنو گی کہ میمونہ شاہی محل میں پہنچ چکی ہے۔ میرا بھائی......!"

وہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی اور دوسری لڑکیاں اصرار کرنے لگیں۔ "ہاں ہاں کہو نا۔ خاموش کیوں ہو گئیں!"

"کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ شہزادہ رشید میرے بھائی کا دوست ہے اور وہ اپنا

Scanned by iqbalmt

کوئی بھید اس سے نہیں چھپاتا۔"

"اور تمہارے بھائی نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ میمونہ کے متعلق شہزادہ رشید کے عزائم کیا ہیں؟"

دراز قامت لڑکی نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔ "بھائی جان نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن ان کی بعض باتوں سے میرا اندازہ ہے کہ شہزادہ رشید میمونہ کو اپنے دل میں جگہ دے چکا ہے۔"

"یہ کون سی نئی بات بتائی تم نے۔ شہزادہ رشید کے متعلق کون نہیں جانتا کہ وہ لڑکیوں کے معاملے میں اپنے دادا کی روایات پر عمل کرے گا۔"

دراز قامت لڑکی نے بگڑ کر کہا۔ "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم شاہی گھرانے کو موضوع بحث نہ بنائیں۔"

اس کے جواب میں دوسری لڑکی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے قریب بیٹھنے والی لڑکی نے اس کے بازو پر چٹکی لی اور وہ خاموش ہو گئی۔

(۳)

ان لڑکیوں کو رخصت کرنے کے بعد میمونہ نے ایک کمرے کے اندر جا کر الماری سے ایک کتاب نکالی اور شمع دان کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ برآمدے سے نوکرانی نے آواز دی۔

"کھانا لے آؤں؟"

"نہیں۔ میں بھائی جان کا انتظار کروں گی۔" یہ کہہ کر میمونہ اٹھی اور وضو کرنے کے بعد عشاء کی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے دوبارہ کتاب اٹھالی۔ تھوڑی دیر بعد ادریس بھی آ گیا اور اس نے صحن میں داخل ہوتے ہی خادمہ سے سوال کیا۔ "میمونہ کہاں ہے؟"

"میں یہاں ہوں بھائی جان!" میمونہ نے جلدی سے برآمدے کے دروازے میں آ کر کہا۔

ادریس آہستہ آہستہ پاؤں اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ اور پریشانی کے آثار تھے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے بھائی جان؟" میمونہ نے قدرے فکرمند سی ہو کر سوال کیا۔ ادریس نے اپنے چہرے پر مغموم سی مسکراہٹ لاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا "میں....

میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم نے کھانا نہیں کھایا؟"

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ کھانے کے لیے میرا انتظار نہ کیا کرو۔"

"لیکن آج تو آپ نے دیر نہیں لگائی۔ میں ابھی نماز سے فارغ ہوئی ہوں۔"

ادریس نے محسوس کیا کہ پریشانی میں اُسے وقت کا اندازہ بھی نہیں رہا۔ تھوڑی دیر بعد بھائی اور بہن دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ ادریس شاہی محل میں جشن کی تیاریوں کا ذکر کر رہا تھا۔ اچانک اس نے میمونہ سے سوال کیا۔ "میمونہ! تمہیں کوئی بلانے تو نہیں آیا؟"

میمونہ نے جواب دیا۔ "ابھی تھوڑی دیر ہوئی زیاد کی بہن اور اس کے ساتھ چند اور لڑکیاں آئی تھیں۔ لیکن میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔"

ادریس تھوڑی دیر خاموش رہا اور میمونہ اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتی رہی۔ اچانک ادریس نے کہا۔ "تم کھانا نہیں کھاتیں؟"

"بھائی جان! مجھے بھوک نہیں۔"

ادریس نے کہا۔ "میمونہ آج دوپہر کے وقت شہزادہ رشید ملا تھا اور اس کے بعد میں سارا دن پریشان رہا ہوں۔ ایک بھائی کے لیے اس سے زیادہ پریشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ......" یہاں تک کہہ کر ادریس کی آواز بیٹھ گئی۔ اب دسترخوان کی طرف کسی کی بھی توجہ نہ تھی دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

میمونہ نے کہا۔ "بھائی جان! ہم دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے اور باپ کی غیرت بھی ہم دونوں کے حصے یکساں آئی ہے۔ آپ کی بہن پوچھتی ہے کہ اُس نے آپ سے کیا کہا اور آپ نے کیا جواب دیا؟"

"جواب صرف تم دے سکتی ہو میمونہ! اس نے تمہارے ساتھ شادی کی درخواست کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے سلطانہ رمیکیہ کو منا لیا ہے اور وہ اس جشن کے ایام میں سلطان کو رضامند

کرلیں گی۔ اب تم بتاؤ، میں اُسے کیا جواب دوں؟"

میمونہ کا چہرہ غصّے سے تمتما اٹھا۔ وہ ایک ثانیہ کےلیے بھائی کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اٹھ کر تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی ـــ ادریس نے جلدی سے پانی کے چند گھونٹ پیے اور اُٹھ کر "میمونہ! میمونہ!!" کہتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوا، وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپائے کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ ادریس نے اس کے قریب جاکر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میمونہ! میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رشید تمہاری طرف کب اور کیسے متوجہ ہوا۔ اگر کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے اُسے آج میرے ساتھ ہمکلام ہونے کی جراٴت دلائی ہے۔ تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا ـــ؟"

میمونہ نے مڑکر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بولی "میرا قصور یہ ہے کہ میں اپنی سہیلیوں کے اصرار پر رمیکیہ کی محفل میں شریک ہوئی تھی۔ میرا قصور یہ تھا کہ جب اس نے بے حیائی کا مظاہرہ کیا تھا تو میں نے احتجاج کیا تھا اور وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ پھر جب محل کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس نے میرا تعاقب کیا تھا تو میں نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کردیا تھا۔ اس کے بعد میرا قصور یہ تھا کہ جب اس نے میرے پاس ذلیل قسم کے خطوط بھیجنے شروع کیے تو میں نے انھیں پڑھے بغیر جلا دینا کافی سمجھا اور اپنے بھائی کو بتانے کی جراٴت نہ کی۔ اسلیے کہ مجھے انتقامی جذبات کی تسکین سے زیادہ اپنے بھائی کی زندگی عزیز تھی اور میرا خیال تھا، کہ میری خاموشی سے اس کا حوصلہ پست ہوجائے گا اور وہ میرا پیچھا چھوڑدے گا۔ زیادکی بہن مجھے ڈرایا کرتی تھی کہ اگر تم نے یہ راز فاش کیا تو تمہارے بھائی کے لیے بُرا ہوگا۔"

"اور تمہارے بھائی کا قصور یہ ہے کہ اُس نے آج اُس کے منہ پر طمانچہ نہیں مارا۔ تمہارا بھائی تم سے معافی مانگتا ہے۔ میمونہ مجھے تم پر فخر ہے!" ادریس نے میمونہ کا سر اپنے سینے سے لگاکر رومال کے ساتھ آنسو پونچھنے کے بعد اُسے ایک کرسی پر بٹھادیا اور اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میمونہ تمہارے پاس رشید کے خطوط زیاد کی بہن لایا کرتی تھی؟"

"ہاں"

"تو بھائی اور بہن کے سامنے ایک ہی مہم ہے۔ ابھی جب میں آرہا تھا، تو راستے میں مجھے زیاد نے روک لیا۔ بڑا ذلیل آدمی ہے۔ وہ مکان کے دروازے تک میرے ساتھ آیا اور سارا راستہ رشید کی وکالت کرتا رہا۔"

میمونہ نے کہا۔ "بھائی جان میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی جگہ بھیج دیں جہاں انسانوں کی حکومت ہو؟"

ادریس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "اندلس سے انسانوں کی حکومت ختم ہوچکی ہے۔ پھر بھی میں سوچ رہا ہوں .... شاید غرناطہ کے حالات یہاں سے بہتر ہوں۔ میں سعد کے متعلق معلوم کروں گا۔ ممکن ہے وہ ابھی تک وہیں ہو اور اس کی کوششوں سے مجھے غرناطہ میں کوئی ملازمت مل جائے۔"

سعد اور غرناطہ کا نام سن کر میمونہ کے دل میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر ایک مبہم سی تصویر ماضی کے دھندلکوں سے نکل کر اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ سعد کی تصویر ـــ جو اس کے خیالوں کی دنیا میں بڑھنے پھولنے اور پنپنے کے بعد اب کچھ عرصے سے یہ کہہ رہا تھا۔ "میمونہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری حیا اور غیرت کی حفاظت کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ تعمیر کررہا ہو ـــ!"

ادریس نے کہا۔ "میمونہ تمہیں معلوم ہے کہ رمیکیہ اور اس کا بیٹا اچانک تمہاری طرف متوجہ کیوں ہوئے ہیں؟ ... بات یہ ہے کہ انھوں نے عریانی اور بے حیائی کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے اور وہ دوسروں کی حیا اور شرافت کو اپنے لیے باعث تذلیل خیال کرتے ہیں۔ رمیکیہ یہ سمجھتی ہے کہ اشبیلیہ کی ہر شریف اور پاکباز عورت اس کا تمسخر اڑا رہی ہے۔ اس لیے وہ ہر ایک کے چہرے سے شرم و حیا کا نقاب نوچنا اپنا فرض سمجھتی ہے ..... اور یہی حال اُس کے بیٹوں کا ہے۔ اب معتمد کے دربار میں عزت اور اقتدار کی کرسیاں آہستہ آہستہ ان لوگوں کے

لیے وقف ہو رہی ہیں، جو بے غیرتی اور بے حیائی میں نام پیدا کر چکے ہیں اب ہمیں کوئی اور جائے پناہ تلاش کرنی پڑے گی۔"

میمونہ نے کہا۔ "بھائی جان مجھے یقین ہے کہ غرناطہ کے حالات اشبیلیہ سے بہتر ہوں گے۔ ورنہ ہمیں قرطبہ چلے جانا چاہیے۔ وہاں ہم اجنبی نہیں ہوں گے۔"

ادریس نے کہا۔ "کچھ عرصے تک قرطبہ کی حالت شاید اشبیلیہ سے بھی بدتر ہو جائے۔ رشید وہاں کا گورنر بن کر جانے والا ہے۔"

(۴)

خادمہ نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "صحن میں نوکر کھڑا ہے۔ شاید باہر آپ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔"

ادریس نے نوکر کو آواز دے کر بلایا اور اس نے دروازے کے قریب آ کر کہا "غرناطہ سے آپ کے دوست آئے ہیں۔ میں نے انھیں دیوان خانے میں بٹھا دیا ہے۔"

ادریس نے فوراً باہر آ کر نوکر سے سوال کیا۔ "تم نے ان کا نام پوچھا؟"

"جی ہاں! لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرے متعلق صرف اتنا کہہ دو کہ میں غرناطہ سے آیا ہوں۔"

میمونہ ایک لمحے کے لیے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر وہ اٹھی اور جلدی سے صحن میں آ گئی .... غرناطہ سے کون آیا ہے؟ اس کے دل کی دھڑکنیں اس سوال کا جواب دے رہی تھیں۔ وہ اپنی زندگی کے پُرسکون سمندر میں ایک طوفان محسوس کر رہی تھی اور ایک بے پایاں مسرت سے اس کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ صحن میں کھڑی ہو کر وہ تھوڑی دیر کے لیے آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھتی رہی۔ ان کی خاموش مسکراہٹیں قہقہوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ "سعد! سعد!" اس نے اپنے دل میں کہا۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم ......؟" اور زندگی کے کئی معصوم، دلکش اور حسین نقوش ماضی کے دھندلکوں سے نکل کر اس کے گرد رقص کرنے لگے۔ سعد کا نام ایک مضراب تھا۔ جس نے زندگی کے خاموش تاروں کو چھیڑ کر نغموں کی ایک نئی دنیا بیدار کر دی تھی۔

میمونہ صحن عبور کرنے کے بعد دیوان خانے کے ایک کمرے کے نیم وا دروازے کے ساتھ لگ کر اندر جھانک رہی تھی۔ اب اس کا بھائی ایک آدمی سے بغل گیر ہو رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو بھینچ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر سوالات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ اجنبی کا چہرہ دوسری طرف تھا اس لیے میمونہ اُسے پہلی نگاہ میں اچھی طرح نہ دیکھ سکی۔ اچانک ادریس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اپنے دونوں ہاتھ سعد کے کندھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی صورت تو دیکھ لینے دو!"

اب میمونہ بھی اُسے اچھی طرح دیکھ سکتی تھی ــــــ سعد! اس کے بچپن کا سعد اب مردانہ حُسن و وقار کا ایک پیکر بن چکا تھا۔ میمونہ کے دل کی دھڑکنیں سرگوشیوں میں کہہ رہی تھیں۔ "تم وہی ہو ــــ تم میرے ہو۔ تم میرے لیے آئے ہو۔" میمونہ نے خود فراموشی کی حالت میں اپنا ایک پاؤں دہلیز پر رکھ دیا۔ جذبات کے طوفان کی ایک سرکش لہر اُسے دھکیل کر کمرے کے اندر لے جانا چاہتی تھی لیکن اچانک اس نے ایک جُھرجُھری لی اور ایک طرف ہٹ کر چوکھٹ کے ساتھ سر لگا کر کھڑی ہو گئی۔ "سعد ــــ! سعد! مجھے معلوم تھا تم آؤ گے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ زندگی کے حسین چہرے سے وقت کی آندھیوں کا غبار دُھل رہا تھا۔

ہوا کا ایک جھونکا آیا اور دونوں کواڑ کھل گئے...... وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی لیکن ادریس نے اسے دیکھ لیا اور وہ چلا اٹھا۔ "میمونہ سعد آیا ہے ــــ!"

لیکن اب طوفان کے جھونکوں کا رُخ بدل چکا تھا۔ میمونہ بے تحاشا بھاگ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر وہ کُرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر اچانک اٹھی اور دیوار کے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "پگلی کہیں کی!" اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے کہا۔ بے قراری کی حالت میں کمرے کے دو تین چکر کاٹنے کے بعد وہ پھر باہر نکلی اور برآمدے کے ایک کونے سے زینے پر بھاگتی ہوئی بالائی منزل کی چھت پر جا پہنچی، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور ستارے اُسے آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ دریا کی طرف سے کسی ماہی گیر کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میمونہ یہ گیت کئی بار سن چکی تھی لیکن آج وہ پہلی

رتبہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس قسم کے ہزاروں گیت اس کے دل میں کروٹیں لے رہے ہیں

خادمہ نے زینے پر سے آواز دے کر پوچھا۔ "مہمان کے لیے کھانا تیار کروں؟"

"ہاں ہاں!" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جلدی کرو۔ لیکن نہیں میں خود آتی ہوں۔ میں خود کھانا تیار کروں گی!"

دیوان خانے میں ادریس اور سعد اب قدرے اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ اپنے متعلق ادریس کے چند سوالات کا جواب دینے کے بعد سعد نے کہا۔ "تمہاری امی جان کیسی ہیں؟ پہلے انھیں میرا اسلام پہنچا دو، پھر باتیں کریں گے"

"امی جان تو پچھلے سال فوت ہو گئیں"۔ ادریس نے قدرے مغموم لہجے میں کہا۔

سعد اظہار افسوس کے لیے موزوں الفاظ سوچ رہا تھا کہ ادریس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لیے کھانے کا انتظام کر آؤں؟"

"نہیں کھانا میں نے سرائے میں کھا لیا تھا۔"

"کب پہنچے تم یہاں؟"

"ہم شام سے تھوڑی دیر پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔ مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ آپ یہاں ہوں گے میرا خیال تھا کہ آپ قرطبہ چلے گئے ہوں گے۔ لیکن خوش قسمتی سے سرائے کے نزدیک ایک مسجد کا خطیب آپ کو جانتا تھا اور اس نے ایک آدمی کے ساتھ مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ احمد اور حسن بھی میرے ساتھ ہیں۔ لیکن وہ بہت تھکے ہوئے ہیں، اس لیے میں انھیں وہیں چھوڑ آیا ہوں"

ادریس نے کمرے سے نکل کر ایک نوکر کو آواز دی اور کہا۔ "تم فوراً میری بگھی تیار کرو!" اور پھر دوبارہ کمرے میں آکر سعد کی طرف متوجہ ہوا۔ "میں خود احمد اور حسن کو لے کر آتا ہوں اگر تمہیں نیند آ رہی ہے تو اطمینان سے سو جاؤ۔ میں تمہارا بستر بچھوائے دیتا ہوں۔"

سعد نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "ادریس تم بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ چند باتیں کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ میرے ساتھ چند اور نوجوان بھی ہیں اور میں

انہی کے پاس رہنا مناسب سمجھتا ہوں۔"

ادریس نے کہا۔ "کیا کہہ رہے ہو تم — کیا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ میرے یہاں ہوتے ہوئے کسی سرائے میں ٹھہرو۔ تمہارے ساتھ اگر پچاس آدمی بھی ہوں تو میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ وہ سرائے میں رہیں۔ ہمارا سارا مکان خالی پڑا ہے۔"

سعد نے کہا۔ "سر دست ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ ہم ایک مقصد سے اشبیلیہ آئے ہیں۔ میری بات تو سنو!"

ادریس نے قدرے مایوس ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم بہت ضدی ہو، اچھا کہو کیا کہتے ہو؟"

سعد نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ ابنِ عمار نے نہ صرف معتمد کو دھوکا دیا ہے۔ بلکہ سارے اندلس کے مسلمانوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ وہ پانچ ہزار رضاکار جو مختلف شہروں سے کفر و اسلام کی جنگ میں حصہ لینے کی نیت سے آئے تھے، یہ تلخ احساس لے کر واپس گئے ہیں کہ اب اندلس میں مسلمانوں کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اگر الفانسو کے ساتھ جنگ چھڑ جاتی تو مجھے یقین تھا کہ چند دنوں کے اندر اندر ان رضاکاروں کی تعداد دس گنا زیادہ ہو جاتی اور اندلس کی رائے عامہ ہر حکمران کو معتمد کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیتی۔ میں معتمد سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں اُسے یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں ۔۔۔۔ کہ ابنِ عمار نے جس دشمن کو رشوت دے کر رخصت کیا ہے وہ دوسری بار زیادہ تیاریوں کے ساتھ واپس آئے گا۔ دوسری بار بھی اگر اہلِ اشبیلیہ نے اسی طریق کار پر عمل کیا تو وہ پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ خراج اور رشوت مانگے گا۔ اس طرح معتمد کو اشبیلیہ کی آزادی کے ہر سانس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہاں تک کہ اشبیلیہ کے خزانے میں ایک کوڑی تک باقی نہ رہے گی۔ ابھی یہ حالت ہے کہ ابنِ عمار نے پانچ سو بہترین گھوڑے اُن کے حوالے کر دیے ہیں۔ آئندہ چند سالوں میں شاید وہ سپاہیوں کو بھی دشمن کے پاس فروخت کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا پھر اشبیلیہ والوں کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا تو الفانسو کسی

مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اشبیلیہ پر قابض ہو جائے گا۔ اشبیلیہ کے لوگوں میں مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی سکت بھی نہیں ہو گی اور باہر کے مسلمان اپنے سابقہ تجربات کے باعث ان کا ساتھ دینا مناسب نہ سمجھیں گے۔ شاید اس وقت ابنِ عمار جیسے سیاستدان بھی معتمد کے اقتدار کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دینے کی بجائے الفانسو کی شان میں قصائد لکھنا اپنے لیے زیادہ سود مند خیال کریں ——— میں معتمد کو اس صورتِ حال سے آگاہ کرنا اپنا آخری فرض سمجھتا ہوں۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ اشبیلیہ کی تباہی سارے اندلس کی تباہی کا پیش خیمہ ہو گی۔"

ادریس نے کہا "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم پر جنون سوار ہے اور تم اندلس کو تباہی سے بچاتے بچاتے خود کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔۔۔۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ معتمد ابنِ عمار کی اس کامیابی کو اپنی زندگی میں سب سے بڑی فتح سمجھتا ہے۔ اس نے الفانسو کی واپسی کی خبر سنتے ہی فتح کے جشن کی تیاریوں کا حکم دے دیا ہے۔ پرسوں ابنِ عمار یہاں آئے گا۔ تو معتمد کے تمام وزراء اور بڑے بڑے عہدہ دار شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کریں گے اس کے بعد جشن شروع ہو گا اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ اوّل تو تمہارے لیے معتمد تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہ ہو گا۔ اگر تم وہاں تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جاؤ تو بھی ابنِ عمار کے خلاف تمہاری شکایات سننے کی بجائے تمہیں دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے گا۔۔ معتمد شاید تمہارے لیے یہی سزا کافی سمجھے۔ لیکن اس کے بعد تم اشبیلیہ کی ہر دیوار کے پیچھے اپنے لیے ایک دشمن پاؤ گے اور تمہارا یہاں سے نکلنا ایک معجزہ ہو گا۔"

سعد نے قدرے توقف کے بعد کہا "ادریس! ممکن ہے کہ اپنے مشن کی ناکامی کے بعد مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میرے منہ سے حق کی آواز معتمد کو راہِ راست پر لے آئے۔ اور میری قوم تباہی سے بچ جائے!!"

ادریس نے کہا "میں جانتا ہوں کہ اگر تم معتمد سے ملنے کا ارادہ کر چکے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نہیں روک سکتی۔"

۔ تم میری کامیابی کیلیے دُعا کرو۔ معتمد سے ملاقات کا اگر کوئی خوشگوار نتیجہ نکلا تو میں آمنہ اور حسن کو ساتھ لے کر سیدھا تمہارے گھر آؤں گا اور اس وقت تک یہاں رہوں گا جب تک کہ تم تنگ نہ آجاؤ۔ لیکن سردست میں یہ نہیں چاہتا کہ کسی کو ہمارے دوستانہ تعلقات کا بھی علم ہو۔"

ادریس نے کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہاں ٹھہرنے سے میری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔ لیکن کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ میں یہاں خون کے گھونٹ پی رہا ہوں۔ اگر مجھے میمونہ کا خیال نہ ہوتا تو میں کب سے اشبیلیہ چھوڑ کر کہیں جا چکا ہوتا۔"

"ادریس ہماری دوستی رسمی نہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں کہاں ٹھہرا ہوں۔ ہم صبح و شام ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔"

ادریس نے کہا۔ "ان دنوں معتمد سے ملاقات کرنا بہت مشکل ہے۔ شاہی ایوان کا ناظم میرا واقف ہے لیکن وہ جشن کی تیاریوں میں مصروف ہو گا۔"

سعد نے کہا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ آپ مجھے اجازت دو۔"

ادریس نے کہا۔ "نہیں۔ سرائے تک میں تمہارے ساتھ چلوں گا ——— میں ابھی آتا ہوں۔"

"میمونہ! میمونہ!!" ادریس نے رہائشی مکان کے صحن کو عبور کرتے ہوئے آواز دی۔

"کیا ہے بھائی جان؟" میمونہ نے باورچی خانہ سے باہر جھانکتے ہوئے کہا

"یہاں کیا کر رہی ہو تم؟"

"کھانا تیار کر رہی ہوں بھائی جان!"

"تم یونہی تکلیف اٹھا رہی ہو۔ سعد کھانا نہیں کھائے گا۔ وہ جا رہا ہے۔"

میمونہ مبہوت سی ہو کر رہ گئی۔ اس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ سے پسا جا رہا تھا۔ "وہ ۔۔۔۔۔ وہ جا رہے ہیں؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں!" ادریس یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ اب باورچی خانہ کے دروازے سے دھندلی سی روشنی

ادریس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ادریس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم دیکھ کر میمونہ کی کائنات پھر ایک بار امید کی روشنی سے جگمگا اٹھی۔ اُس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا: "میں سمجھتی تھی کہ وہ سچ مچ جا چکے ہیں!"

"میں مذاق نہیں کرتا میمونہ! سرائے میں ان کے چند دوست ہیں وہ ان کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ سعد کے چھوٹے بھائی بھی آئے ہوئے ہیں۔"

"آپ نے انھیں ......؟" میمونہ کی آواز ڈوب گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

ادریس نے کہا: "پگلی تمہارا خیال ہے میں نے سعد کو روکا نہیں ـــــ بات یہ ہے کہ وہ ایک ضروری کام سے آیا ہے۔ کام سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجائے گا۔ اب میں آپ کو چھوڑنے جا رہا ہوں۔"

میمونہ نے قدرے مطمئن ہو کر پوچھا: "آپ نے اُن کے گھر کی خیریت پوچھی ہے؟"

"ہاں وہ سب خوش ہیں۔"

(۵)

ابنِ عمار ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ اشبیلیہ کے عوام اور حکومت کے عہدہ دار اس کے راستے میں صفیں باندھے کھڑے تھے۔ گزشتہ دو تین دنوں میں حکومت کے ڈھنڈورچی اشبیلیہ کے عوام کو یہ احساس دلا چکے تھے کہ ابنِ عمار قوم کا سب سے بڑا محسن ہے اور اس کا تازہ کارنامہ عوام کی طرف سے بڑے سے بڑے انعام کا مستحق ہے اور وہ تشکر و احسان مندی کے اظہار کے لیے اس پر پھول برسا رہے تھے۔ شاہی محل کے دروازے پر جلوس رکا۔ معتمد اور ملکہ رمیکیہ اور شاہی گھرانے کے دوسرے افراد دروازے کے سامنے بیش قیمت قالینوں سے آراستہ چبوترے پر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ چبوترے سے نیچے کئی گز تک سڑک پر بھی قالین بچھے ہوئے تھے۔ ابنِ عمار گھوڑے سے اترا۔ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اُس نے معتمد اور رمیکیہ کو جھک کر سلام کیا اور انھوں نے آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے جواہرات کے دو بیش قیمت ہار اس کے گلے میں ڈال دیے۔ اس کے بعد معتمد اور رمیکیہ کی راہنمائی میں

ابنِ عمار اور چیدہ چیدہ امرا محل کے اندر داخل ہوئے۔

سعد اور اس کے ساتھی لوگوں کے ہجوم میں کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ الیاس نے سعد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "سعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ان لوگوں کو کیا سمجھاؤ گے! اب تو میرا خیال یہ ہے کہ تمہیں کئی دن تک معتمد کے ساتھ ملاقات کا موقع نہ ملے گا۔"

سعد نے کہا: "میں اس کے ساتھ ضرور ملوں گا۔ آج حماقت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر میرا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔"

مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو سرائے میں چھوڑ کر سعد، احمد اور حسن کے ساتھ ادریس کے گھر چلا گیا۔ ادریس گھر میں نہ تھا۔ سعد واپس آنا چاہتا تھا لیکن اُس کے بوڑھے نوکر نے کہا: "وہ آنے ہی والے ہوں گے۔ آپ کے متعلق وہ ہمیں تاکید کر گئے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر ان کا انتظار کریں۔"

نوکر کے اصرار پر سعد اور اس کے بھائی دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ادریس بھی آگیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بالآخر سعد نے کہا: "اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہمیں جانا چاہیے۔"

ادریس نے کہا: "آپ وہاں جا کر کیا کرو گے۔ یہیں سو رہو۔"

سعد نے جواب دیا: "نہیں ہمارے ساتھی پریشان ہوں گے۔"

کسی نے صحن کی طرف سے دروازہ کھٹکھٹایا اور ادریس اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آکر کہا: "سعد! میمونہ تم سے بہت خفا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر تمہیں ہماری میزبانی قبول نہیں تو چھوٹے بھائیوں کو یہاں چھوڑ جاؤ۔"

سعد نے کہا: "ہم جانے سے پہلے آپ کی میزبانی کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی میں آپ کے پاس آجاؤں گا۔ اس وقت ہمیں آپ اجازت دیجیے۔"

ادریس نے کہا: "میں خود آپ کے دوستوں کے پاس جاتا۔ لیکن میں بہت مصروف

ہوں۔ دارالضرب میں آج کل دن رات کام ہو رہا ہے۔ پرسوں وزیرِ خزانہ الفانسو کے پاس خراج کی رقم لے کر جا رہا ہے اور ہمیں تمام سونا اور چاندی سکّوں میں تبدیل کروانے کا حکم ملا ہے۔ ابھی بہت سا کام باقی ہے اور میں باقی رات دارالضرب میں گزاروں گا۔ کل بھی شاید مجھے فرصت نہ ملے۔ اس کے بعد میں بالکل فارغ ہوں۔ امید ہے کہ معتمد کے ساتھ تمہاری ملاقات کا کوئی راستہ نکال سکوں گا۔ جشن کے اختتام پر ابنِ عمار بھی مرسیہ جا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کی غیر حاضری میں تمہیں زیادہ آزادی کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

سعد نے کہا: "میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں ابنِ عمار کے منہ پر کہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو دن تک میں معتمد کے دربار میں رسائی حاصل کر سکوں گا۔"

"تم بہت ضدی ہو سعد، اچھا چلو!"

سعد اور اس کے بھائی ادریس کے ساتھ اس کی بگھی پر سوار ہو گئے۔ ادریس نے دارالامارہ کے قریب پہنچ کر بگھی سے اترتے ہوئے کوچوان کو حکم دیا کہ وہ مہمانوں کو سرائے میں چھوڑ آئے۔

(۶)

اگلے دن سعد صُبح سے لے کر شام تک شاہی ایوان کا طواف کرتا رہا لیکن اُسے معتمد کے دربار میں حاضر ہونے کا موقع نہ ملا۔ شاہی ایوان کے ناظم کے سامنے اس کی پُرجوش تقریریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ ناظم کے پاس ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ کہ سلطانِ معظم جشن منا رہے ہیں اور جشن کے دوران میں اگر غرناطہ کا حکمران بھی آ جائے۔ تو بھی وہ ملاقات سے انکار کر دیں گے۔ تم ایک ہفتہ صبر کرو۔ اس کے بعد میں تمہاری درخواست پیش کر دوں گا۔ پھر انھوں نے مناسب سمجھا تو وہ تمہیں ملاقات کے لیے وقت دے دیں گے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں جلدی ہے تو تم شاہی مہمان خانے کے داروغہ سے ملو۔ ممکن ہے کہ اس کی سفارش سے تمہیں جشن میں شریک ہونے کی اجازت مل جائے۔"

سعد شاہی مہمان خانے کے داروغہ کے پاس پہنچا تو اس نے یہ عذر پیش کیا کہ میں صرف

باہر سے آنے والے مشہور و معروف شعرا اور گویّوں کی سفارش کر سکتا ہوں اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ میں اچھّی طرح اس بات کا اطمینان کر لوں کہ وہ جشن میں حصّہ لینے کے قابل ہیں۔"

تیسرے پہر سعد نے ذرا جُراَت سے کام لیا اور وہ شعراء کی ایک ٹولی کے ساتھ محل میں داخل ہو گیا۔ لیکن محل کے بیرونی دروازے سے آگے پولیس کے چند افسر دعوت نامے دیکھنے پر متعین تھے۔ سعد نے آنکھ بچا کر گزرنے کی کوشش کی لیکن ایک افسر نے اُسے آواز دے کر روک لیا۔

"آپ کا اجازت نامہ؟" اس نے سوال کیا۔

"میں غرناطہ سے سُلطان معظم کے لیے ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں!" سعد نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اجازت نامے بغیر تم اندر نہیں جا سکتے۔"

"میرا سلطان معظم کی خدمت میں حاضر ہونا بہت ضروری ہے اور میں اجازت نامے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں میرے متعلق کوئی شبہ ہے تو مجھے گرفتار کر کے سلطان کے سامنے لے جاؤ۔"

"آپ کے مشورے پر عمل کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ آپ باہر تشریف لے جائیں اور دوبارہ اس دروازے میں داخل ہونے کی تکلیف نہ کریں۔"

سعد ان کے ساتھ جھگڑ رہا تھا کہ کوتوال وہاں آ پہنچا۔ پولیس کے آدمی جو سعد کے گرد جمع ہو رہے تھے، ایک طرف ہٹ گئے۔

کوتوال نے سوال کیا: "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

ایک افسر نے جواب دیا: "یہ نوجوان بضد ہے کہ ہم اسے گرفتار کر کے سلطان معظم کے حضور میں لے جائیں۔"

کوتوال نے کہا: "شبیلیہ میں دیوانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ بہتر ہے کہ تم لوگ دروازے سے باہر ہی اجازت نامے دیکھ لیا کرو۔"

افسر نے کہا: "لیکن یہاں کے دیوانے بھی ایوانِ شاہی کے آداب سے غافل نہیں ہوتے

یہ غرناطہ سے آیا ہے۔"

"تو پھر دو سپاہیوں سے کہو کہ اسے شہر سے باہر چھوڑ آئیں۔ لے جاؤ اسے!"

سعد خاموشی سے کوتوال کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس موٹے تازے آدمی کے خدوخال میں اُسے ماضی کی ایک موہوم سی تصویر نظر آ رہی تھی۔ اچانک اس کے دل میں ناخوش گوار دھڑکنیں پیدا ہوئیں اور وہ باہر کے دروازے کی طرف چل دیا۔

"ٹھہرو!" کوتوال نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

سعد رُک کر دوبارہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

کوتوال چند قدم آگے بڑھا اور ایک ثانیہ کے لیے سعد کی طرف گھُور گھُور کر دیکھنے کے بعد بولا۔ "میں نے شاید پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے؟"

"آپ کبھی غرناطہ گئے ہیں؟" سعد نے اطمینان سے کہا۔

"نہیں۔ لیکن میں نے تمہیں دیکھا ضرور ہے۔"

"میں دو دن سے یہاں پھر رہا ہوں۔"

"دو دن میں تمہیں یہ تجربہ نہیں ہوا کہ اشبیلیہ کا شاہی ایوان ایک سرائے نہیں جس کے دروازے ہر آوارہ مزاج آدمی کے لیے کھلے ہوں۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں سلطان معتمد سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں پوچھ سکتا ہوں کہ سلطانِ معظم کے حال پر آپ اس قدر مہربان کیوں ہیں؟"

"میں غرناطہ سے ایک رضاکار کی حیثیت میں آیا تھا اور واپس جانے سے پہلے.....!"

کوتوال نے بات کاٹ کر کہا: "میں سلطان معظم کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن اب تم تشریف لے جاؤ۔ یہاں خواہ مخواہ دھکے کھانے سے کیا فائدہ؟ جاؤ!"

سعد کچھ کہے بغیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل آیا۔ کوتوال، پولیس کے آدمیوں سے کہہ رہا تھا: "ان لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اشبیلیہ کے درختوں کے ساتھ پتوں کی بجائے

روپے لگتے ہیں ــــ اگر یہ دوبارہ یہاں آئے تو اُسے قید خانے میں بھیج دو۔"

(۷)

رات کے وقت سرائے کے ایک کمرے میں سعد اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کو اپنی دن بھر کی کارگزاری سنا رہا تھا ــــ اختتام پر اس نے احمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "احمد تمہیں یاد ہے بچپن میں ایک دن ہماری مدینۃ الزہرا کے لڑکوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی اور میں نے ایک موٹے سے لڑکے کو پیٹا تھا؟"

احمد نے جواب دیا: "ہاں! مجھے یاد ہے، اس کا نام زیاد تھا اور اگر میں نے اُسے پہچاننے میں غلطی نہیں کی تو وہ آج کل یہاں ہے، میں اُسے دوبارہ دیکھ چکا ہوں۔"

سعد نے کہا: "وہ آج کل اشبیلیہ کا کوتوال لگا ہُوا ہے۔ یہ خوش قسمتی تھی کہ آج وہ مجھے پہچان نہ سکا۔"

الیاس نے کہا ــــ "میرے خیال میں اب ہمیں غرناطہ لوٹنے کی تیاری کرنی چاہیے، خواہ مخواہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں!"

سعد سوچ میں پڑ گیا۔ احمد اور حسن پہلی بار اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھ رہے تھے ــــ احمد نے کہا: "بھائی جان! اگر آپ کو یقین ہے کہ معتمد سے آپ کی ملاقات کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا کر سکتی ہے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں۔"

سعد نے کہا: "مجھے اب کسی بات پر یقین نہیں، میں ہوائی قلعے تعمیر کر رہا ہوں، شاید اندلس کا ہر نوجوان جس کے دل میں قوم کا درد ہے، ہوائی قلعے تعمیر کر رہا ہے.....!"

احمد نے کہا: "لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کی ملاقات کا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

اب سب احمد کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ اطمینان سے مُسکرا رہا تھا۔ سعد کو اس کی مُسکراہٹ کچھ بے محل سی محسوس ہوئی اور اس نے قدرے تلخ ہو کر کہا: "فرمائیے! آپ نے کیا طریقہ سوچا ہے؟"

احمد نے کہا: "میں نے جو کچھ سوچا تھا، اُس پر عمل بھی کر چکا ہوں..... اگرچہ اس سے فائدہ

کچھ نہیں ہوگا تاہم آپ کو اپنا فرض پورا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ آج میں نے بھی کچھ دوڑ دھوپ کی ہے اور میری دوڑ دھوپ بے نتیجہ نہیں رہی، بات یہ ہے کہ شاہی محل کا دروازہ آج کل صرف شاعروں اور گویوں کے لیے کھلا ہے۔ گویئے آپ بن نہیں سکتے۔ لیکن شاعروں کی نقل اتارنا آپ کے لیے مشکل نہیں۔"

"کیا مطلب؟" سعد نے اور زیادہ بگڑ کر کہا۔

احمد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا اور سعد کو دکھاتے ہوئے کہا "یہ دیکھیے یہ معتمد کے محل کی کنجی ہے۔"

سعد نے کہا "یہ دل لگی کے لیے کونسا موقع ہے؟"

"دل لگی نہیں بھائی جان! میں آپ سے انعام کا حق دار ہوں۔ یہ رمیکیہ کا قصیدہ ہے۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو اس وقت تک وہ اس کی دوسری نقل دیکھ چکی ہوگی اور اب شاید معتمد کو حکم دیا جارہا ہوگا کہ غرناطہ کے اس نامور شاعر کو فوراً تلاش کرو جس نے میری شان میں یہ قصیدہ کہا ہے۔" اے اشبیلیہ کی محبوب ملکہ! تیرا حُسن معتمد کے حسین تُیلنوں کی تعبیر ہے — اگر معتمد کے اشعار نے پرندوں کو نغمے سکھائے ہیں۔ تو پھولوں نے تیری مُسکراہٹیں چُرائی ہیں!"

سعد بولا "کیسے نالائق ہو۔ تم نے یہ شعر کہاں سے سُنا؟"

"مجھے خود ہی یہ تکلیف اُٹھانی پڑی .... لیکن بھائی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے صرف وقت کی ایک ضرورت کو پورا کیا ہے .... اگر اجازت ہو تو سارا قصیدہ سُنا دوں؟"

"قصیدہ بعد میں سنوں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اس حماقت کو کہاں تک پہنچایا ہے؟"

احمد نے جواب دیا "ہر چیز اپنے مرکز کی طرف پرواز کرتی ہے اور ایسی حماقتوں کا مرکز معتمد کا دربار ہے۔ میں یہ قصیدہ شاہی مہمان خانے کے داروغہ کے پاس لے گیا تھا پہلے وہ میرے ساتھ بات کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ لیکن یہ قصیدہ پڑھتے ہی وہ چلا اُٹھا "کہاں ہے وہ شاعر؟ وہ اب تک میرے پاس کیوں نہیں آیا؟ اُسے میرا سلام کہو۔ میں آج ہی یہ قصیدہ ملکہ کے پاس بھیجتا ہوں .... مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے بہت جلد بُلائیں گی۔"

"تم نے سچ مچ یہ قصیدہ بھیج دیا ہے؟"

"بھائی جان! میں آپ سے مذاق کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد آپ کو بلائیں گے۔"

"مجھے .....؟ یہ قصیدہ تم نے میرے نام سے بھیجا ہے؟ اور یہ شعر دکھاؤ مجھے!"

سعد نے اس کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیا اور اس پر ایک ثانیہ نظر دوڑانے کے بعد کہا۔ "نالائق تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بوڑھی چڑیل اپنے متعلق ایسے اشعار سُننا پسند کرے گی؟"

احمد نے اطمینان سے جواب دیا "بھائی جان! گھبرائیے نہیں۔ سرائے کے دوسرے کمرے میں قرطبہ کا ایک شاعر ٹھہرا ہُوا ہے۔ کل شام مجھے اس نے اپنی نظم دکھائی تھی اور آج وہ دربار میں سُنانے کے بعد پانچ سو دینار انعام لے کر آیا ہے۔ اس کی نظم کا پہلا شعر یہ تھا کہ: "زمانے کے بے رحم ہاتھوں نے ہر صورت مسخ کر ڈالی لیکن اے رمیکیہ تو وہی ہے جو آج سے تیس برس پہلے تھی۔"

"لعنت ہے ایسی رمیکیہ پر۔" سعد نے معصومانہ انداز میں کہا اور سب ہنس پڑے۔

احمد نے کہا "آپ کو شاعرانہ لباس کی ضرورت تھی اور میں نے قرطبہ کے شاعر کی قبا اور ٹوپی خرید لی ہے۔ صرف بیس دینار دینے پڑیں گے۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ میں سچ مچ ایک شاعر بن کر وہاں جارہا ہوں!"

"مجھے یقین تھا کہ آپ اپنا ارادہ تبدیل نہیں کریں گے۔"

"بہت شریر ہو تم!"

"شکریہ!" احمد نے مُسکرا کر کہا۔

اور رات کے وقت جب تینوں بھائی ایک دوسرے کے قریب اپنے اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، سعد نے آہستہ سے کہا "احمد!"

"کیا ہے بھائی جان؟"

"تم نے شاعری کہاں سے سیکھی؟"

"آپ سے" اس نے بے ساختگی سے جواب دیا۔

"کیا کہا؟"

"ہاں بھائی جان آپ کو اندلس کے شاعروں سے نفرت تھی اور آپ کی نفرت کی وجہ سے مجھے دلچسپی ہو گئی۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ اسلام کے عروج کے زمانے میں بھی تو شاعر ہوا کرتے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس قدر بدنام نہ تھے۔ پھر میں نے ان کا کلام پڑھا اور مجھے افسوس ہوا کہ وہ اپنے زمانے کے نقیب تھے۔ وہ سونے والوں کو بیدار کرتے تھے۔ وہ قوم میں زندگی کی رُوح پھونکتے تھے اور یہ قوم کو تھپکیاں دے کر موت کی نیند سُلا رہے ہیں۔"

سعد نے پوچھا۔ "تم نے کوئی اور نظم بھی لکھی ہے؟"

احمد کے تذبذب پر حسن نے جواب دیا "ہاں بھائی جان۔ آج مجھے انھوں نے ایک اور نظم سُنائی تھی۔ اہلِ اشبیلیہ کے متعلق انھوں نے خوب لکھا ہے۔"

احمد نے فوراً صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی لیکن اس نے تکیے سے سر اُٹھا کر شمع کی روشنی میں بھائی کی طرف دیکھا تو اس کی پریشانی جاتی رہی۔ سعد کے چہرے پر غصے کی بجائے مُسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سعد نے قدرے توقف کے بعد پھر کہا۔ "احمد! مجھے معلوم تھا کہ تم شاعر ہو۔"

"نہیں نہیں۔" احمد نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "بھائی جان میں کبھی کبھی دل لگی کیا کرتا ہوں۔"

سعد نے کہا۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں ایسی شاعری کے خلاف نہیں ہوں جو قوم کی اصلاح کے کام آ سکے۔ شاعر اگر اپنے ماحول سے بیگانہ نہ ہو تو وہ وقت کا نقیب بھی بن سکتا ہے۔ مجھے سناؤ! تم نے اہلِ اشبیلیہ کے متعلق کیا لکھا ہے؟"

احمد نے کہا۔ "بھائی جان وہ نظم اس قابل نہیں کہ آپ کو سنائی جائے۔"

یہ باتیں سُن کر الیاس جو ساتھ والے کمرے میں لیٹا ہوا تھا، اٹھ کر سعد کے کمرے میں آ گیا اور بولا "بھائی ہم بھی سنیں گے!"

"سناؤ احمد!" سعد نے دوبارہ کہا۔

جب احمد نظم سنانے کے لیے تیار ہوا تو ساتھ والے کمرے سے اُن کے باقی ساتھی بھی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ احمد کی نظم کا مفہوم یہ تھا:

"اشبیلیہ کے جدت پسندوں نے الفاظ کا قدیم مفہوم بدل دیا ہے۔
اب بزدلوں کو بہادر اور لومڑیوں کو شیر کہا جاتا ہے۔
اب معتمد کی افواج کو کسی میدان میں شکست نہیں ہو گی۔
کیونکہ اشبیلیہ کے شاعر ہر شکست کو فتح کے نام سے یاد کیا کریں گے۔
جب ایک حقیر دشمن نے معتمد کو مقابلے کے لیے للکارا
تو اس نے اپنے دسترخوان کے شیروں کو آگے کر دیا۔
اب اہلِ اشبیلیہ...... کو تلواروں کی ضرورت نہیں رہے گی۔
کیونکہ ابن عمار شطرنج کھیلنے میں نام پیدا کر چکا ہے۔
اب اشبیلیہ کی خواتین کو دشمن کے وحشیانہ عزائم سے کوئی خطرہ نہیں۔
کیونکہ رمیکیہ نے نسوانی حیا اور آبرو کے تمام پردے چاک کر دیے ہیں۔
اب اسلام کی مشعل کو کفر کی آندھیوں سے کوئی خطرہ نہیں۔
کیونکہ اسلام کے نام لیوا خود ہی اس مشعل کو بجھانے کی فکر میں ہیں۔"

(۸)

اسی رات شہزادہ رشید شاہی محل کے ایک کشادہ کمرے میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کبھی غصے اور کبھی پریشانی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ ایک خادم نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "زیاد حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔"

رشید نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "میں نے کب کہا تھا کہ اُسے میرے پاس آنے کے لیے اجازت کی ضرورت ہے!"

Scanned by iqbalmt

خادمہ اُلٹے پاؤں واپس مڑی اور تھوڑی دیر کے بعد زیاد اندر داخل ہوا۔

"معاف کیجیے مجھے دیر ہوگئی۔ میرا خیال تھا آپ سو گئے ہوں گے۔ اس لیے یہ مناسب سمجھا کہ خادمہ کو بھیج کر معلوم کر لوں۔"

رشید نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ کیا خبر لائے ہو؟"

زیاد نے جواب دیا۔ "خبر کوئی تسلی بخش نہیں۔"

"مجھے معلوم تھا وہ بہت ضدّی ہے۔ بیٹھو!"

زیاد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ ضدّی ہونے سے زیادہ بے وقوف ہے۔ میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کر چکا ہوں لیکن وہ نہیں مانتا۔"

"تم نے اسے بتایا کہ میں قرطبہ کا گورنر ہو کر جا رہا ہوں؟"

"ہاں۔ لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ آپ سارے اندلس کے حکمران ہو جائیں تو بھی میرا یہی جواب ہوگا"

"آخر کیوں؟" رشید نے دوسری کرسی گھسیٹ کر زیاد کے پاس بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ کہتا ہے کہ میں نے حکومت کی ملازمت کی ہے اپنی بہن کی عزت کا سودا نہیں کیا۔"

"یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے ساتھ شادی کرنے میں اس کی بہن کی بے عزتی ہوگی! تم نے اسے یہ نہیں کہا کہ اندلس کے حکمران خاندانوں کی سینکڑوں لڑکیاں اس عزت افزائی کی طلبگار ہیں!"

زیاد نے کہا۔ "شہزادے اُسے سب کچھ معلوم ہے لیکن دنیا میں حماقت کا کوئی علاج نہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ اس کی بہن کے لیے اس قدر بے قرار کیوں ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو اندلس سے باہر بھی کئی حکمران آپ کے ساتھ ناطہ جوڑنا اپنے لیے باعث فخر سمجھیں گے۔ اور اس لڑکی کے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ادریس رضامند ہو بھی جائے تو بھی سلطان معظم اُسے آپ کے لیے پسند نہ کریں گے۔"

رشید نے کہا۔ "امّی کو یقین ہے کہ اگر ادریس رضامند ہو گیا تو اباجان بھی کچھ عرصہ پس و پیش کرنے کے بعد مان جائیں گے.... اور پھر قرطبہ کا گورنر بننے کے بعد میری حیثیت مختلف

ہوگی۔ میں انھیں مجبور بھی کر سکوں گا.... لیکن ادریس کے انکار سے اباجان کو ایک معقول بہانہ مل جائے گا۔"

زیاد نے کہا "شہزادے اگر یہ گستاخی نہ ہو تو میں ایک سوال پوچھتا ہوں۔ آخر اس لڑکی میں آپ نے کیا خوبی دیکھی ہے؟ میرا خیال ہے زندگی کی اور لغزشوں کی طرح یہ بھی آپ کی ایک لغزش ہے.... سلطانِ معظم اگر مان بھی جائیں تو بھی انھیں اس بات کا دُکھ ضرور ہوگا کہ آپ نے سینکڑوں قابلِ عزت خاندانوں کو ٹھکرا کر ایک معمولی حیثیت کے خاندان کی لڑکی کو پسند کیا ہے۔"

رشید نے قدرے آزردہ ہو کر کہا: "زیاد! تم نہیں جانتے۔ میمونہ ایک معمولی لڑکی نہیں۔ میں وہ بھولا بھالا چہرہ نہیں بھول سکتا جس پر حیا اور غصے کی سُرخ و سپید لہریں دوڑ رہی تھیں تم نے وہ بجلیاں نہیں دیکھیں جو اس کی آنکھوں میں تڑپ رہی تھیں، اس دن جب میرے سامنے لڑکیاں زبردستی اس کے چہرے کا نقاب الٹ رہی تھیں، وہ ایک گٹھڑی بنی جا رہی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ رو پڑے گی.... لیکن جب میں نے محل کی سیڑھیوں پر اس کا راستہ روکا تھا تو خدا جانے اس میں ایک شیرنی کی سی جسارت کہاں سے آگئی تھی۔ میں اُسے نہیں بھول سکتا۔ میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ یہ میری زندگی کی بدترین شکست ہوگی اور یہ احساس کہ یہ شکست مجھے اپنے ایک معمولی ملازم کی بہن کے ہاتھوں نصیب ہوئی ہے میری زندگی کو اور بھی تلخ بنا دے گا۔ زیاد تم میرے دوست ہو۔ میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔ تم مجھے یہ مشورہ نہ دو کہ میں ایک لڑکی کے ہاتھوں اپنی شکست کا اعتراف کر لوں۔ اب میں ہر قیمت پر اُسے حاصل کرنا چاہتا ہوں!"

زیاد نے کہا۔ "مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ ورنہ......!"

"ورنہ کیا؟" رشید نے قدرے پر امید ہو کر سوال کیا۔

"یہ کام کوئی مشکل نہیں۔"

"خدا کے لیے مجھے بتاؤ۔ یہ میرے لیے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔"

نیاد نے مسکرا کر کہا "میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کے لیے موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ اس دن آپ کی انا کو دھکا لگا تھا اور آپ اس کی تلافی چاہتے ہیں۔"

"اچھا یوں ہی سہی لیکن خدا کے لیے بتاؤ تم کیا کر سکتے ہو ___؟"

نیاد نے کہا "دیکھیے۔ ابھی یہ مسئلہ سلطانِ معظم کے سامنے پیش کرنا ضروری نہیں۔ آپ سلطان سے یہ کہیں کہ آپ کو قرطبہ میں میری ضرورت ہے اور میں اس لڑکی کو قرطبہ پہنچانے کا بندوبست کر لوں گا۔ اس کے بعد وہ آپ کے رحم و کرم پر ہو گی۔ پھر اگر ضرورت ہوئی تو ادریس کو منایا جا سکے گا.... ورنہ قرطبہ کے محل سے اس کی آواز تک باہر نہیں آسکے گی ___!"

"ادریس کی موجودگی میں اُسے اغوا کرنا کیسے ممکن ہو گا؟"

نیاد نے جواب دیا "میں نے یہ بھی سوچ لیا ہے۔ کل یہاں سے وزیر خزانہ الفانسو کے خراج کی قسط لے کر جا رہا ہے۔ آپ اسے مشورہ دیں کہ وہ ادریس کو اپنے ہمراہ لیتا جائے وزیر خزانہ آپ کا مشورہ رد نہیں کرے گا۔ آپ اسے حکم بھی دے سکتے ہیں۔ ابھی رات کی محفل برخاست نہیں ہوئی۔ آپ ابھی جا کر وزیر خزانہ سے بات کریں۔ اس طرح ادریس چند دن غیر حاضر رہے گا اور ہم اس کی واپسی تک اس لڑکی کو قرطبہ پہنچا چکے ہوں گے۔"

رشید نے کہا "نیاد! خدا کی قسم تم بڑے سے بڑے انعام کے حق دار ہو، اگر میرے اختیار میں ہو تو مرسیہ کا گورنر تمہیں بنا دوں۔"

نیاد نے کہا "میں شوق سے اس دن کا انتظار کروں گا جب کسی کو بنانا یا بگاڑنا آپ کے اختیار میں ہو گا۔"

(۹)

دوپہر کے وقت سعد کے پاس ایک ایلچی آیا اور اس نے اطلاع دی کہ سلطان معظم نے آپ کو رات کے وقت شعراء کی مجلس میں حصہ لینے کی دعوت دی ہے۔ شاہی مہمان خانے کے داروغہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ آج سے شاہی مہمان خانے میں قیام کریں۔ وہاں سے رات کے وقت

آپ کو وہ شاہی محل میں پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ میں آپ کے لیے بگھی لے کر آیا ہوں۔"

سعد نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر ایلچی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "لیکن میں یہیں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔"

ایلچی نے کہا "وہ کہتے تھے کہ اگر سلطان معظم کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ مہمان خانے کی بجائے سرائے میں ٹھہرے ہوتے ہیں تو وہ بہت خفا ہوں گے۔ وزیر ابن عمار کا بھی یہ حکم ہے کہ آپ کی مہمان نوازی میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔"

سعد نے کہا "بہت اچھا۔ اگر میرا وہاں جانا ضروری ہے تو میں شام کے وقت وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

ایلچی نے کہا "اگر آپ حکم دیں تو شام کے وقت دوبارہ بگھی لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔"

"نہیں بگھی کی ضرورت نہیں۔ میں پہنچ جاؤں گا۔"

ایلچی سلام کر کے چلا گیا اور سعد کچھ دیر گردن جھکا کر سوچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا "اب میں تم سب سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام کے لیے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہم سب خطرہ مول لیں۔"

الیاس نے احتجاج کیا "سعد تم ہمیں بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتے۔"

سعد نے نرم ہو کر کہا "تم مجھے غلط سمجھے ہو۔ یہاں پہنچنے سے پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم سب کو معتمد کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے گا لیکن اب میں تنہا جا رہا ہوں اور موجودہ حالات میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ مجھے ایک دوست کی بجائے اپنا بدترین دشمن سمجھیں۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ بلاوجہ اپنی باقی زندگی معتمد کے قید خانے میں گزاروں۔ میں وہاں سے بچ کر نکلنے کی کوشش کروں گا لیکن اس صورت میں اشبیلیہ کی پولیس سب سے پہلے اس سرائے کا محاصرہ کرے گی اور میری جگہ وہ آپ کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مجھے مجبوراً اپنے آپ کو پیش کرنا پڑے گا۔"

الیاس نے کہا "اگر تم پکڑے گئے تو ہم غرناطہ میں جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔"

سعد نے کہا: "اگر ابنِ عمار ذلت سے کام نہ لیتا اور الفانسو کے ساتھ جنگ چھڑ جاتی اور میں وہاں شہید ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟"

الیاس نے لاجواب سا ہو کر کہا: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم یہ سرائے چھوڑ دیں اور کسی اور جگہ آپ کا انتظار کریں؟"

ایک طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ احمد اور حسن ادریس کے پاس چلے جائیں اور باقی دوست الیاس کے ساتھ اشبیلیہ سے پانچ کوس دور ایک سرائے میں قیام کریں۔ اس کے بعد معتمد کے ساتھ سعد کی ملاقات سے کوئی ناخوشگوار نتیجہ برآمد ہوا تو دوسرے دن ادریس کے گھر جمع ہو جائیں۔ اگر صبح تک سعد ادریس کے گھر نہ پہنچا تو احمد اور حسن باقی ساتھیوں سے سرائے میں آملیں گے۔

اس فیصلے کے بعد سعد نے اپنے بھائیوں سے کہا: "میں یہ نہیں چاہتا کہ ہماری وجہ سے ادریس کو کوئی تکلیف پہنچے۔ اس لیے تم اس کے گھر جا کر بہت محتاط رہو۔ بہتر ہے کہ تم رات کے وقت وہاں جاؤ۔ میں فارغ ہوتے ہی ادریس کے گھر آؤں گا۔ لیکن اگر مجھے دیر ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارا اشبیلیہ میں ٹھہرنا خطرناک ہوگا اور تمہارا یہ فرض ہوگا کہ تم الیاس کو باخبر کر دو اور خود بھی ان کے ساتھ گھر پہنچ جاؤ، میرے ساتھ جو کچھ پیش آئے گا، اس کی اطلاع تمہیں ادریس غرناطہ میں بھیج دے گا۔"

میری پکار ایک قوم کی پکار ہے!

عشاء کی نماز کے بعد سعد محل کے ایک پہریدار کی رہنمائی میں مرمریں راستوں پر چلتا ہوا ایک وسیع دالان میں داخل ہوا۔ شاہی ایوان کا ہر گوشہ مشک و عنبر کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ جگہ جگہ فانوس روشن تھے۔ کشادہ دالان میں سلطان کی مسند سے لے کر باہر برآمدے کی سیڑھیوں تک بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے۔ معتمد کے امراء اور شاعروں کی جواہرات سے مرصع قبائیں اور ٹوپیاں دیکھ کر سعد اپنے لباس سے پریشان ہو رہا تھا۔ قرطبہ کے شاعر سے جو ٹوپی اس نے حاصل کی تھی وہ اس کے سر کے مقابلے میں قدرے چھوٹی تھی اور قبا بھی کسی قدر ڈھیلی اور لمبائی میں اسی قدر کم تھی۔ اس کا خیال تھا کہ حاضرین اسے دیکھتے ہی قہقہہ لگائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے ساتھیوں کو کوس رہا تھا جنہوں نے اسے یہ بھیس اختیار کرنے پر آمادہ کیا تھا لیکن دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کے لباس کی بجائے اس کے چہرے پر مرکوز ہو رہی تھیں۔ ایک شاعر کی قبا اور ٹوپی اس کی مردانہ تمکنت اور وقار پر پردہ ڈالنے سے قاصر تھی۔ مجلس کے منتظمین میں سے کسی نے آگے بڑھ کر اس کا نام پوچھا اور پھر گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے شعراء کی تیسری قطار میں ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ سامنے وہ چبوترہ جہاں سلطان کی مسند تھی ابھی تک خالی تھا اور حاضرین قدرے بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ مسند کے پیچھے مخمل کے بھاری پردوں کی آڑ سے رباب کی ہلکی اور میٹھی تانیں سنائی دے رہی تھیں۔

اچانک ابنِ عمار اس کمرے میں داخل ہوا اور حاضرین اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ابنِ عمار

شاہی مسند کے بائیں طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو حاضرین بھی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر مسند کے عقبی کمرے سے شاہی نقیب نمودار ہوا اور اس نے سلطان معتمد اور ملکہ رمیکیہ کی آمد کی اطلاع دی۔ حاضرین پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ معتمد اور ملکہ رمیکیہ بیش قیمت جواہرات سے مرصع کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مسند کے دائیں بائیں اور پیچھے کرسیوں پر معتمد کی منظورِ نظر خواتین اور شاہی گھرانے کے دوسرے افراد بیٹھ گئے۔

ملکہ رمیکیہ کے لباس میں سینکڑوں قیمتی جواہرات جگمگا رہے تھے۔ اس کی جوانی ماضی کا افسانہ بن چکی تھی اور غازہ کی بھاری تہوں کے باوجود اس کا چہرہ بڑھاپے کی آمد کی خبر دے رہا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی بے باک نگاہیں زبانِ حال سے یہ کہہ رہی تھیں، کہ میری طرف دیکھو، میری تعریف کرو۔ مجھے تمہارا کسی اور طرف دیکھنا پسند نہیں، یہ محفل صرف میرے لیے سجائی گئی ہے۔

معتمد کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی اور اس کا چہرہ ایک ایسی کتاب تھا جس پر اس کی زندگی کی سرگزشت لکھی ہوئی تھی۔ اس کی کشادہ پیشانی، تیکھے نقوش اور کشادہ سینہ اس کی ذہانت اور فراخدلی کی گواہی دیتے تھے لیکن شراب نوشی کی کثرت کے باعث اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے۔

اشبیلیہ میں اپنے مختصر سے قیام کے دوران میں سعد اکثر لوگوں کی زبانی یہ سن چکا تھا کہ معتمد ایک بہت بڑا آدمی ہے لیکن کاش اُسے ابنِ عمار جیسے لوگوں کی صحبت نصیب نہ ہوتی۔

رباب کی تانیں اچانک خاموش ہو گئیں اور مجلس کی کارروائی شروع ہوئی۔ شعراء نے معتمد کے جاہ و جلال، ملکہ رمیکیہ کی نسوانی خوبیوں اور ابنِ عمار کے تدبر اور شجاعت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ ہر شاعر کا کلام سننے کے بعد اُسے انعام دیا جاتا۔ اگر کوئی خوش قسمت رمیکیہ سے داد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اسے دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ انعام کا حق دار سمجھا جاتا۔ شاعروں کو باری باری آواز دینے اور انھیں حاضرینِ مجلس سے متعارف کروانے کا کام ابن زیدون کے سپرد تھا۔ جب تقریباً دس شعراء اپنا

کلام سنا چکے۔ تو اس نے اٹھ کر اعلان کیا۔ "اب سلطان معظم کی اجازت سے غرناطہ کا ایک نوجوان شاعر سعد بن عبدالمنعم اپنا قصیدہ پیش کرے گا"

قاعدہ یہ تھا کہ شعرا مسند کے قریب پہنچنے کے بعد سلطان اور ملکہ کو جھک کر سلام کرتے تھے اور پھر الٹے پاؤں چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنا کلام سناتے تھے لیکن سعد سپاہیانہ تمکنت کے ساتھ آگے بڑھا اور مسند سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر ایک ثانیہ کے لیے خاموش رہنے کے بعد بولا:۔

"سلطان معتمد! اور حاضرین! شاید یہ سن کر آپ کو مایوسی ہو کہ میں شاعر نہیں ہوں ـــ میں صرف ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی کو اس کے فرائض کا احساس اس محفل میں لے آیا ہے ـــ میں جانتا ہوں کہ یہ محفل میرے خیالات کے اظہار کے لیے موزوں نہیں، لیکن میں مجبور ہوں۔ یہ قبا اور ٹوپی جو میں نے اس وقت پہن رکھی ہے ایک ایسی قوم کے کسی فرد کو زیب نہیں دیتی جس کے حکمران غیروں کے باجگزار ہوں، اشبیلیہ کے شاعرو! اور حکومت کے عہدیدارو! تم میرے گواہ ہو کہ جب تم وقت کی آندھیوں سے آنکھیں بند کر کے سو رہے تھے تو ایک شخص نے تمہیں جھنجھوڑنے کی کوشش کی تھی ـــ!"

سلطانہ رمیکیہ حیرت زدہ ہو کر معتمد، اور معتمد پریشانی اور اضطراب کی حالت میں حاضرین کی طرف دیکھ رہا تھا ـــ ابنِ عمار اپنے ہونٹ کاٹتا ہوا اٹھا اور اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر چند پہریدار جو دروازوں پر کھڑے تھے، سعد کی طرف بڑھے۔ لیکن معتمد نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور وہ پھر پیچھے ہٹ گئے۔ معتمد نے کہا۔ "دنیا میں ہر حماقت قابلِ سزا نہیں ہوتی۔ ہم اس نوجوان کو بات ختم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔"

سعد نے قدرے بے پروائی سے حاضرینِ مجلس پر نگاہ دوڑائی اور پھر معتمد کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریر شروع کی:

"سلطان معتمد! میں حق گوئی کی پاداش میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔

میں ان سینکڑوں نوجوانوں میں سے ہوں، جو اشبیلیہ کے خلاف دشمن کے عزائم کو ایک اجتماعی خطرہ سمجھ کر مختلف شہروں سے آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے...... ہمیں یقین تھا کہ جب اہلِ اشبیلیہ اور اہلِ قسطلہ کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں گی، اندلس کے ہزاروں اور مسلمان ہماری تقلید کریں گے اور یہ معرکہ کفر و اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ میں تبدیل ہو جائے گا اور عوام کا اجتماعی شعور تمام ملوک الطوائف کو اس جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کر دے گا۔ لیکن یہ ایک سراب تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم ایک گرتی ہوئی دیوار کے نیچے مورچے بنا رہے ہیں۔ وہ جانباز جو مختلف شہروں سے اپنا خون بہانے کی تمنا لے کر آئے تھے، ندامت کا پسینہ پونچھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ شمال کی طرف سے آنے والی تباہی اور بربادی کے سیلاب کو روکنے کے لیے ہمیں لاشوں کی دیواریں کھڑی کرنی پڑیں گی لیکن بدقسمتی سے اشبیلیہ کا سپہ سالار جس کے جھنڈے تلے یہ لوگ جمع ہوئے تھے۔ اس سیلاب کے سامنے شطرنج کے مہروں کی دیوار کھڑی کر دینا کافی سمجھتا تھا۔"

ابن عمار غصے سے کانپتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھا اور سراپا احتجاج بن کر معتمد کی طرف دیکھنے لگا۔ حاضرین مجلس بھی ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ معتمد نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرتے ہوئے کہا۔ "نوجوان! ہم تمہیں اپنی بات ختم کرنے کی اجازت دے چکے ہیں لیکن ہمیں اس حد تک مجبور نہ کرو کہ تمہاری گستاخ زبان ہمیشہ کے لیے خاموش کر دی جائے۔"

سعد نے کہا:

"آپ ایک فرد کے ہونٹوں پر مہر لگا سکتے ہیں لیکن ایک قوم کی آواز کو نہیں دبا سکتے۔۔۔ اس محل کی چار دیواری سے باہر لاکھوں افراد میرے ہمنوا ہیں

فرق صرف یہ ہے کہ میں نے ان کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچانے کی جرأت کی ہے۔ یہ آواز اس وقت بہت نحیف ہے لیکن وہ دن آئے گا جب یہ آہنی پردوں کو چیرتی ہوئی آپ کے کانوں تک پہنچے گی اور یہ عشرت کدے جو قوم کے شہیدوں کی قبروں پر تعمیر ہوئے ہیں لرز اٹھیں گے۔ سلطان معظم! میں نے اس خلا کو پاٹنے کی جرأت کی ہے جو آپ اور آپ کی قوم کے درمیان حائل ہے، جس کے باعث جھونپڑوں میں رہنے والے عوام کی چیخیں ابھی مرمریں ایوانوں میں رقص و سرود کی محفلیں جمانے والوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ میری پکار ایک قوم کی پکار ہے۔ اس قوم کی پکار جو دشمن کی تلوار کو اپنی شہ رگ کے قریب دیکھ رہی ہے جس کے حکمران غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ جس کے مفکر، شاعر اور ادیب سونے والوں کو جھنجھوڑنے کی بجائے تھپکیاں دے کر سلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جس کے سپاہیوں کو اب یہ احساس دلایا گیا ہے کہ اب قوم کے مقدر کی تحریر تلواروں سے کھیلنے والے بازو نہیں بلکہ شطرنج کھیلنے والے ہاتھ لکھا کریں گے۔"

معتمد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ملکہ رمیکیہ جو تھوڑی دیر قبل حاضرین مجلس پر اپنی مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کر رہی تھی بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے بولی: "خودکشی کے لیے تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر تم زندگی سے بیزار ہو گئے ہو تو وادی الکبیر کا پانی کافی گہرا ہے!"

سعد نے قدرے غصے میں آکر کہا:

"میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں ایک قوم کی زندگی کے مقابلے میں اپنی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا...... میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ میری قوم کا سفینہ شراب کے ایک مٹکے میں ڈوب جائے۔ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں

اہلِ اشبیلیہ کی بدترین شکست کو فتح کہنے کے لیے تیار نہیں، میں جانتا ہوں کہ شطرنج کے مہرے جو دشمن کے مقابلے میں کھڑے کیے گئے ہیں، دیر تک اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ مجھے معلوم ہے کہ دشمن اشبیلیہ اور اس کے بعد سارے اندلس پر ضرب لگانے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ میں اس خود فریبی میں مبتلا ہونے کے لیے تیار نہیں کہ اہلِ اشبیلیہ نے اس سال کئی گنا زیادہ خراج دینے کا فیصلہ کر کے ہمیشہ کے لیے الفانسو کی دوستی خرید لی ہے۔ وہ اگلے سال اس سے زیادہ خراج مانگے گا اور پھر ہر سال اس کے مطالبات زیادہ ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اشبیلیہ کے خزانے میں ایک کوڑی تک باقی نہیں رہے گی۔ پھر اس کے بڑھتے ہوئے مطالبات پورے کرنے کے لیے عوام پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے محتاج ہو کر رہ جائیں گے۔

اس کے بعد الفانسو یہ کہے گا کہ اب تمہارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب میں خراج نہیں مانگتا، اس لیے اب اشبیلیہ میرے حوالے کر دو۔ پھر وہ آئے گا اس کے سپاہی ان گھوڑوں پر سوار ہوں گے جو اُسے خراج کی صورت میں دیے گئے ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں وہ تلواریں ہوں گی جو انھوں نے اشبیلیہ کے سونے اور چاندی سے خریدی ہوں گی۔ پھر شطرنج کھیلنے کے ماہر اس کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ پھر خودکشی کرنے والوں کی تعداد اس قدر ہو گی کہ شاید وادی الکبیر کا پانی ان کے لیے کافی نہ ہو!"

معتمد کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خاموش! تم اپنے آپ کو بدترین سزا کا مستحق کر چکے ہو!"

حاضرینِ مجلس نے شور مچانا شروع کیا "خاموش! خاموش!!"

سعد چلایا:

"سلطان معتمد! میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ اندلس کا باغ میرے اسلاف نے اپنے خون سے سینچا ہے —— اس قوم کی عزت اور آزادی میری عزت اور آزادی ہے —— اس کی شکست اور غلامی میری شکست اور غلامی کا باعث ہو گی —— اس کا ماضی میرا ماضی، اس کا حال میرا حال اور اس کا مستقبل میرا مستقبل ہے۔"

ابنِ عمار کے اشارے سے چھ سات پہریدار اس کے گرد جمع ہو چکے تھے اور اسے باہر دھکیل رہے تھے لیکن وہ بلند آواز میں چلا رہا تھا:

"تم سب گواہ ہو کہ میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ ... میں نے قوم کی آواز معتمد کے کانوں تک پہنچا دی ہے۔ تمہاری آزادی خطرے میں ہے ... آج تم اپنی رعایا کا خون چوس کر جشن کا سامان مہیا کر رہے ہو، کل الفانسو تمہاری ہڈیوں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کرے گا ... سلطان معتمد! وقت کی آندھیاں آنکھیں بند کر لینے سے نہیں رُکا کرتیں۔"

(۲)

پہریدار سعد کو دروازے سے باہر لے جا چکے تھے۔ دو مضبوط آدمیوں نے اس کے بازو پکڑ رکھے تھے اور باقی اُسے پیچھے سے دھکے دے رہے تھے۔ کئی اور سپاہی جو تلواروں اور نیزوں سے مسلح تھے۔ محل کے مختلف گوشوں سے نمودار ہو کر سعد کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ سعد کا جوش و خروش بظاہر ختم ہو چکا تھا اور وہ پہریداروں سے زور آزمائی کرنے کی بجائے خاموشی سے ان کا ساتھ دے رہا تھا —— پہلی ڈیوڑھی کے دروازے سے کوئی تیس قدم دور اس نے اچانک پوری قوت کے ساتھ اپنے بازوؤں کو جھٹکا دے کر دو سپاہیوں کو زمین پر پچھاڑ دیا اور پیشتر اس کے کہ دوسرے سپاہیوں کی تلواریں اور نیزے اس تک پہنچتے، وہ ایک جست لگانے کے بعد پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ چیختے چلاتے سپاہی اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی اُسے دو سپاہی نیزے تانے دکھائی دیے۔

آنکھ جھپکنے کی دیر میں پیچھے آنے والے پندرہ بیس سپاہیوں کے نیزے اور تلواریں اس کا جسم چھلنی کر سکتی تھیں۔ ڈیوڑھی میں جلنے والی مشعل کی روشنی میں سعد کو دائیں ہاتھ ایک زینہ دکھائی دیا اور وہ ایک ثانیہ توقف کیے بغیر اوپر چڑھنے لگا...... آن کی آن میں وہ اندرونی فصیل پر پہنچ چکا تھا۔ یہ فصیل اتنی چوڑی تھی کہ وہ تاریکی کے باوجود اچھی خاصی رفتار کے ساتھ بھاگ سکتا تھا۔ ابھی تک اُسے یقین نہ تھا کہ اس کے بچ نکلنے کے امکانات کیا ہے۔ اُسے صرف یہ معلوم تھا کہ محل کی وہ سمت جدھر اس کا رُخ ہے، دریا سے ملتی ہے۔ تعاقب کرنے والے سپاہی ایک لمحے کے لیے ڈیوڑھی میں شور مچانے کے بعد اوپر چڑھ رہے تھے۔ کوئی پچاس گز دیوار پر بھاگنے کے بعد وہ اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں پہریداروں کی چیخ پکار سن رہا تھا۔ "وہ جا رہا ہے! پکڑلو گھیر لو!! تم اس طرف سے جاؤ۔ باہر کا دروازہ بند کر دو!" سعد نے اپنی بھاری قبا کے بوجھ سے آزاد ہونے کی ضرورت محسوس کی، وہ قبا اتار رہا تھا کہ سامنے فصیل کے ایک بُرج سے ایک پہریدار جس کے دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں مشعل تھی، آتا ہوا دکھائی دیا۔ پیچھے آنے والوں کو قریب دیکھ کر سعد نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے مدِ مقابل کے اوپر اپنی قبا پھینک دی اور اُسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اُٹھا کر فصیل سے نیچے گرا دیا۔

پہریدار نیچے کسی درخت کی شاخ پر گرا اور شاخ ٹوٹ جانے کے باعث جو شور پیدا ہوا، اس کے باعث سعد کے پیچھے آنے والے پہریدار اچانک رُک گئے۔ ایک پہریدار بلند آواز میں چلّایا "وہ باغ کی طرف کود گیا ہے، ہوشیار!"

اتنی دیر میں سعد برج سے آگے نکل چکا تھا لیکن اب اسے اپنے سامنے تھوڑی دور چند اور سپاہی مشعلیں اٹھائے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پیچھے مڑا۔ خوش قسمتی سے پیچھے آنے والے سپاہی ایک لمحہ رُک کر شور مچانے اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے کے بعد بُرج کی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر باغ کا رُخ کر رہے تھے۔ سعد بھی اسی طرح شور مچاتا ہوا ان کے پیچھے ہو لیا۔ اس ٹولی میں تین آدمیوں کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں، وہ سب سے آگے تھے۔ اس لیے سعد کی

طرف کسی کی توجہ نہ تھی۔ باغ میں داخل ہوتے ہی سعد نے ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر صورت حال کا جائزہ لیا۔ پہریدار دیوار کے ساتھ ساتھ اس سمت کا رُخ کر رہے تھے، جہاں انھیں درخت کی شاخ ٹوٹنے کی آہٹ سنائی دی تھی ــــ پہریداروں کا نیا گروہ بھی سیڑھیوں کے راستے باغ میں داخل ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ محل کی بیرونی چوکیوں کے سپاہی بھی مشعلیں اٹھائے اس طرف کا رُخ کر رہے تھے۔ سعد نے محسوس کیا کہ وہ تھوڑی دیر میں نیچے گرے ہوئے پہریدار کو تلاش کر لیں گے اور پھر سارے باغ میں اس کی تلاشی شروع ہو جائے گی۔ باہر کی فصیل پر بھی اُسے مشعل بردار سپاہی گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ درختوں کی آڑ لیتا ہوا ایک طرف بھاگا۔

اب اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کا رُخ محل کی کس سمت ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب کہ پہریداروں کی تازہ چیخ پکار یہ ظاہر کر رہی تھی کہ انھوں نے نیچے گرے ہوئے سپاہی کو تلاش کر لیا ہے۔ وہ بیرونی فصیل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ باہر کی فصیل کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں اور اگر وہ کسی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو جائے تو بھی اس کے بچ نکلنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ پہریداروں کی آنکھوں میں دھول ڈالتا ہوا اس سمت پہنچ جائے، جہاں بیرونی فصیل دریا کے ساتھ چھوتی ہے، وہ فصیل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا جہاں کہیں پہریداروں کی کوئی ٹولی نظر آتی وہ کسی درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو جاتا۔

تھوڑی دیر بعد آٹھ دس مشعل برداروں کی ایک ٹولی دکھائی دی۔ سعد نے جلدی سے فصیل کے ساتھ ایک درخت کی آڑ لینے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سے دو اور مشعل بردار نمودار ہوئے اور ان کا رُخ اسی درخت کی طرف تھا۔ سعد جلدی سے درخت کی ایک جھکی ہوئی ٹہنی کے ساتھ لٹک کر اوپر چڑھ گیا۔ سپاہی گزر گئے اور سعد کچھ دیر اس ٹہنی پر بیٹھا رہا اور پھر کچھ سوچ کر اس سے اوپر کی ٹہنی پر چڑھ گیا، اچانک اُسے ایک طرف ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ درختوں کے پتوں میں جھانکنے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ فصیل پر کوئی پہریدار مشعل

اٹھائے گشت کر رہا ہے۔ روشنی قریب آگئی اور اس نے دیکھا کہ اس کے اوپر درخت کی ایک ٹہنی فصیل کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ سعد معمولی سے جدوجہد کے بعد درخت کی ٹہنی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ مشعل بردار سپاہی اب دور جا چکا تھا سعد آہستہ آہستہ اس شاخ کی طرف بڑھ رہا تھا جو اُسے فصیل کے قریب تر دکھائی دیتی تھی۔ بادل کے ایک سیاہ ٹکڑے سے تیسرے پہر کا چاند نمودار ہوا اور فصیل کے پار سعد کو دریا کا چمکتا ہوا پانی دکھائی دینے لگا۔ اب وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت اس کی مدد پر ہے۔ اگر وہ اس شاخ سے کود کر فصیل پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے تو دریا میں کود کر بچ نکلنا اس کے لیے مشکل نہ ہو گا لیکن اپنے نیچے گھنی ٹہنیوں اور پتوں کے باعث اس کے لیے اس شاخ اور فصیل کے درمیانی فاصلے کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مشعل بردار دوبارہ گشت کرتا ہوا آیا۔ سعد شاخ پر ذرا اور آگے بڑھنے کے بعد اُسے اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ وہ قریب آیا تو سعد نے شمع کی روشنی میں اندازہ لگایا کہ یہ شاخ فصیل سے قریباً دو آدمیوں کے قد کے برابر بلند ہے اور اگر وہ اس سے نکلنے والی ایک اور شاخ پر کوئی تین گز آگے جا سکے تو وہ فصیل کے عین اوپر پہنچ جائے گا اور وہاں سے لٹک کر فصیل پر اترنا کوئی مشکل نہ ہو گا۔ مشعل والا پہریدار آگے نکل گیا اور چند قدم دور جا کر دو تیر اندازوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

سعد درخت کی پتلی شاخ کے ساتھ لٹکتا ہوا آگے بڑھا اور ٹہنی آہستہ آہستہ نیچے جھکنے لگی۔ پھر اچانک ایک تڑتڑاہٹ کے ساتھ شاخ ٹوٹ گئی اور سعد اس کے ساتھ ہی فصیل پر آ رہا۔ دوسرے لمحے اس سے تھوڑی دور پہریداروں کی کمانوں سے تیر نکلے اور اس کے ساتھ ہی سعد نے کوئی دس گز کی بلندی سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ایک تیر اس کی دائیں ران میں پیوست ہو چکا تھا۔ لیکن چند غوطے لگانے کے بعد وہ فصیل کے پہریداروں کے تیروں کی زد سے محفوظ تھا اور پہریدار ایک دوسرے کو آوازیں دے کر خبردار کر رہے تھے۔ سعد کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ تھوڑی دیر میں محل کے پہریداروں کے علاوہ پولیس اور فوج کے سینکڑوں سپاہی دریا کے کنارے پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ اس نے پوری قوت کے ساتھ دریا کے بہاؤ کی سمت

تیرنا شروع کیا۔ محل کی دیوار کے اختتام کے ساتھ ان وسیع باغات کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، جہاں صبح شام اشبیلیہ کے بے فکر لوگ سیر و تفریح کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ سعد دریا سے نکل کر ایک باغ میں داخل ہوا۔ چند گز بھاگنے کے بعد اس نے زخمی ران کے پٹھوں میں کھچاؤ اور درد کی شدید ٹیسیں محسوس کیں۔ اس نے اچانک رُک کر ہاتھ کے ایک جھٹکے سے تیر نکال کر پھینک دیا اور پھر پوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ اب وہ باغات کا سلسلہ عبور کرنے کے بعد ایک کھلے میدان میں پہنچ چکا تھا۔ ایک چھوٹی سی نہر باغات کو سیراب کرتی ہوئی اس میدان میں سے گزرتی تھی۔ سعد اس نہر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ اچانک اُسے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور وہ نہر میں چھلانگ لگا کر منہ کے بل گھٹنے گھٹنے پانی میں لیٹ گیا۔ پندرہ کے قریب سوار نہر کے قریب پہنچ کر رُکے۔ ایک سوار نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اگر وہ اس طرف آیا ہے تو یقیناً کسی باغ میں چھپا ہوا ہو گا۔ جب تک پیادہ فوج کا دستہ نہیں پہنچتا، تم اس طرف خیال رکھو۔ پانچ آدمی میرے ساتھ آئیں۔ ہم دریا کے کنارے پہرا دیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی کشتی میں چھپا ہو۔"

سعد کچھ دیر بے حس و حرکت نہر میں لیٹا رہا۔ چند سوار اس کے آس پاس گشت لگا رہے تھے۔ ٹانگ میں گہرے زخم کے باعث اس کا کافی خون ضائع ہو چکا تھا اور وہ اپنے جسم میں نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر پیادہ فوج اس طرف آ نکلی تو اس کے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔

اچانک باغ کی طرف آدمیوں کا شور سنائی دیا اور ایک سوار نے کہا "اب وہ باغ میں پہنچ گئے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں اس جگہ کی بجائے باغ کے ساتھ ساتھ پہرا دینا چاہیے۔" سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آگے بڑھے اور سعد نے اپنے دل میں پھر امید کی حرارت محسوس کی۔ وہ کچھ دیر ہاتھوں اور پاؤں کے بل نہر کے اندر چلتا رہا اور پھر باہر نکل کر بھاگنے لگا۔

میدان عبور کرنے کے بعد اس کے سامنے شہر کا وہ محلہ تھا جہاں رؤسا اور سرکاری

حکام کے مکانات تھے۔ وہ ایک گلی میں سے گزرنے کے بعد ایک کشادہ سڑک پر پہنچ کر دریا کی طرف مڑا۔ اچانک ایک مسجد دیکھ کر اس نے محسوس کیا کہ اس کی منزلِ مقصود زیادہ دور نہیں لیکن مسجد سے آگے ادریس کے مکان تک کوئی ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ تھا۔ اب قدم اٹھانا اس کے لیے دوبھر ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ کوئی سو گز معمولی رفتار سے چلنے کے بعد اُسے اپنے پیچھے چند آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی — سعد چاند کی روشنی سے بچنے کے لیے سڑک کے کنارے اونچے مکانات کی دیواروں کے سائے میں چلنے لگا۔ اب اس کی رفتار خود بخود تیز ہو رہی تھی۔ ایک بلند درخت کے قریب وہ رُکا۔ یہ ادریس کے گھر کی نشانی تھی اور وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی یادداشت سے زیادہ قدرت کی کسی غیبی طاقت نے یہاں تک پہنچنے میں اس کی راہنمائی کی ہے۔ سڑک پر آنے والے پہریدار بہت قریب آ چکے تھے۔ سعد نے مڑ کر دیکھا، وہ تعداد میں چار تھے۔ ادریس کے مکان کی ڈیوڑھی بالکل سامنے تھی۔ اس سے چند قدم دور مہمان خانے کا پھاٹک تھا لیکن سعد کے لیے سیدھی سڑک پر آگے بڑھنے کا موقع نہ تھا۔ پھر اُسے یہ بھی خیال تھا کہ دروازے اندر سے بند ہوئے تو اس کے لیے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ پہریدار بہت قریب آ چکے تھے۔ سعد دیوار کے ساتھ چند قدم پیچھے ہٹ کر ایک تنگ گلی میں داخل ہوا اور اسے عبور کرنے کے بعد مکان کی دوسری طرف ایک کشادہ گلی میں جا نکلا۔

(۳)

میمونہ حسبِ معمول تہجد کی نماز کے لیے وضو کرنے کی نیت سے اپنے کمرے سے باہر نکلی تو سڑک کی طرف اُسے چند آدمی آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنائی دیے۔ کوئی کہہ رہا تھا "بھئی وہ آدمی نہیں چھلاوہ ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ وہ ابھی تک محل کے کسی گوشے میں چھپا ہوا ہو"

دوسرا کہہ رہا تھا — "لیکن میں نے اپنے کانوں سے کوتوال کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس نے بیرونی فصیل سے دریا میں چھلانگ لگا دی ہے۔"

تیسرا بولا "میرے خیال میں اب ہمیں واپس جانے کی بجائے دریا کے کنارے باغات کا رُخ کرنا چاہیے!"

"نہیں وہاں فوج کا دستہ پہنچ چکا ہے۔ ہمیں باقی رات اس محلے کے تمام راستوں کا پہرا دینا چاہیے —!"

"لیکن اگر وہ تیر کر دریا عبور کر گیا ہو تو؟"

"مجھے یقین ہے کہ نہ اس نے فصیل سے چھلانگ لگائی ہے اور نہ دریا عبور کیا ہوگا۔ وہ پہریداروں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر صدر دروازے سے باہر نکل گیا ہے اور اب وہ ہمیں اُلو بنا رہے ہیں۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"خدا معلوم۔ ہمیں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک خوبصورت اور دراز قامت نوجوان ہے اور غرناطہ کا رہنے والا ہے۔"

"اشبیلیہ میں غرناطہ کے سینکڑوں آدمی ہوں گے۔ انشاء اللہ صبح تک تم یہ سنو گے کہ رات کے وقت بیسیوں نوجوان گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

میمونہ کے دل میں کئی خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ دبے پاؤں ڈیوڑھی کی طرف بڑھی۔ ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں نوکروں کے خراٹے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ میمونہ ڈیوڑھی میں داخل ہوئی۔ وہاں بوڑھا نوکر جسے اس نے رات کے وقت ہوشیار رہنے کے لیے کہا تھا بے خبری کی حالت میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میمونہ کچھ دیر وہاں کھڑی پہریداروں کی باتیں سنتی رہی۔ جب وہ آگے نکل گئے، تو اس نے نوکر کو جگایا اور کہا "دیکھو تم بہت غیر ذمہ دار ہو! سپاہی شاید سعد کو تلاش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے، کہ وہ یہاں تک آئے ہوں اور دروازہ بند دیکھ کر واپس چلے گئے ہوں۔"

نوکر نے کہا "دروازہ اندر سے کھلا ہے۔ میں نے کنڈی نہیں لگائی۔ وہ یہاں نہیں آئے

میں ابھی سو گیا تھا۔ اندلسیا ہی ان کی تلاش میں کب آئے ؟"

میمونہ نے کہا "وہ سڑک پہ پھر رہے ہیں۔ میں نے ان کی باتیں سُنی ہیں"

اچانک حسن نے ڈیوڑھی کے دوسرے دروازے سے، جو دیوان خانہ کے صحن کی دوسری طرف کھلتا تھا، اندر سے جھانکتے ہوئے کہا "بہن میمونہ! ہم جاگ رہے ہیں۔ بھائی جان اس طرف نہیں آئے"

میمونہ نے کہا "تم نے پہریداروں کی باتیں سنی ہیں؟"

"ہاں ہم پھاٹک کے ساتھ کھڑے تھے۔ آپ اندر جائیں۔ یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں!"

میمونہ اپنے دل پر ایک بوجھ لیے واپس مڑی۔ اچانک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ مکان کی چھت پر کھڑی ہو کر مکان کے آس پاس تمام راستے دیکھ سکے گی۔ وہ تیزی سے صحن عبور کر کے سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک صحن کے ایک کونے سے کسی بھاری شے کے نیچے گرنے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر اس طرف دیکھا اور مبہوت سی ہو کر رہ گئی۔ ایک دراز قامت آدمی دیوار کے سائے سے نکل کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور چاند کی دھندلی اور پھیکی روشنی میں اس کی صورت دیکھ کر میمونہ کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آگئیں۔

اجنبی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "گھبرائیے نہیں میں سعد ہوں" ——— اور میمونہ جیسے کوئی سپنا دیکھ رہی تھی۔ کوشش کے باوجود اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ سعد جسے اس نے ہمیشہ اپنے آسمان کے ستاروں میں دیکھا تھا، اس کے سامنے بے چارگی کے عالم میں کھڑا تھا۔ اُس کا لباس پانی اور کیچڑ سے لت پت تھا۔

سعد نے مکان کے مردانہ حصّے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے کہا "میرے بھائی شاید اس طرف ہوں گے؟"

"آپ زخمی ہیں" میمونہ نے اضطراری حالت میں آگے بڑھ کر کہا "وہ آپ کا بھی کنبہ ہیں۔ آپ میرے ساتھ آئیں! مکان کا وہ حصّہ محفوظ نہیں۔ میں انھیں اندر بلا لوں گی"

سعد کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، وہ کچھ کہے بغیر برآمدے کی طرف بڑھا اور ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

میمونہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "آئیے!"

سعد نے آہستہ سے کہا "آپ تکلیف نہ اٹھائیں۔ مجھے چکر آگیا تھا۔ میں ابھی ٹھیک ہو جاؤں گا"

اچانک صحن کی دوسری طرف دروازہ کھلنے کی چڑچڑاہٹ سنائی دی اور حسن نے دیوان خانے کے کمرے سے نمودار ہو کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "بہن! کیا بھائی جان یہاں ———!"

سعد کو دیکھ کر اس نے اپنا فقرہ پورا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور ایک ہاتھ سے سعد کا بازو پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر میں ڈالتے ہوئے کہا "بھائی جان آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"میں ٹھیک ہوں"

میمونہ نے کہا "انھیں بالائی منزل کے کمرے میں لے چلیں۔ میں ان کے لیے بستر تیار کرتی ہوں" یہ کہہ کر میمونہ نے اپنے کمرے سے جلتی ہوئی مشعل اٹھائی اور سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ اتنی دیر میں احمد بھی آپہنچا اور اس نے سعد کا دوسرا بازو پکڑ لیا۔

(۴)

تھوڑی دیر بعد جب پڑوس کی مسجد میں صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ احمد اور حسن اپنے بھائی کے زخم پر پٹی باندھنے اور اُسے ادریس کے فالتو کپڑوں سے ایک جوڑا پہنانے کے بعد بستر پر لٹا چکے تھے اور میمونہ ساتھ والے کمرے کے نیم وا دروازے کے پیچھے کھڑی اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

سعد نے اطمینان کا سانس لیتے ہی اپنے بھائیوں سے پوچھا "ادریس سو رہا ہے؟"

احمد نے جواب دیا "وہ یہاں نہیں ہیں۔ وہ کل طلیطلہ روانہ ہو گئے تھے"

"وہ کس لیے؟"

"وزیرِ خزانہ، الفانسو کا خراج لے کر گیا ہے اور وہ انھیں اپنے ساتھ لے گیا ہے"

سعد نے کہا: "لیکن مجھے ادریس نے نہیں بتایا کہ وہ طلیطلہ جا رہا ہے، ورنہ میں اس حالت میں یہاں نہ آتا۔"

اس مرحلے پر میمونہ نے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی اور وہ دروازے کی آڑ سے جھجکتے ہوئے بولی: "وزیر خزانہ کا حکم غیر متوقع تھا۔ اس لیے وہ آپ سے مل کر نہ جا سکے۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد سعد نے احمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "احمد! تم سورج نکلتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور الیاس کے پاس پہنچ کر ان سے کہو کہ وہ اشبیلیہ کی حدود میں قیام نہ کریں۔ اشبیلیہ میں کئی لوگوں نے انہیں میرے ساتھ دیکھا ہے۔ ممکن ہے، کہ کوئی انہیں پہچان لے۔ ایک دو دن یہاں کی پولیس غرناطہ کی سڑک پر سفر کرنے والوں کا بہت خیال رکھے گی۔ اس لیے انہیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیے اور تم بھی ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور گھر پہنچ کر امی جان کو تسلی دو۔"

احمد نے جواب دیا: "بھائی جان! جب تک آپ اس حالت میں ہیں میں گھر نہیں جاؤں گا۔ میں الیاس کو آپ کا پیغام دے کر واپس لوٹ آؤں گا۔"

"نہیں!" سعد نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا: "تمہیں واپس آنے کی اجازت نہیں۔ تم میرے ایک ساتھی کی حیثیت میں شاہی مہمان خانے کے داروغہ سے مل چکے ہو۔ وہاں تمہیں کئی اور آدمیوں نے بھی دیکھا ہوگا۔ پھر سرائے کا مالک اور اُس کے نوکر تو کہیں گئے نہیں۔ اگر کسی کو تم پر شبہ ہُوا تو ان سے تمہاری شناخت کروائی جائے گی۔"

"بھائی جان! یہ خطرہ تو ہم سب کے لیے یکساں ہے۔"

"تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہم سب ایک سا خطرہ مول لیں۔ میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ حسن بھی یہاں رہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر تم دونوں کو جانے کے لیے کہوں تو تم بغاوت پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ میرے زخم کے متعلق تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بہت سا خون بہہ جانے کے باعث نڈھال ہو گیا تھا۔ ایک دو دنوں تک میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں

گا اور اس وقت تک میری دیکھ بھال کے لیے حسن کافی ہے۔ یہاں کوئی مورچہ سنبھالنا ہوتا تو تمہیں گھر جانے کے لیے نہ کہتا.... لیکن ہمیں یہاں چھپ کر رہنا پڑے گا اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہاں چھپنے والوں کی تعداد دو ہے یا تین، تمہیں میرے متعلق یقیناً پریشانی رہے گی لیکن ہمیں امی جان کی پریشانی کا بھی خیال کرنا چاہیے۔"

احمد نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد کہا: "بھائی جان! اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟"

سعد نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال پوچھو گے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں ایک لاحاصل بحث میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھتا۔"

"بہت اچھا بھائی جان میں جاتا ہوں۔"

سعد نے کہا: "لیکن ابھی نہیں۔ تمہیں طلوع آفتاب کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ بہت چوکس ہوں گے۔ ادریس کے سائیس سے کہو کہ وہ تمہارا گھوڑا شہر کے جنوبی دروازے سے باہر لے جائے اور تم خود یہاں سے ایک نوکر کا لباس پہن کر پیدل جاؤ۔ اپنی زرہ وغیرہ یہیں چھوڑ جاؤ!"

میمونہ نے دوسرے کمرے سے کہا: "میں سب انتظام کر دیتی ہوں۔"

سعد نے کہا: "جاؤ احمد تیاری کرو!"

طلوعِ آفتاب کے وقت احمد ادریس کے ایک نوکر کا لباس پہن کر سعد کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ کمرے سے نکل کر چند سیڑھیاں نیچے اترنے کے بعد وہ کچھ سوچ کر واپس مڑا اور دوسرے کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر بولا: "بہن میمونہ! آپ کو یقین ہے کہ بھائی جان کے لیے یہ جگہ محفوظ ہوگی؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کے نوکروں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟"

میمونہ نے کہا: "آپ فکر نہ کریں مجھے اپنے نوکروں پر اعتماد ہے۔"

"حسن کی شکل بھائی جان سے بہت ملتی ہے۔ آپ حتی الوسع اسے باہر نہ نکلنے دیں!"

میمونہ نے جواب دیا۔ "آپ اطمینان رکھیں حسن بہت سمجھدار ہے۔ اپنی والدہ کو میرا سلام کہیں اور انھیں تسلی دیں۔"

احمد نیچے اترا تو حسن صحن میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ "اخی آپ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے امی جان پریشان ہوں اور چچا الیاس کو بھی یہاں آنے سے روکیں۔ ہم بھائی جان کے تندرست ہوتے ہی گھر پہنچ جائیں گے۔"

احمد نے کہا۔ "حسن یہ سب میرا قصور ہے۔ اگر بھائی جان کو کوئی تکلیف ہوئی تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ بھائی جان کا بال بیکا تک نہیں ہوگا۔ یہ لوگ کل تک پھر اپنے جشن میں محو ہو جائیں گے۔"

احمد نے کہا۔ "میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو گئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھائی جان کو اشبیلیہ میں تلاش نہیں کریں گے۔"

حسن نے چونک کر کہا۔ "دیکھیے بھائی جان! خدا کے لیے آپ کوئی خطرناک قدم نہ اٹھائیں۔ آپ وعدہ کریں کہ سیدھے گھر جائیں گے؟"

احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں سیدھا گھر جا رہا ہوں، تم میمونہ سے قلم اور دوات لے آؤ۔ جلدی کرو!"

حسن بھاگ کر اوپر سے قلم اور دوات لے آیا۔ احمد نے اپنی جیب سے وہ کاغذ نکالا جس پر اس نے معتمد اور ابن عمار کی ہجو لکھی ہوئی تھی، اس پر چند اور الفاظ لکھنے کے بعد کاغذ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

حسن نے کہا۔ "بھائی جان مجھے بتا کر جائیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ اس وقت بتاؤں گا جب تم غرناطہ پہنچو گے۔ اچھا خدا حافظ!" احمد نے ڈیوڑھی کی طرف بڑھتے ہوئے

[illegible] دروازے تک اس کے ساتھ آیا۔ جب احمد باہر نکلا تو وہ دیر تک نم آلود [illegible] سے سڑک کی طرف دیکھتا [illegible]

بھیڑیوں کی شکارگاہ

سعد فطرتاً ایک نڈر سپاہی تھا۔ اور اس کے نزدیک قوم کے مستقبل کے مقابلے میں اپنی زندگی کی کوئی حقیقت نہ تھی جب وہ معتمد کے پہریداروں کے شکنجے سے نکل کر بھاگا تھا تو بھی موت کے خوف کی بجائے اس کے دل میں یہی جذبہ موجزن تھا کہ ایک بلند نصب العین کے لیے اسے زندہ رہنا چاہیے اور اب جبکہ ادریس کے مکان کے ایک کمرے میں بستر پر پڑا ہوا تھا، اُسے معتمد کے سپاہیوں سے کہیں زیادہ اسی قسم کے خیالات پریشان کرتے تھے کہ اب اندلس کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے سامنے یہ سوال .... نہ تھا کہ وہ اس مکان سے نکل کر غرناطہ کیوں کر پہنچے گا۔ بلکہ وہ ہر وقت یہی سوچتا تھا کہ قوم کو تباہی اور ذلت کے گڑھوں سے نکال کر فلاح و ترقی کی شاہراہ پر لانے کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ معتمد کے دربار میں جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس نے اپنے لیے ایک دشوار راستہ منتخب کیا ہے۔

میمونہ کے متعلق اگرچہ وہ یہی سوچتا تھا کہ زندگی کا ایک اور حادثہ انھیں پھر ایک بار ایک دوسرے کے قریب لے آیا ہے اور اس کی زندگی کی کٹھن راہوں میں کوئی مقام ایسا نہیں آیا جہاں کوئی دم ٹھہر کر وہ میمونہ کی تمنا کر سکتا ہو۔ تاہم وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ آنے والی زندگی کے ہنگاموں نے اگر اُسے کبھی ماضی کے متعلق کوئی حسین خواب دیکھنے کی مہلت دی تو وہ میمونہ کے متعلق ہوں گے۔ میمونہ کو چند برس کے بعد اس نے پہلی بار اس وقت چاند کی دھندلی روشنی میں دیکھا تھا جب کہ زخم اور تھکاوٹ سے نڈھال ہونے کے باعث اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہی پھیل رہی تھی۔ پھر اس وقت جب ایک رات اُسے صبح

بخار تھا اور پچھلے پہر حسن اس کے قریب کرسی پر اونگھتے اونگھتے سو گیا تھا تو اس نے کراہتے ہوئے پانی مانگا تھا اور میمونہ جس نے برابر کے کمرے میں شاید تمام رات آنکھوں میں کاٹی تھی، اس کے لیے پانی لے آئی تھی۔ سعد نے چند گھونٹ پانی پینے کے بعد ایک ثانیہ کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر آنکھیں بند کر لی تھیں ——— میمونہ نے اپنے کمرے کی طرف لوٹتے ہوئے اچانک اس سے سوال کیا تھا "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں، مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اتنی تکلیف دی ہے۔"

اور وہ منہ پھیر کر آہستہ سے یہ کہنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھی "کاش میں آپ کی تکلیف میں حصہ دار بن سکتی!"

اس کے بعد وہ روبصحت تھا تو میمونہ دن میں چند بار دروازے کی آڑ میں کھڑی ہو کر حسن سے اس کے متعلق پوچھ لیا کرتی تھی ..... اور سعد کے کانوں میں دیر تک اس کی دلکش اور میٹھی آواز گونجا کرتی تھی۔ وہ دوسرے کمرے یا برآمدے میں اس کے پاؤں کی آہٹ سنتا تو اس کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو جاتی اور وہ تھوڑی دیر کے لیے تصورات کے عجیب و غریب محل تعمیر کرنے لگ جاتا۔ لیکن اچانک وہ کسی تلخ احساس کے ماتحت چونک اٹھتا اور تصورات کے یہ محل مٹی کا انبار بن کر رہ جاتے۔ اس مٹی کے انبار سے اندلس کے حال کی بھیانک تصویریں نمودار ہوتیں اور اس کی زندگی کا پیمانہ تلخیوں سے لبریز ہو جاتا۔ اس کے سامنے وہ بے حس حکمران قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے جو اندلس کی لاش کو گدھوں کی طرح نوچ رہے تھے۔ اسے اس دشمن کی افواج نظر آنے لگتیں جو اندلس کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہتا "میں یہاں کب تک پڑا رہوں گا! مجھے بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے؟"

میمونہ کے احساسات اس سے مختلف تھے، وہ سعد کو اس دن سے اپنا سمجھتی تھی جب وہ ان کے ایک مددگار کی حیثیت میں قرطبہ پہنچا تھا۔ کم سنی کے زمانے میں وہ

کے لیے اپنے دل میں ایک بے پناہ عقیدت لے کر قرطبہ سے اشبیلیہ آئی تھی۔ اس کے بعد جوانی کی منزل میں قدم رکھتے ہوئے جب وہ اشبیلیہ میں اپنی ہم عمر سہیلیوں سے شہر کے نوجوانوں کے متعلق سنا کرتی تھی تو وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ دنیا میں ایک انسان جسے صرف وہ جانتی ہے ان سب سے زیادہ حسین، بہادر، نیک اور رحم دل ہے۔ مستقبل کی طرف اس کا ہر قدم اس یقین کے ساتھ اٹھ رہا تھا کہ وہ کسی دن ضرور آئے گا۔ اُسے انتظار تھا۔ ایک ایسا انتظار جس کی لذت اضطراب پر غالب تھی۔ وہ ہر نماز کے بعد اس کے لیے دُعا کیا کرتی تھی اور ہر دُعا کے بعد اپنے دل میں یہ تسکین محسوس کیا کرتی تھی۔ کہ سعد اس کا ہے۔ وقت اور بُعد کے پردے ان کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے۔ وہ ضرور آئے گا۔ پھر جب شہزادہ رشید اس کی طرف مائل ہوا تو وہ اپنے دل میں ایک بے چینی سی محسوس کرنے لگی ——— کبھی کبھی وہ دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو اس کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں، وہ کہتی "سعد تم کہاں ہو! تم مجھے بھول تو نہیں گئے۔ تم کب آؤ گے؟"

اور اب سعد اس کے گھر میں تھا۔ اب وہ یہ سوچا کرتی کہ اس کا اشبیلیہ میں آنا اور اس کا زخمی ہو کر اس کے گھر ٹھہرنا محض اتفاقی حادثہ نہیں۔ اسے قدرت کی وہ ان دیکھی طاقتیں کھینچ لائی ہیں جنہیں وہ پچھلے پہر کی دُعاؤں میں پکارا کرتی تھی ——— یہ جانتے ہوئے کہ معتمد کے سپاہی اس کی تلاش میں ہیں، وہ مطمئن تھی..... اُسے یقین تھا کہ قدرت کے جو ہاتھ اُسے کھینچ کر میرے پاس لے آئے ہیں کسی بیرونی قوت کو اس پر غالب نہیں آنے دیں گے ——— سعد کے سامنے اس نے اپنے دل کی دھڑکنیں ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسے اپنے مستقبل کے متعلق کوئی شبہ نہ تھا..... وہ تصورات کے ایسے محل تعمیر کر رہی تھی جو کبھی مسمار نہیں ہوتے۔

(۲)

میمونہ پہلے دن سعد کے علاج کے لیے ایک طبیب کو بلانا چاہتی تھی لیکن سعد اس تجویز کے خلاف تھا۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میرا زخم معمولی ہے۔ اس لیے وہ مجبوراً اس دوائی پر اکتفا کرتی رہی جو گھر میں موجود تھی لیکن دوسرے روز سعد کے زخم کی تکلیف بڑھ گئی اور اس کے

ساتھ اسے بخار بھی ہو گیا تو میمونہ نے اپنا ایک نوکر بھیج کر ایک عمر رسیدہ طبیب کو بلا لیا۔ میمونہ کی ماں موت سے پہلے اس طبیب کے زیر علاج رہ چکی تھی اور میمونہ اور ادریس کے لیے اس کے دل میں پدرانہ شفقت پیدا ہو چکی تھی اور وہ اُسے چچا جان کہا کرتے تھے۔ پہلے دن جب بوڑھا طبیب سعد کا زخم صاف کر کے اس پر دوائی لگا رہا تھا تو میمونہ چہرے پر نقاب ڈالے اس کے قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔ "چچا! یہ بھائی جان کے دوست ہیں۔ ہم ان کی بدولت قرطبہ سے نکل کر یہاں پہنچے تھے۔ یہ ایک حادثے میں زخمی ہو کر یہاں پہنچے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پولیس شہر میں کسی اجنبی کو تلاش کر رہی ہے۔ اگر آپ نے کسی سے ذکر کر دیا کہ ہمارے گھر میں ایک زخمی آپ کے زیر علاج ہے تو ممکن ہے کہ وہ خواہ مخواہ انھیں پریشان کریں۔"

طبیب خاموشی سے میمونہ کی باتیں سُنتا رہا۔ حسن جو ایک نوکر کے لباس میں وہاں کھڑا تھا طبیب کی خاموشی پر سخت پریشان تھا۔ طبیب نے زخم پر پٹی باندھنے کے بعد حسن کی طرف دیکھا اور قدرے پریشان ہو کر میمونہ سے سوال کیا۔ "یہ کون ہے؟"

میمونہ نے جواب دیا۔ "یہ ان کے ساتھ آیا ہے۔"

طبیب نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! مجھے سمجھانے کی بجائے تمہیں اپنے نوکروں کو تاکید کرنی چاہیے کہ وہ ان کے متعلق باہر کسی سے بات نہ کریں اور مجھے بلانے کے لیے بھی کسی نوکر کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ میں مناسب وقت پر خود آجایا کروں گا۔ اگر یہ ادریس کے دوست نہ بھی ہوتے تو بھی ان کی تیمارداری اور حفاظت میرا فرض ہے، آج اندلس کو ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے۔"

"تو آپ انہیں جانتے ہیں۔ معاف کیجیے......!"

طبیب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "انھیں ایک بار دیکھنے کے بعد کسی کو غلط فہمی نہیں ہو سکتی کہ یہ کون ہیں۔ لیکن میں ایک بات سے حیران ہوں کہ یہ بات پولیس کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ یہ زخمی ہو کر یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو یقین ہو چکا ہے کہ یہ اشبیلیہ کی سرحد

ور کر چکے ہیں۔ میرے خیال میں وہ ان کے ساتھی ہوں گے۔"

سعد نے اچانک بستر سے سر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "پولیس کو کیسے علوم ہوا کہ میرے ساتھی اشبیلیہ کی سرحد عبور کر چکے ہیں؟"

"آپ اٹھنے کی کوشش نہ کریں!" طبیب نے سعد کو دوبارہ بستر پر لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو سارا واقعہ سناتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے اندلس کی مائیں بانجھ نہیں ہوئیں۔ اب عجیب و غریب باتیں ظہور میں آنے والی ہیں۔ میں پولیس کے ایک زخمی سپاہی کو دیکھنے کے لیے گیا تھا۔ مجھے اس کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کل صبح شہر کے جنوبی دروازے کے باہر ایک درسگاہ کے دروازے پر ایک کاغذ چسپاں تھا۔ جس پر معتمد، ابنِ عمار اور ملکہ رمیکیہ کے متعلق ایک دلچسپ نظم لکھی ہوئی تھی۔ مکتب میں داخل ہوتے وقت کسی طالب علم نے یہ کاغذ دیکھ لیا اور اس کے شور مچانے پر کئی اور طالب علم وہاں جمع ہو گئے۔ زندہ دل شاعر نے نظم کے اختتام پر یہ لکھا ہوا تھا کہ کل رات معتمد کے دربار میں حق کی آواز پہلی بار بلند کی گئی ہے۔ اب اہلِ اشبیلیہ کا فرض ہے کہ وہ اس آواز کو خاموش نہ ہونے دیں اگر مجھے موقع ملتا تو اشبیلیہ چھوڑنے سے پہلے یہ نظم معتمد کو سنا دیتا لیکن اب میں جا رہا ہوں اور ہر نوجوان پر یہ فرض عائد کرتا ہوں کہ وہ یہ نظم معتمد کے ایوانوں سے لے کر عوام کے جھونپڑوں تک پہنچائے اور کئی طالب علموں نے یہ نظم نقل کر لی۔ دروازے پر ان کا ہجوم دیکھ کر استاد بھی وہاں جمع ہو گئے۔ ایک معلم نے لڑکوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر نظم پڑھی تو اس نے دروازے سے کاغذ اتار لیا اور پاس ہی پولیس کی چوکی میں لے گیا۔ پولیس نے تحقیقات کی تو کسی نے بتایا کہ اس نے مکتب کھلنے سے تھوڑی دیر پہلے ایک سوار کو دیکھا تھا جو میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر دروازے پر کوئی کاغذ چسپاں کیا تھا۔ اَن پڑھ ہونے کے باعث وہ اس میں کوئی دلچسپی نہ لے سکا۔ مزید سوالات کا جواب دیتے ہوئے اس نے بتایا کہ دروازے پر خنجر کے ساتھ کاغذ چسپاں کرنے کے بعد اس کا رُخ فلاں سڑک کی طرف

تھا۔ پولیس کے سواروں نے اس کا پیچھا کیا۔ راستے میں لوگوں سے اس کا پتہ پوچھتے ہوئے جب وہ شہر سے چار پانچ کوس دور ایک سرائے کے قریب پہنچے تو وہاں سے چند سوار نکل رہے تھے سرائے کے مالک سے استفسار پر انھیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کل سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ابھی ایک اور نوجوان جو شابدان کا نوکر تھا۔ یہاں آیا تھا اور اس کے آتے ہی وہ سب گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں سے نکل گئے ہیں۔ پولیس نے ان کا پیچھا کیا لیکن مقابلے میں پولیس کو پسپا ہونا پڑا۔ چھ سپاہی تیروں سے زخمی ہو کر واپس آئے ہیں۔ وہ زخمی سپاہی جسے میں دیکھنے کے لیے گیا تھا صرف اتنا دعویٰ کرتا ہے کہ کم از کم اُن کے ایک گھوڑے کی ٹانگ اُس کے تیر سے زخمی ہوئی ہے۔"

حسن جو کچھ دیر پہلے بہت فکر مند تھا اب بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔

سعد نے سوال کیا۔ "آپ کو یقین ہے کہ وہ اشبیلیہ کی سرحد عبور کر گئے ہیں؟"

"مجھ سے زیادہ پولیس والوں کو اس بات کا یقین ہے۔ آج صبح میں مسجد میں گیا تھا تو وہاں بھی یہی باتیں ہو رہی تھیں۔"

"پولیس کا کوئی اور دستہ ان کے تعاقب میں نہیں گیا؟"

"پولیس چھوڑ کر وہ شاید فوج بھیجنے کی بھی کوشش کرتے لیکن انھیں ایک مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ کل آن کی آن میں اس نظم کی نقلیں شہر کی باقی تمام درسگاہوں میں پہنچ چکی تھیں۔ دوپہر تک کئی مسجدوں، درسگاہوں، گھروں، یہاں تک کہ بعض وزراء کے مکانات کے دروازوں پر بھی یہ نظم چسپاں تھی۔ پولیس ان اشتہاروں کو اتار رہی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اتارنے والوں کی نسبت لکھ کر چسپاں کرنے والوں کے ہاتھ زیادہ مستعد ہیں آج صبح تو یہ حالت تھی کہ مسجد کے صحن میں کئی اشتہار بکھرے ہوئے تھے۔ رات کو میرے مکان کے دروازے پر بھی کوئی ایسا اشتہار چسپاں کر گیا۔ وہ میں نے اتار لیا ہے۔ شاید میری جیب میں ہوگا۔

طبیب نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالتے ہوئے سعد کے ہاتھ میں دے دیا۔ سعد نے پڑھا، پہلا شعر یہ تھا:

"اشبیلیہ کے جدت پسندوں نے الفاظ کا قدیم مفہوم بدل دیا ہے
اب بزدلوں کو بہادر اور لومڑیوں کو شیر کہا جاتا ہے۔"

سعد کے چہرے پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا، احمد تم بہت شریر ہو۔ حسن نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا اور ایک نظر دیکھنے کے بعد میمونہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپا جان یہ وہی نظم ہے۔"

طبیب نے کہا۔ "میرے خیال میں اب ہمارے درمیان کوئی راز نہیں رہا۔ میمونہ آپ کو یہ اطمینان دلا سکتی ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے لیکن کم از کم چار دن اور چلنے پھرنے سے پرہیز کیجیے!! میں صرف اپنی تشویش دور کرنے کے لیے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ شاعر کون تھا؟"

سعد نے اطمینان سے جواب دیا۔ "وہ میرا بھائی ہے؟"

"میرا بھی یہی خیال تھا اور یہ بھی شاید آپ کا بھائی ہے؟" طبیب نے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حسن نے کہا۔ "دیکھیے آپ بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں!"

طبیب نے کہا۔ "بیٹا تم فکر نہ کرو!"

جوں جوں سعد کی حالت بہتر ہو رہی تھی، اُسے ایک کمرے میں چھپ کر رہنا صبر آزما محسوس ہو رہا تھا۔ شہر سے میمونہ کی بعض سہیلیاں اس سے ملنے آیا کرتی تھیں۔ اس لیے وہ عام طور پر نچلے حصے میں رہا کرتی تھی۔ مہمانوں کے لیے کھانا بھی وہ اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھی ابتدا میں جب کہ سعد کو زیادہ تکلیف تھی، وہ صبح سے شام تک کئی بار اوپر آتی اور ساتھ والے کمرے میں کھڑی ہو کر حسن سے اس کے متعلق پوچھتی۔ دو راتیں جب سعد کو سخت بخار تھا اس نے برابر والے کمرے میں بیٹھ کر گزاری تھیں اور اس کے بعد جب سعد کی حالت بہتر ہونے لگی تو وہ بار بار اُوپر آنے میں ایک جھجک سی محسوس کرنے لگی۔ تاہم علی الصباح بستر سے اٹھتے ہی اور رات کے وقت سونے سے پہلے جب تک وہ اُوپر جا کر حسن سے اس کے بھائی کے متعلق پوچھ

Scanned by iqbalmt

نہ لیتی اُسے چین نہ آتا۔ الغرض وہ ذرا تاخیر سے کام لیتی تو حسن خود پیچھے چلا جاتا اور اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہتا۔ "آپا جان! آج بھائی جان کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔"

(۳)

ایک دن دوپہر کے وقت زیاد کی بہن میمونہ کے پاس آئی اور دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اچانک سعد اور حسن کو نچلی منزل میں شور سنائی دیا۔ حسن جلدی سے اٹھ کر برآمدے میں گیا۔ نیچے میمونہ بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں نے تم سے اس دن کہا تھا کہ میں اس بے غیرت کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی۔ اگر تمہارا بھائی اس کا ساتھی ہے تو وہ بھی بے غیرت ہے اور تم بھی جو انہیں خوش کرنے کے لیے دوسروں کی عزت کا سودا کرتی پھرتی ہو..... خدا کے لیے یہاں سے چلی جاؤ۔ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا!"

زیاد کی بہن برآمدے کی سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں آگئی اور اس نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میمونہ یاد رکھو! تم ذلیل و خوار ہو کر اُس کے پاؤں پر سر رکھو گی۔ میں تمہیں اس کی ملکہ دیکھنا چاہتی ہوں لیکن تم اس کی کنیز بننا بھی پسند کرو گی۔ اندلس میں کوئی قلعہ ایسا نہیں جس کی دیواریں اسے تمہارے پاس پہنچنے سے روک سکیں!"

میمونہ ایک بجلی کی سی تیزی کے ساتھ برآمدے سے صحن میں نمودار ہو کر چلائی۔ "نکل جاؤ یہاں سے! جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ ... کتے دیر تک من مانی نہیں کیا کرتے۔"

اب سعد بھی اپنے کمرے سے برآمدے میں آچکا تھا اور حسن کے قریب ایک ستون کے پیچھے کھڑا ہو کر نیچے دیکھ رہا تھا۔ میمونہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ زیاد کی بہن مرعوب سی ہو کر باہر کے دروازے کا رُخ کر رہی تھی۔ ڈیوڑھی کے قریب پہنچ کر اس نے دوبارہ مڑ کر میمونہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم پچھتاؤ گی میمونہ!"

"نکل جاؤ یہاں سے!" میمونہ یہ کہہ کر چند قدم آگے بڑھی اور زیاد کی بہن بھاگ کر باہر نکل گئی۔ میمونہ چند ثانیے دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ خادمہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے

پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا!" میمونہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آگئی۔ اس کا چہرہ آگ کے انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔

سعد نے حسن کی طرف دیکھا اور کہا۔ "حسن جاؤ اُسے تسلی دو!"

حسن نیچے پہنچا تو میمونہ کے کمرے سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔

"بہن کیا ہوا؟" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

میمونہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حسن جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ میمونہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے کھڑی تھی۔

"آپا جان آپ رو رہی ہیں۔ خدا کی قسم، کسی مرد نے آپ کا دل دکھانے کی جرأت کی ہوتی تو میں یہ ثابت کر دیتا کہ آپ کا بھائی بے غیرت نہیں۔ لیکن وہ ایک لڑکی تھی۔"

"تم نہیں جانتے۔" میمونہ نے دوبارہ سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

حسن نے قدرے تذبذب کے بعد کہا۔ "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ ادریس کی غیر حاضری میں آپ کے دو اور بھائی یہاں موجود ہیں اور ہماری لاشیں روندے بغیر کوئی اس گھر کا رُخ نہیں کر سکتا!"

فرش پر کاغذ کے چند پرزے بکھرے ہوئے تھے۔ میمونہ نے اپنے آنسو پونچھنے کے بعد انہیں ایک ایک کر کے اٹھایا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد حسن سے مخاطب ہو کر بولی۔ "وہ یہ خط لے کر میرے پاس آئی تھی۔ میں نے غصے کی حالت میں پھاڑ دیا تھا۔ یہ پرزے اپنے بھائی کے پاس لے جاؤ!"

تھوڑی دیر بعد سعد کاغذ کے پرزے جوڑ کر پڑھ رہا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"بہن میمونہ! میں آپ کے پاس اپنی بہن کو بھیج رہا ہوں، وہ زبانی آپ کو تمام ان تمام خطرات سے آگاہ کر دے گی جو آپ کے افسوسناک طرزِ عمل کے باعث ادریس کو پیش آ سکتے ہیں۔ شہزادہ رشید ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنی توہین برداشت

کرنے کے عادی ہوں۔ اگر آپ نے اس کی محبت کا مذاق اڑانے کی جرأت کی تو اس کا انتقام بہت خطرناک ہوگا۔ یقیناً آپ خوش نصیب ہیں کہ قرطبہ کا گورنر آپ سے محبت کی بھیک مانگتا ہے لیکن اگر وہ چاہے تو آپ کو پابہ زنجیر بھی اپنے پاس بلا سکتا ہے۔ اگر اس نے انتقام لینے کی ٹھان لی تو آپ اور آپ کے بھائی کے لیے کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہوگا۔ کیا آپ یہ گوارا کریں گی کہ آپ کو ہمیشہ کے لیے قید خانے کے کسی تاریک گوشے میں پھینک دیا جائے؟

میں یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ میں ادریس کا دوست ہوں۔ مجھے آپ کے ساتھ وہی ہمدردی ہے جو کہ ایک شخص کو اپنے دوست کی بہن کے ساتھ ہونی چاہیے۔ میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ قرطبہ جانے سے پہلے شہزادہ رشید ادریس کے متعلق اپنے خطرناک عزائم کا اظہار کر چکا ہے۔ ممکن ہے کہ اُسے واپسی پر راستے ہی میں گرفتار کر لیا جائے۔ حکومت کے ایک ایسے ملازم کو جس پر شہزادہ رشید جیسا بااثر آدمی خفا ہو، گرفتار کرنے کے لیے سینکڑوں وجوہات تلاش کی جا سکتی ہیں اور اس کے بعد آپ کی جو حالت ہوگی اس کا اندازہ آپ خود لگا لیں۔ اگر آپ شہزادہ رشید کی رفیقۂ حیات بننا قبول کر لیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نہ صرف اپنی قسمت پر ناز کریں گی بلکہ ادریس کے لیے ترقی اور عزت کے تمام راستے کھل جائیں گے ــــ میرے متعلق آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ مجھے صرف اپنے عزیز ترین دوست اور اس کی بہن کی بھلائی منظور ہے۔ آپ قطعی فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ مجھے براہِ راست ہمکلام ہونے کا موقع دیں۔ آپ یا تو میری بہن کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لے آئیں، ورنہ مجھے اجازت دیں کہ شام سے پہلے خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں ــــ مجھے امید ہے کہ آپ ادریس کے لیے مصیبت کا باعث

نہیں بنیں گی۔ آپ کا ادنیٰ خادم زیاد

خط پڑھنے کے بعد سعد کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ حسن بدستور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر کبھی غصے اور کبھی تفکرات کے آثار ظاہر ہو رہے تھے کہ سیڑھیوں پر کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ حسن نے باہر جھانکا اور پھر اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ اوپر آ رہی ہیں!"

سعد نے کہا "حسن تم غرناطہ جانے کے لیے تیار ہو جاؤ! ادریس کی بگھی اور گھوڑے یہیں ہیں؟"

"جی ہاں!"

"تم میمونہ کے ساتھ بگھی پر جاؤ گے اور میں طلیطلہ جاؤں گا" یہ کہہ کر سعد اٹھا اور برابر والے کمرے کے دروازے کے قریب جا کر بولا: "میمونہ تمہارے لیے یہ جگہ محفوظ نہیں ..... تم حسن کے ساتھ غرناطہ جانے کے لیے تیار ہو جاؤ! میں بہت جلد ادریس کو لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اب شام ہونے والی ہے اور رات تمہارے سفر کے لیے موزوں نہیں۔ تمہیں صبح کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں کچھ دیر پہلے یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا اور شہر کے جنوبی دروازے سے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔ وہاں سے میں کچھ دور تمہارا ساتھ دوں گا اور اس کے بعد میں طلیطلہ کا رُخ کروں گا۔ اپنے نوکروں کو یہ سمجھا دینا کہ اگر کوئی تمہارے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تو وہ یہ کہہ دیں کہ تم کسی سہیلی سے ملنے کے لیے گئی ہو۔ اس طرح تمہیں کم از کم ایک دن کسی خطرے کے بغیر سفر کرنے کا موقع مل جائے گا!"

میمونہ کی خاموشی پر سعد نے کہا "تمہیں میری تجویز پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ان حالات میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔ اشبیلیہ اب بھیڑیوں کی شکارگاہ بن چکا ہے۔ تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ میں زیاد کو جانتا ہوں۔ اس سے ہر ذلت کی امید کی جا سکتی ہے!"

میمونہ نے مغموم آواز میں جواب دیا "میں جانتی ہوں کہ میرے لیے اور کوئی راستہ نہیں لیکن آپ ابھی سفر کے قابل نہیں ہوئے۔"

سعد نے جواب دیا "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ حسن اور آپ کا بوڑھا نوکر اس بات کی گواہی دے گا کہ میں ویسے بھی یہاں سے رخصت ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔"

نے کہا: "میں تیار ہوں!"

(۴)

عشاء کی نماز سے تھوڑی دیر بعد میمونہ بالائی منزل کے کمرے سے اپنے سفر کے لیے ضروری سامان جمع کرنے کے بعد نیچے اتر رہی تھی کہ ڈیوڑھی کی طرف سے اُسے اپنے بوڑھے نوکر کی آواز سنائی دی: "آپ کو معلوم نہیں کہ ادریس گھر میں نہیں۔ اس وقت آپ کا کسی شریف آدمی کے گھر میں داخل ہونا ٹھیک نہیں!"

کسی نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا: "بدمعاش! تم نہیں جانتے، میں کون ہوں۔ خاموش رہو ورنہ مار ڈالوں گا!"

"میں جانتا ہوں، آپ شہر کے کوتوال ہیں۔ آپ ادریس کے دوست ہیں۔ آپ کے لیے مکان کا دوسرا حصہ کھلا ہے۔ اِس طرف اُن کی ہمشیرہ رہتی ہیں۔ یہ مناسب نہیں"

میمونہ جلدی سے نیچے پہنچی اور برآمدے میں کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی۔ تاریکی میں اُسے آدمی بوڑھے نوکر کو دھکے دے کر باہر نکالتے ہوئے دکھائی دیے۔ باقی نوکر بھی صحن میں جمع ہو چکے لیکن مسلح آدمیوں کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ ایک آدمی نے نوکروں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "تم گھبراؤ نہیں، میں ادریس کی بہن کے پاس ایک ضروری پیغام لے کر آیا وہ کہاں ہے؟"

میمونہ کی خادمہ برآمدے کے دوسرے کونے میں سہمی کھڑی تھی .... میمونہ بھاگتی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھی۔ زینے کے دروازے پر سعد اور حسن کھڑے تھے، وہ اُن سے بات کیے بغیر ایک کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں سے کمان اور ترکش اٹھا کر اوپر کے برآمدے میں کھڑی ہو گئی۔ وہ ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان میں چڑھا رہی تھی کہ سعد نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: "میمونہ ٹھہرو! میری بات سُنو! وہ بہت زیادہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ باہر بھی بہت سے آدمی ہوں گے۔ تم کسی طرح زیاد کو اوپر بلا لو۔ جلدی کرو۔ ورنہ وہ

اوپر آ جائیں گے۔ ہم اپنے کمرے میں ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ موقع ملنے پر ہم زیاد کی بزدلی سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔"

سعد، حسن کو اپنے کمرے میں لے گیا اور شمع بجھا کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

نیچے صحن میں زیاد چلّا رہا تھا: "بتلاتے کیوں نہیں میمونہ کہاں ہے؟ بہت اچھا اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ہم خود تلاش کر لیتے ہیں!"

"کون ہے؟" میمونہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

زیاد نے چند قدم آگے بڑھ کر اوپر دیکھتے ہوئے جواب دیا: "آپ کا خادم زیاد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

اِن الفاظ میں ایک ناقابلِ برداشت طنز تھی لیکن میمونہ نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا: "تمہیں ایک لڑکی کو پریشان کرنے کے لیے پوری فوج لانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"یہ چند سپاہی آپ کی عزت افزائی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ایک لمحے کے لیے نیچے تشریف لانے کی تکلیف فرمائیں گی یا میں اوپر حاضر ہو جاؤں!"

"مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کا راستہ نہیں روک سکتی۔ خادمہ انھیں اوپر آنے کا راستہ دکھا دو۔"

زیاد سپاہیوں کو دروازے پر ٹھہرنے کا حکم دے کر خادمہ کی رہنمائی میں اوپر پہنچا تو میمونہ نے کہا: "خادمہ! انھیں کمرے میں بٹھاؤ میں ساتھ والے کمرے سے بات کروں گی!"

زیاد اس کے طرزِ عمل سے حیران بھی تھا اور خوش بھی۔ وہ اطمینان سے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میمونہ ساتھ والے کمرے میں جہاں سعد اور حسن کھڑے تھے چلی گئی اور درمیانی دروازے کے ساتھ کھڑی ہو کر بولی: "تو تم میرے بھائی کے ساتھ دوستی کا ایک اور ثبوت دینے کیلیے آئے ہو؟"

زیاد نے جواب دیا: "میں آپ کے ساتھ زیادہ باتیں نہیں کروں گا۔ میرے ذمے یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ میں آپ کو عزت اور احترام کے ساتھ قرطبہ پہنچا دوں۔ آپ کے لیے باہر گاڑی کھڑی ہے۔ آپ کے انکار کی صورت میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ شہزادہ رشید

سے روانہ ہونے سے قبل اس بات کا انتظام کر گیا ہے کہ جب آپ کا بھائی قسطلہ سے واپس آئے تو اشبیلیہ کی آخری سرحدی چوکی کے سپاہی اُسے قرطبہ پہنچا دیں۔ پھر اُسے کسی بہتر عہدے پر فائز کروانا یا قید خانے میں بھجوانا آپ کے بس کی بات ہوگی۔"

میمونہ نے کہا "میں صرف ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ اگر میری جگہ آپ کی بہن ہوتی تو تم کیا کرتے؟"

زیاد نے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "دیکھیے میں آپ کے ساتھ بحث کرنے نہیں آیا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں، کہ آپ چلنے کے لیے تیار ہیں یا میں سپاہیوں کو آواز دوں؟"

سعد نے آہستہ سے حسن کے کان میں کچھ کہا۔ پھر دبے پاؤں آگے بڑھا اور میمونہ کو ایک طرف ہٹانے کے بعد اس نے اچانک دروازہ کھول دیا۔ زیاد چونک کر کرسی سے اٹھا لیکن اس سے پیشتر کہ اس کے منہ سے آواز نکلتی، سعد کی تلوار کی نوک اس کے سینے کے ساتھ چھو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی برآمدے کی طرف سے حسن کمرے میں داخل ہوا اور اس کی تلوار کی نوک زیاد کی گردن کو چھونے لگی۔

زیاد مبہوت کھڑا تھا۔ سعد نے کہا "اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی، تو یہ تلواریں تمہاری زبان کے مقابلے میں زیادہ تیز اثر ثابت ہوں گی۔ بیٹھ جاؤ!"

زیاد کچھ کہے بغیر بیٹھ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی سعد اور کبھی حسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔

سعد نے کہا "اٹھو!" اور وہ کچھ کہے بغیر دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سعد نے اپنے چہرے پر حقارت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا "تم ہمیشہ سے بزدل تھے!"

حسن نے آگے بڑھ کر پہلے اس کے نیام سے تلوار نکال لی پھر اس کا خنجر اپنے قبضے میں لے لیا۔

سعد نے کہا "ڈرو نہیں زیاد! ہم اپنے ہاتھ ایک بزدل آدمی کے خون سے غلیظ نہیں

کریں گے چلو باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہو کہ اب تمہاری ضرورت نہیں۔ دیکھو یاد رکھو تھوڑی سی بے احتیاطی تمہیں آنکھ جھپکنے کی دیر میں تمہارے اسلاف کے پاس پہنچا دے گی... حسن! ا تم شمع اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور میمونہ سے کہو کہ وہ فوراً تیار ہو جائے۔ چلو زیاد!"

زیاد پر سعد کے الفاظ سے زیادہ تلوار کے اشارے نے اثر کیا اور وہ بادلِ ناخواستہ اس کے آگے آگے برآمدے میں نکل آیا۔ سعد سمٹ کر اس کے پیچھے کھڑا تھا اور اس کی تلوار کی نوک زیاد کی پسلیوں سے چھو رہی تھی... اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "تم وعدہ کرتے ہو کہ تمہارے حکم کی تعمیل کے بعد میری جان محفوظ ہوگی؟"

سعد نے کہا "میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب ہم خطرے کی زد سے باہر نکل جائیں گے تو تم اطمینان سے اپنے گھر جا سکو گے۔"

زیاد نے ذرا آگے بڑھ کر نیچے جھانکتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا "اب تمہاری یہاں ضرورت نہیں۔ تم جا سکتے ہو!"

نیچے سے ایک سپاہی نے کہا "بگھی نہیں رہے گی؟"

زیاد نے مڑ کر سعد کی طرف دیکھا اور اس نے آہستہ سے "ہاں" کہہ دیا۔ زیاد پھر نیچے جھانکتے ہوئے بولا "ہاں بگھی یہیں رہے گی۔"

"ہم سب چلے جائیں؟"

زیاد نے پھر سعد کی طرف دیکھا۔ سعد نے پوچھا "باہر کتنے آدمی ہیں؟"

"دو سوار" اس نے جواب دیا۔

"انھیں کہو سوار وہیں کھڑے رہیں۔"

زیاد نے بلند آواز میں کہا "سوار وہیں کھڑے رہیں۔"

سپاہی باہر نکل گئے تو سعد نے حسن سے کہا "حسن تم نیچے جا کر معلوم کرو کہ اس نے غلط بیانی سے تو کام نہیں لیا اور دو نوکروں کو اوپر بھیج دو۔ میمونہ تم کونے کے کمرے میں شمع جلاؤ۔"

زیاد چلو ——!

زیاد کو دوسرے کے کمرے میں لے جا کر سعد نے اس کی قبا اتروائی۔ اتنی دیر میں میمونہ کے دو نوکر اوپر آ گئے اور سعد نے انھیں مضبوط رسیاں لانے کا حکم دیا۔

حسن سڑک پر بگھی اور سواروں کو دیکھنے کے بعد ہانپتا ہوا اوپر آیا اور اس نے کہا "بھائی جان! بگھی کے کوچوان اور دو سواروں کے علاوہ وہاں ایک اور آدمی موجود ہے۔ میں بگھی کے قریب نہیں جا سکا۔ شاید اندر بھی کوئی بیٹھا ہوا ہو۔"

سعد نے اپنی تلوار کی نوک زیاد کی شاہ رگ پر رکھ دی اور کہا "زیاد! تم ہمیں دھوکا دے کر نہیں بچ سکتے۔ ہم کسی اور خطرے کا مقابلہ کرنے سے پہلے تمھیں ختم کر دینا ضروری سمجھیں گے۔"

زیاد نے انتہائی عجز کے ساتھ کہا "آپ یقین کریں میں نے جھوٹ نہیں کہا۔ اس نے غور سے نہیں دیکھا۔ وہ رشید کا خواجہ سرا ہے۔ بگھی کے اندر اور کوئی نہیں۔"

سعد نے کہا "ہم ابھی دیکھ لیں گے۔ تم میرے ساتھ باہر نکل کر انھیں اندر بلاؤ اور کہو کہ اوپر آ کر ضروری سامان لے جائیں۔ حسن! تم نیچے جاؤ!"

زیاد، سعد کی تلوار کے اشارے پر باہر نکل آیا اور برآمدے سے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں کے نام لے لے کر آوازیں دینے لگا۔ زیاد کے حلق سے مجبوری کی حالت میں جو آوازیں نکل رہی تھیں، وہ اس لیے بھی موثر ثابت نہ ہوئیں کہ خواجہ سرا اپنی بلند اور موٹی آواز میں سواروں کو کوئی دلچسپ واقعہ سنا رہا تھا —— حسن نے ڈیوڑھی میں پہنچ کر انھیں اس طرف متوجہ کیا اور وہ اپنے گھوڑے سائیس کے سپرد کر کے اندر داخل ہوئے۔

خواجہ سرا ان کے آگے تھا۔ اس نے صحن میں پہنچتے ہی شور مچانا شروع کیا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ اب آدھی رات ہو چکی ہے۔ شہزادہ راستے میں پریشان ہو رہا ہوگا —— انھوں نے کہا تھا کہ جب تک ہم نہیں پہنچیں گے وہ کھانا نہیں کھائے گا!"

زیاد کی خاموشی پر سعد نے اپنی تلوار پر تھوڑا سا دباؤ دینے کے بعد آہستہ سے کہا "بلاؤ انھیں!"

زیاد نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم یہاں [illegible]
دو، ہم تیار ہیں۔"

خواجہ سرا نے پوچھا "اوپر آنے کا راستہ کہاں ہے؟ ہمیں تاریکی میں کچھ پتہ نہیں چلتا...... وہ شمع کہاں ہے جو قرطبہ کی محفلوں کی زینت بننے والی ہے؟"

حسن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "میرے ساتھ آؤ!"

(5)

سعد نے زیاد کو اندر دھکیلتے ہوئے میمونہ کے نوکروں کو اشارہ کیا اور انھوں نے اسے رسیوں سے باندھنا شروع کیا۔

زینے پر خواجہ سرا شور مچا رہا تھا "توبہ کتنی تاریکی ہے۔ ارے دیکھو تم مجھے پیچھے سے کیوں دھکیل رہے ہو۔"

ایک سپاہی کہہ رہا تھا "تم آرام سے بگھی میں کیوں نہیں بیٹھے؟"

اوپر کے برآمدے میں پہنچ کر خواجہ سرا اور اس کے ساتھی ایک ثانیہ کے لیے رکے۔ دو کمروں کے دروازے کھلے تھے لیکن اندر تاریکی تھی۔ تیسرے کمرے کا دروازہ روشن تھا۔

"آپ کہاں ہیں؟" خواجہ سرا نے کہا۔

پیچھے سے حسن نے کہا "آگے چلو!"

خواجہ سرا آگے بڑھا لیکن سپاہی تذبذب کی حالت میں وہیں کھڑے رہے۔ معاً سعد ایک کمرے سے نمودار ہوا اور اس نے ایک سپاہی کو گلے سے دبوچ لیا۔ دوسرا سپاہی تلوار نکال رہا تھا کہ حسن نے پیچھے سے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ کر مروڑ ڈالی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر خنجر رکھتے ہوئے کہا "تمھاری جدوجہد فضول ہے۔ اگر تم نے کوئی حرکت نہ کی تو تمھارے جسم پر خراش تک نہیں آئے گی۔"

خواجہ سرا کو روشنی سے جس قدر محبت تھی اسی قدر اب نفرت ہو رہی تھی۔ پیش

کمرے کے دروازے کے قریب کھڑا کانپ رہا تھا۔ میمونہ باہر نکلی اور چمکتی ہوئی تلوار اس کی توند کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "اگر تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو ....." میمونہ نے اپنا فقرہ پورا کرنے کی بجائے تلوار ذرا آگے بڑھا دی اور خواجہ سرا نے دہشت کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد سعد، حسن اور میمونہ کے نوکر ان تینوں کو زیاد کے قریب لٹا کر رسیوں سے جکڑ رہے تھے .... اور میمونہ ان کے قریب کھڑی اپنے ماضی کے اس دن کا تصور کر رہی تھی .... جب قرطبہ میں سعد ان کی مدد کے لیے پہنچا تھا ... قرطبہ میں اس کے بچپن اور اشبیلیہ میں اس کی جوانی کے درمیان برسوں اور مہینوں کا خلا پر ہو چکا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ سعد ہمیشہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کی دنیا ہمیشہ مکمل تھی۔

حسن نے کہا۔ "اب صرف کوچوان باقی ہے۔ میں اسے لے آتا ہوں!"

سعد نے کہا۔ "اسے نیچے کسی کمرے میں بند کر دو۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

حسن ایک نوکر کو ساتھ لے کر نیچے اتر گیا۔ سعد نے باقی نوکروں سے کہا۔ "ہم بہت دور جا رہے ہیں تم میں سے جو ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہیں وہ فوراً اصطبل سے اپنے لیے گھوڑے تیار کر لیں!"

بوڑھے نوکر نے جواب دیا۔ "ہم میں سے کوئی بھی اس شہر کا باشندہ نہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ جائیں گے اور اصطبل سے زیادہ گھوڑے لے جانے کی ضرورت نہیں۔ سپاہیوں کے دو گھوڑے نیچے کھڑے ہیں۔ سائیس بگھی پر ہوگا۔"

"بہت اچھا۔ صرف حسن کے گھوڑے پر زین ڈال دو!" یہ کہنے کے بعد سعد خادمہ کی طرف متوجہ ہوا اور وہ آگے بڑھ کر بولی۔ "میرا کوئی گھر نہیں۔ میں میمونہ کے ساتھ جاؤں گی!"

سعد نے میمونہ سے کہا۔ "تم فوراً اپنا ضروری سامان لے لو۔ لیکن جلدی!"

"میں کب کی تیار ہو چکی ہوں۔" یہ کہہ کر میمونہ ایک نوکر کو دوسرے کمرے میں لے گئی اور ایک چھوٹا سا صندوق اس کے حوالے کر دیا۔

سعد نے میمونہ سے مخاطب ہوتے ہوئے سپاہیوں کو ... علیحدہ علیحدہ کمروں میں

ڈال کر دروازے بند کر دیے اور خواجہ سرا کو چھت کی طرف جانے والے زینے میں بند کر دیا۔ اتنی دیر میں حسن نے واپس آکر اطلاع دی کہ وہ کوچوان کو نیچے بند کر آیا ہے۔

"حسن! تم میمونہ اور خادمہ کو بگھی میں بٹھاؤ اور نوکروں سے کہو کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو جائیں میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر سعد کونے کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں شمع جل رہی تھی۔ زیاد فرش پر منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ سعد نے اسے پیٹھ کے بل لٹاتے ہوئے کہا۔ "زیاد! میں جا رہا ہوں۔ تمہارے آقا کل تک تمہیں تلاش کر لیں گے۔ ان سے کہہ دینا کہ میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں پھر آؤں گا اور میرے ہمرکاب وہ طوفان اور زلزلے ہوں گے جو اشبیلیہ کے حکمران خاندان کی بنیادیں ہلا دیں گے۔ میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں اور مجھے تم سے ہر برائی کی توقع ہے لیکن یاد رکھو، اگر ادریس کا بال بیکا ہوا تو معتمد کا کوئی قلعہ تمہارے لیے محفوظ نہیں ہوگا ___ کم از کم اپنی جان کے خوف سے تمہیں شہزادہ رشید کو کوئی ذلیل مشورہ نہیں دینا چاہیے!"

زیاد کے ہاتھ پاؤں بری طرح رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور منہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے نے اس کی زبان بند کر رکھی تھی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں زبان حال سے یہ کہہ رہی تھیں۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔ اس دن شاہی محل کے دروازے پر تمہارے ساتھ میری پہلی ملاقات نہ تھی میں نے اس سے پہلے بھی کہیں تمہیں دیکھا تھا لیکن کہاں؟ کب؟ اس کے دماغ پر ماضی کے دھندلے نقوش ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر تھے۔ سعد نے شمع بجھائی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

(۶)

تھوڑی دیر بعد بگھی وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میمونہ، اس کی خادمہ اور سعد اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن اور دو نوکر بگھی کے پیچھے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ادریس کا سائیس بگھی چلا رہا تھا اور خطرات کے باوجود شاہی اصطبل کے چار سفید اور برق رفتار گھوڑوں کو ہانکنے میں ایک فرحت محسوس کر رہا تھا۔ وہ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر اشبیلیہ سے باہر نکل آئے۔ کوچوان تاریکی کے باعث بگھی کو قدرے احتیاط کے ساتھ چلا رہا تھا۔ اشبیلیہ سے آٹھ کوس دور ایک ندی کے پل کے پاس

انھیں ایک سوار ملا۔ اس نے چلا چلا کر بگھی کو روکنے کی کوشش کی لیکن جب کوچوان نے بگھی کو نہ روکا تو اس نے جلدی سے گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا۔ بگھی آگے نکل گئی تو وہ پیچھے آنے والے سواروں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ حسن نے اپنا گھوڑا اس کے قریب لاتے ہوئے سوال کیا۔ "تم کون ہو؟"

اجنبی نے جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کر دیا۔ "زیاد اسی بگھی میں ہے نا؟"

"ہاں۔"

"اکیلا ہے یا کوئی اور بھی اس کے ساتھ ہے؟"

"اس کے ساتھ خواتین بھی ہیں۔ لیکن تم کون ہو؟"

"مجھے شہزادہ رشید نے بھیجا ہے۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"بس اب تم ان کے پاس پہنچنے ہی والے ہو۔ وہ یہاں سے کوئی دو کوس کے فاصلے پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگلے موڑ سے تمہیں ان کے پڑاؤ کی روشنی دکھائی دے گی۔"

تھوڑی دور جا کر کوچوان نے بگھی کو دائیں ہاتھ موڑ کر ایک اور سڑک پر ڈال دیا تو اجنبی چلایا۔ "ٹھہرو! بگھی کو روکو! یہ سڑک اس طرف نہیں جاتی ـــــ!" جب اس کی چیخ پکار بے اثر ثابت ہوئی تو اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بگھی کے آگے کر دیا۔ حسن نے اپنا گھوڑا بگھی کے ساتھ ملا کر کوچوان سے کہا۔ "بگھی روکو!"

کوچوان نے گھوڑوں کو روکا تو اجنبی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔ "دیکھیے کوچوان آپ کو دوسری سڑک پر لے جا رہا ہے۔"

سعد نے دروازے کا پردہ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ کوچوان نیا ہے۔ تم گھوڑے سے اتر کر اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور اپنا گھوڑا سپاہیوں کے حوالے کر دو۔"

اجنبی کو سعد کی آواز کچھ غیر مانوس سی محسوس ہوئی اور اس نے سوال کیا۔ "آپ کون ہیں؟"

اتنی دیر میں حسن اور اس کے ساتھی اجنبی کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔ حسن نے اپنی تلوار سے

اس کی ران پر ہلکا سا چوکہ لگایا اور کہا۔ "اترو!"

اجنبی کو تلوار کے علاوہ حسن کے دو اور ساتھیوں کے نیزے بھی اپنی طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دیے۔ اس کے ساتھ ہی سعد نے بگھی سے کود کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اجنبی مجبوراً گھوڑے سے اتر پڑا۔ سعد نے اس کا عمامہ اتار کر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ دیے اور اسے بگھی کے اندر دھکیلتے ہوئے کہا۔ "میمونہ! تم اس کا خیال رکھو۔ میں گھوڑے پر آتا ہوں۔"

حسن نے کہا۔ "بھائی جان! ہمیں اپنی توقع سے بہت زیادہ وقت مل جائے گا۔ رشید صبح سے پہلے دوسرا ایلچی نہیں بھیجے گا اور انھوں نے بہت زیادہ عقل سے کام لیا تو بھی غالباً دوپہر سے پہلے وہ ادریس کے مکان کی تلاشی نہیں لیں گے۔ صرف ایک خطرہ ہے کہ زیاد کے نوکر یا کوتوال کے سپاہی اس کی تلاش میں وہاں نہ پہنچ جائیں۔"

"مجھے یہ خطرہ نہیں۔ وہ سب جانتے ہوں گے کہ زیاد قرطبہ جا رہا ہے۔ جب وہ دروازے پر بگھی نہیں دیکھیں گے تو دور سے ہی یہ سمجھ کر واپس لوٹ جائیں گے کہ زیاد روانہ ہو چکا ہے زیاد کی تلاش ہر صورت میں دوپہر سے پہلے شروع نہیں ہو گی۔"

علی الصباح وہ ایک غیر آباد علاقے سے گزر رہے تھے۔ کوچوان نے بگھی کو روکتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں قیدی کو یہاں اتار دینا چاہیے۔"

سعد نے سوال کیا۔ "یہاں سے قریب ترین بستی کتنی دور ہو گی؟"

"تین میل کے دائرے میں یہاں کوئی بڑی بستی نہیں۔ کہیں کہیں چرواہوں اور کسانوں کے اکا دکا گھر ہیں اور وہ لوگ ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ قریب ترین پولیس کی چوکی یہاں سے کوئی آٹھ کوس دور ہو گی۔"

سعد نے قیدی کو بگھی سے اتار کر پہلے ایک درخت کے ساتھ باندھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بعد میں اُسے کچھ خیال آیا اور اس نے کہا۔ "انسانیت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں تمہیں بلاوجہ تکلیف نہ دوں۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں، تمہارے لیے یہ بہتر ہو گا کہ تم سیدھے اشبیلیہ جاؤ! وہاں ادریس کے مکان میں تنہا

شہر کا کوتوال بند ہے، اگر تم دوسروں سے پہلے اس کی مدد کے لیے پہنچ جاؤ، تو کم از کم اسے ممنون کر سکو گے شاید اپنے گھوڑے کے عوض تم اس کے اصطبل سے ایک گھوڑا بھی حاصل کر سکو.... اگر شہزادہ رشید ملے تو اس سے کہنا کہ وہ روزِ حساب کا انتظار کرے"۔

سعد نے قیدی کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور بگھی دوبارہ روانہ ہو گئی۔ کوئی دو کوس اور سفر کرنے کے بعد جب وہ ایک گھاٹی پر سے گزر رہے تھے، سعد نے اپنا گھوڑا بڑھا کر کوچوان کو اشارہ کیا اور اس نے بگھی روک لی۔

سعد نے کہا "گھوڑے بہت تھک گئے ہیں۔ میرے خیال میں صبح کے وقت ویسے بھی ہمارا سرکاری بگھی پر سفر کرنا ٹھیک نہیں اگلے شہر سے گزرتے ہوئے ہمیں لوگوں کی توجہ سے بچنا چاہیے"۔

حسن نے کہا "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رشید زیادہ دیر اپنے ایلچی کی واپسی کا انتظار کرنے کی بجائے خود اشبیلیہ چلا گیا ہو اور وہ اس وقت تک ہمارے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہو۔ ان گھوڑوں کو تازہ دم کرنے میں ہمیں وقت لگے گا کیوں نہ گھوڑے کھول کر بگھی کو یہاں چھوڑ دیں اور سڑک کی بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں؟"

"میں یہی سوچ رہا تھا"۔

کوچوان نے کہا "یہاں سے تھوڑی دور آگے ایک پگڈنڈی ہمارے گاؤں کی طرف جاتی ہے۔ اگر ہم وہاں پہنچ جائیں تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ ہمارا سفر طویل ضرور ہو جائے گا لیکن اس کا ایک یہ فائدہ ہو گا کہ ہم وہاں سے چند میل چلنے کے بعد اس سڑک پر پہنچ جائیں گے جو استجہ سے لوشہ کی طرف جاتی ہے۔ اس سے آگے ہمیں کوئی خطرہ نہیں"۔

سعد نے کہا "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ان راستوں سے واقف ہو تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتا۔ میرے خیال میں بگھی کو ٹھکانے لگانے کے لیے یہ جگہ موزوں ہے"۔

تھوڑی دیر میں وہ گھوڑوں کو کھولنے کے بعد بگھی کو سڑک سے نیچے ایک گہرے کھڈ کی طرف دھکیل چکے تھے۔ بوڑھے نوکر نے میمونہ کا مختصر سامان صندوق سے نکالا اور اُسے

ایک گٹھڑی میں باندھ کر اپنے آگے رکھ لیا۔ حسن اور دوسرے نوکر نے اپنے گھوڑے میمونہ اور اُس کی خادمہ کو دے دیئے اور خود بگھی کے گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو گئے کوچوان بھی بگھی کے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ چوتھا گھوڑا انھوں نے آزاد چھوڑ دیا۔

سڑک چھوڑ کر پگڈنڈی پر کچھ دیر چلنے کے بعد وہ کسانوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچے، ادریس کے سائیس کا گاؤں ابھی چند میل دور تھا لیکن ان کے گھوڑے جواب دے چکے تھے۔ سعد کو مجبوراً اس بستی میں اترنا پڑا۔ کسانوں نے انتہائی خلوص اور محبت سے ان کی میزبانی کی اور ان کے گھوڑوں کے لیے چارہ مہیا کیا۔ تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ غروبِ آفتاب سے قبل وہ دوسرے گاؤں میں پہنچ گئے۔ رات انھوں نے ادریس کے سائیس کے گھر میں کاٹی اور پچھلے پہر وہاں سے کوچ کیا۔

(۷)

اگلی رات وہ لوشہ پہنچ گئے۔ لوشہ کے چند نوجوان غرناطہ کے فوجی مکتب میں سعد کے ساتھ تعلیم پا چکے تھے۔ ان میں سے ایک لوشہ کے قاضی کا لڑکا تھا۔ سعد نے کسی سرائے میں قیام کرنے کی بجائے اس کا گھر تلاش کیا۔ قاضی کے لڑکے نے انتہائی تپاک سے سعد اور اس کے ساتھیوں کا خیر مقدم کیا۔ میمونہ اور اس کی خادمہ مکان کے زنانے حصے میں ٹھہریں اور سعد اور حسن اور نوکروں کو مہمان خانے میں جگہ دی گئی۔ سعد کے دوست اور قاضی نے دلچسپی کے ساتھ سعد کی سرگزشت سنی لیکن جب اس نے یہ کہا کہ ہم علی الصباح روانہ ہو جائیں گے تو قاضی نے کہا "بیٹا! اب اتنے تکلیف دہ سفر کے بعد خواتین کو آرام کی ضرورت ہے تمہیں یہاں دو تین دن ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ اب تم خطرے سے بہت دور آ چکے ہو"۔

سعد کے دوست نے زیادہ شدت کے ساتھ اصرار کیا کہ آپ کو کم از کم کل کا دن آرام لینا چاہیے۔

بالآخر سعد نے کہا "مجھے حسن اور باقی ساتھیوں کے یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہیں

لیکن میں یہاں سے تیسرے پہر روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے بہت جلد قسطلہ پہنچنا ہے۔ آپ کو مجھے ایک تازہ دم گھوڑا بھی دینا پڑے گا۔"

قاضی نے کہا۔ "آپ گھوڑے کی فکر نہ کریں لیکن قسطلہ آپ کس لیے جا رہے ہیں؟"

"میں آپ سے ذکر کر چکا ہوں، کہ اس لڑکی کا بھائی وہاں گیا ہوا ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ اگر اسے بروقت خبردار نہ کیا گیا تو اسے گرفتار کر کے قرطبہ پہنچا دیا جائے گا اور وہاں وہ شہزادہ رشید اور اس کے بدطینت مصاحبوں کے رحم و کرم پر ہو گا۔"

قاضی نے کہا۔ "پھر آپ کو ضرور جانا چاہیے۔ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو میں یہاں سے چند آدمی آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔"

سعد نے جواب دیا۔ "نہیں اس کام کے لیے ایک سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں۔"

قاضی نے کہا۔ "اس مہینے کی پندرہ تاریخ کو قاضی ابوالولید کی دعوت پر بیغہ میں قوم کے اکابر اور علماء کا ایک بہت بڑا اجتماع ہو گا۔ مجھے بھی ان کی دعوت آئی ہے۔ غرناطہ سے قاضی ابوجعفر بھی غالباً وہاں تشریف لائیں گے۔ قاضی ابوالولید حال ہی میں اندلس کا دورہ کر کے واپس آئے ہیں۔ وہ غالباً یہ تجویز پیش کریں گے کہ اندلس کے مختلف شہروں کے بااثر علماء ایک وفد کی صورت میں تمام ملوک الطوائف سے ملاقات کریں اور انھیں دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے پر آمادہ کریں۔"

سعد نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آج ملوک الطوائف سے زیادہ اسلام کا کوئی اور دشمن نہیں۔ وہ دنیا کی ہر ذلت اور رسوائی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اسلام کے نام پر کبھی متحد نہ ہوں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ متفق ہوں اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس اجتماع میں تم جیسے نوجوان موجود ہوں۔"

سعد نے کہا۔ "میں پندرہ تاریخ تک بیغہ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

(۸)

مکان کے دوسرے حصے میں میمونہ عشاء کی نماز پڑھنے اور کھانا کھانے کے بعد گھر کی خواتین کے ساتھ باتیں کرتے کرتے سو گئی۔ صبح کے وقت جب وہ گہری نیند سے بیدار ہوئی تو اس کی خادمہ اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہی تھی۔ "میمونہ! میمونہ!! اٹھو! نماز کا وقت جا رہا ہے!" میمونہ نے جلدی جلدی وضو کر کے نماز ادا کی اور خادمہ سے کہا۔ "دیکھو تم نے مجھے ذرا سویرے کیوں نہ جگا دیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم پچھلے پہر روانہ ہو جائیں گے۔ اتنی دیر ہو گئی۔ اب جا کر اُن سے کہو، کہ میں تیار ہوں!"

سعد کے دوست کی بہن جو پہلی ملاقات میں ہی میمونہ کے ساتھ بے تکلف ہو چکی تھی اُس کے قریب آ کر بولی۔ "بہن تیاری کی ضرورت نہیں، آج آپ یہیں رہیں گی۔ رات ابا جان نے ان سے اجازت لے لی تھی۔"

میمونہ نے اپنی خادمہ سے کہا۔ "یہ مذاق کرتی ہیں۔ جاؤ ان سے پوچھ کر آؤ!"

خادمہ نے جواب دیا۔ "وہ تو تیسرے پہر یہاں سے قسطلہ روانہ ہو گئے تھے۔"

"روانہ ہو گئے؟"

"ہاں میں ابھی حسن سے پوچھ کر آئی ہوں۔"

میمونہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی۔ سعد اُسے راستے ہی میں بتا چکا تھا کہ وہ لوشہ پہنچنے کے بعد قسطلہ روانہ ہو جائے گا لیکن اُسے یہ توقع نہ تھی کہ وہ جانے سے پہلے خدا حافظ بھی نہیں کہے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ یہاں سے ایک ساتھ کوچ کریں گے اور شہر کے کسی چوراہے پر سعد اُن سے علیحدہ ہو جائے گا ـــ قسطلہ میں سعد کی مہم خطرات سے خالی نہ تھی اور میمونہ راستے میں جب یہ سوچا کرتی تھی کہ وہ کن الفاظ کے ساتھ اُسے رخصت کرے گی تو اسے اکثر یہ محسوس ہوتا تھا کہ الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں میں دبے ہوئے احساسات کی ترجمانی کے لیے کافی نہیں اور اب جبکہ وہ اُسے خدا حافظ کہے بغیر رخصت ہو چکا تھا، سینکڑوں الفاظ اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ آپ واپس کب آئیں گے؟ میں آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔ دیکھیے یونہی کوئی خطرہ مول نہ لیجیے۔ آپ تنہا جا رہے ہیں اور وہ بھی اتنی دور ـــ کاش میں آپ کے ساتھ جا سکتی۔ کاش ـــ! میمونہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

ایک نئی مہم

سعد کی ماں ظہر کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی کہ اُسے صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے دُعا ختم کر کے دروازے کی طرف دیکھا تو سامنے حسن کھڑا تھا۔ ماں کا مرجھایا ہوا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ وہ اٹھی، حسن نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

"سعد کہاں ہے؟" ماں نے پوچھا۔

"امی جان وہ ہمیں توشہ پہنچا کر قسطلہ چلے گئے ہیں۔ چند دنوں تک آجائیں گے۔ ادریس کی ہمشیرہ میرے ساتھ آئی ہیں۔ وہ صحن میں کھڑی ہیں۔"

"کون میمونہ؟" حسن کی ماں یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ صحن میں میمونہ اور اس کی خادمہ کھڑی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر میمونہ کو گلے لگایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔

حسن نے اصطبل میں گھوڑے بندھوائے اور نوکروں کو ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں بٹھا دیا۔ اتنی دیر میں احمد اور الماس جو پاس ہی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے ہوئے تھے آگئے۔ الماس نے حسن کو دیکھتے ہی بلند آواز میں کہا۔ "حسن! خدا کی قسم اگر آج تم لوگ نہ آتے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے اشبیلیہ جانے سے نہ روک سکتی۔ احمد سے پوچھو۔ میں نے آج صبح قسم کھائی تھی کہ اگر سورج غروب ہونے سے قبل تمہاری کوئی اطلاع نہ ملی تو میں روانہ ہو جاؤں گا۔"

حسن نے کہا۔ "چچا یہ بھائی جان کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی۔"

"اچھا بھئی شکر ہے تم آگئے۔ سعد کہاں ہے؟"

"وہ ادریس کو لانے کے لیے قسطلہ چلے گئے ہیں۔"

"سچ کہو!"

"ہاں چچا! وہ ہمیں ... پہنچانے کے بعد وہاں روانہ ہو گئے تھے۔"

"تو میں بھی جاؤں گا!"

"آپ کو جانے کی ضرورت نہیں وہ انشاء اللہ آٹھ دس دنوں تک واپس آجائیں گے۔"

"اچھا مجھے تمام واقعات بتاؤ۔ سعد کو کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"نہیں چچا۔ آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر حسن نے قرطبہ سے احمد کی روانگی کے بعد کے تمام واقعات مختصراً بیان کر دیے۔ مکان کے ایک کمرے میں سعد کی والدہ میمونہ کی زبان سے یہی واقعات سن رہی تھی۔ سعد کی ماں کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی میمونہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اس گھر میں اجنبی نہیں۔

شام کے وقت سعد کی خالہ آئی اور میمونہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اگلے دن وہ پھر آئی اور سارا دن میمونہ کے پاس بیٹھی رہی اس کے بعد اس کا معمول تھا کہ وہ دن میں کم از کم ایک بار میمونہ کو دیکھنے کے لیے ضرور آتی تھی۔ ایک دن وہ میمونہ کے لیے نئے کپڑوں کے چار جوڑے لے آئی۔

میمونہ نے کہا۔ "خالہ جان آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔ میرے پاس پہلے ہی کئی فالتو جوڑے ہیں۔ کل امی جان نے بھی دو جوڑے منگوا دیے تھے۔"

"بیٹی! یہ حسن کے خالو نے بھیجے ہیں۔ وہ تمہیں اپنی بیٹی بنا چکے ہیں۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ تم ہمارے گھر آ کر رہو!"

"لیکن یہ بھی تو آپ ہی کا گھر ہے۔" یہ کہتے ہوئے میمونہ نے ایک لاجوردی رنگ کا ریشمی جوڑا نکالا اور کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ حسن کی خالہ نے کہا۔ "بیٹی! یہ رنگ میں نے پسند کیا تھا۔"

میمونہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے کہا۔ "میری اماں کو یہ رنگ بہت پسند تھا۔ وہ ہمیشہ مجھے یہی رنگ پہننے پر مجبور کیا کرتی تھیں۔"

حسن کی خالہ نے کہا۔ "بیٹی! مجھے بھی اپنی ماں سمجھو!"

رات کے وقت میمونہ اپنے بستر پر لیٹی حسن کی ماں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی حسن کی ماں نے کہا۔ "میمونہ! میری آپا جان کے کوئی اولاد نہیں۔ وہ مُصر ہیں کہ تم ان کے ہاں رہو"
میمونہ نے کہا۔ "امی جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کی خدمت کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھوں گی۔"

"اگر تم ان کی دلجوئی کر سکو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

اگلی صبح میمونہ حسن کی والدہ اور اپنی خادمہ کے ساتھ اس کی خالہ کے گھر میں داخل ہوئی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تھوڑی دیر میں وہ آس پاس کے گھروں کی خواتین کو بلا کر یہ کہہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر بھر کی دُعاؤں کے بدلے ایک جوان بیٹی عطا کی ہے۔
اس کے بعد میمونہ رات کے وقت حسن کی خالہ کے گھر رہتی اور دن کے وقت کبھی کبھی حسن کی ماں کے پاس چلی جاتی۔ ادریس کے دو نوکروں نے تین دن سعد کے گھر قیام کرنے کے بعد اپنے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ احمد نے انھیں ایک ایک گھوڑا اور میمونہ نے اپنی ذاتی پونجی میں سے پچاس پچاس دینار دے کر رخصت کیا۔ بوڑھے نوکر کو میمونہ کی سفارش پر حسن کے خالو نے اپنے پاس رکھ لیا۔

(۲)

شیخ ابو صالح اور اس کی بیوی ہر ممکن طریقے سے میمونہ کی دلجوئی کیا کرتے تھے۔ حسن، احمد اور ان کی والدہ بھی اس کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے لیکن اس کے باوجود میمونہ کبھی کبھی بے حد پریشان نظر آیا کرتی تھی۔ سعد اور اپنے بھائی کے متعلق اس کے دل میں طرح طرح کے خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ قسطلہ بہت دور ہے اور وہاں سے وہ جلدی واپس نہیں آسکتے، میمونہ صبح شام ان کا انتظار کیا کرتی تھی۔ ہر نئی صبح اور ہر نئی شام اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا ..... وہ کبھی کبھی کسی بات

پر مسکراتی لیکن اچانک اس کا چہرہ پژمردہ ہو جاتا۔
ایک شام وہ صحن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک حسن اندر داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "آپا جان!! بھائی ادریس آگئے!"

"کہاں ہیں وہ؟" اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
حسن نے پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "آئیے بھائی جان!"
ادریس اندر داخل ہوا۔ میمونہ اُٹھ کر آگے بڑھی اور بے اختیار اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔
ادریس نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم رو رہی ہو میمونہ! ۔۔۔ پگلی کہیں کی!"
میمونہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر سر سے پاؤں تک اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بھائی جان آپ خوشی کے آنسو بھی نہیں پہچان سکتے؟"
حسن کی خالہ نے ایک کمرے سے نکل کر کہا۔ "حسن! سعد کہاں ہے؟"
حسن نے جواب دیا۔ "خالہ جان وہ نہیں آئے۔"
میمونہ اب خوشی کے آنسو بہانے کی بجائے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا گلابی چہرہ زرد ہو رہا تھا۔
خالہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "کیا کہا سعد نہیں آیا؟"
ادریس نے کہا۔ "جی وہ بیغہ ٹھہر گیا ہے۔ وہاں ایک اجلاس ہو رہا ہے۔ وہ تین دن تک آجائیگا۔"
زندگی کی تمام رعنائیاں اور دلفریبیاں پھر ایک بار میمونہ کے چہرے پر مرکوز ہو رہی تھیں۔ "یہ میرے بھائی ہیں!" اس نے بوڑھی خالہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔
"بیٹی تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بھائی کو بھی نہیں پہچان سکتی ۔۔۔ چلو بیٹا اندر بیٹھو!"
ادریس نے کہا۔ "اب نماز کا وقت ہونے والا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"
"اچھا مجھے پہلے یہ بتاتے جاؤ کہ سعد بخیریت ہے نا؟"
"جی ہاں وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

Scanned by iqbalmt

میمونہ نے کہا "وہ آپ کو قسطلہ میں ملے تھے؟"

اندلیس نے جواب دیا "نہیں، وہ مجھے واپسی پر راستے میں مل گئے تھے۔"

میمونہ نے کہا "ٹھہرئیے بھائی جان! مجھے اپنی سرگزشت سنا کر جائیے!"

اندلیس نے کہا "میں قسطلہ سے واپس آرہا تھا۔ اشبیلیہ کی سرحد کی بیرونی چوکی پر مجھے پولیس کے ناظمِ اعلیٰ کا حکم ملا کہ میں گھر جانے کی بجائے سیدھا قرطبہ کا رُخ کروں۔ میں نے اصرار کیا کہ میں پہلے گھر جاؤں گا۔ چنانچہ چوکی کے داروغہ نے مجھے حکم عدولی کے جرم میں گرفتار کر لیا اور چار سپاہیوں کے پہرے میں قرطبہ کی طرف روانہ کر دیا۔ ہم وہاں سے کوئی دو کوس گئے ہوں گے کہ پیچھے سے ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا ہم سے آملا۔ اس نے سپاہیوں سے قرطبہ کا راستہ پوچھنے کے بہانے سے گھوڑا روکا اور پھر اپنے خود کا نقاب سرکا کر میری طرف دیکھنے کے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ یہ سعد تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" بوڑھی خالہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"پھر تھوڑی دور آگے جا کر اس نے مجھے قید سے چھڑا لیا —— ہم چند درختوں کے قریب سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک درخت کی آڑ سے یکے بعد دیگرے چند تیر آئے۔ دو سپاہی زخمی ہو گئے اور دو بھاگ گئے۔"

بوڑھی خالہ نے کہا "بیٹا اتنی جلدی نہ کرو۔ تم نماز پڑھ کر آؤ۔ میں سارا واقعہ سنوں گی۔"

(۳)

بیغر میں قاضی ابو الولید کے مکان کے ساتھ ایک کھلے میدان میں قوم کے اکابر کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اس اجلاس میں دو سو ایسے بااثر علماء شریک تھے، جو قاضی ابو الولید کی دعوت پر اندلس کے مختلف مقامات سے اس جگہ جمع ہوئے تھے۔ زیادہ تعداد ان جوشیلے لوگوں کی تھی جنہیں حالات نے کچھ عرصے سے قوم کے مستقبل کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ غرناطہ کا مشہور عالم قاضی ابو جعفر اس جلسے کا صدر تھا اور قاضی ابو الولید کی اس تجویز پر بحث ہو رہی

تھی کہ علما کا ایک وفد اندلس کے تمام حکمرانوں کے پاس جائے اور ان سے مطالبہ کرے کہ وہ نصرانی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد اور منظم ہو جائیں۔ پہلے دن جن مقررین نے اس بحث میں حصہ لیا ان میں سے اکثر اس تجویز کے حامی تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو اس مہم کی کامیابی کے متعلق پر امید نہ تھے۔ تاہم انھوں نے بھی اس چیز کی مخالفت نہ کی۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں ملوک الطوائف سے کوئی توقع نہیں، پھر بھی ہمیں کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

سعد پہلے دن ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں اس جلسے کی کارروائی سنتا رہا۔ آدھی رات کے بعد جلسے کی کارروائی اگلے دن پر ملتوی ہوئی۔

سعد نے باقی رات ایک سرائے میں قیام کیا۔ علی الصباح جب وہ نماز کے لیے مسجد میں گیا تو قاضی ابو جعفر وہاں موجود تھے۔ انھوں نے اُسے دیکھتے ہی سوال کیا "سعد تم یہاں کب آئے؟"

"میں پرسوں پہنچا تھا۔"

"غرناطہ میں مجھے احمد ملا تھا، اس نے مجھے تمہاری سرگزشت سنائی تھی۔ اب تمہارا زخم کیسا ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اس اجتماع کی کارروائی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں حیران ہوں کہ ابھی تک ہمارے بزرگ ہوائی قلعے تعمیر کر رہے ہیں۔ میں اس تجویز کے متعلق صرف آپ کے خیالات سننے کے لیے ٹھہر گیا ہوں۔"

"تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟"

"میں آپ سے صحیح رہنمائی کی توقع رکھتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ ابنِ عمار اور معتمد نے جو سبق ہمیں دیا ہے اس کی روشنی میں آپ ان لوگوں کو صحیح راستہ بتا سکیں گے۔"

قاضی ابو جعفر نے قدرے توقف کے بعد کہا "میری ذاتی رائے کچھ بھی ہو۔ مجھے صدر کی حیثیت میں اس مجلس کے متفقہ فیصلے کا احترام کرنا پڑے گا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ اس

مجلس میں تم جیسا نوجوان بھی خاموش بیٹھا رہا!"

سعد نے کہا "مجھے ڈر تھا کہ اتنی برگزیدہ شخصیتوں کی موجودگی میں کوئی میری رائے سننے کے لیے تیار نہ ہوگا۔"

"آج قوم کو ان بڈھوں اور اپاہجوں کی بجائے ان سر پھرے جوانوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے جن کی رگوں میں زندگی کا خون ہے۔ میں آج کے اجتماع میں تمہیں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی دعوت دوں گا۔ چلو!"

سعد قاضی ابوجعفر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا جلسہ گاہ میں پہنچا۔ لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری مجلس کی کارروائی شروع ہوئی۔ اب وہ علماء جنہوں نے ابھی تک اس بحث میں حصہ نہیں لیا تھا، باری باری اس تجویز کی تائید کر رہے تھے۔

جب تمام علماء اپنی اپنی رائے کا اظہار کر چکے تھے تو قاضی ابوجعفر نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "سعد! تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

سعد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے جھجکتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی:

"بزرگانِ ملت! یہ اندلس کی بدقسمتی ہے کہ آپ حضرات کو جو کام کئی برس پہلے شروع کرنا چاہیے تھا، وہ آپ آج کر رہے ہیں۔ ہماری اجتماعی بے حسی کے باعث اندلس پر وہ لوگ مسلط ہو چکے ہیں جن کے ساتھ کوئی نیک توقع وابستہ کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہوگا۔ آپ یہ چاہتے ہیں، کہ اندلس کو نصرانیوں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانے کے لیے ملوک الطوائف کو متحد اور منظم کیا جائے ——— آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ صلیب کے علمبرداروں کے مقابلے میں اسلام کا جھنڈا بلند کریں لیکن آپ کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنہیں اسلام کے ناموس اور قوم کی آزادی سے کہیں زیادہ الفانسو کی دوستی عزیز ہے۔ جو

حکمران اپنی رعایا کا خون چوس کر الفانسو کو خراج مہیا کرتے ہیں۔ آپ ان سے کیا توقع کر سکتے ہیں؟ ان سے کسی بھلائی کی امید رکھنا ماضی کا منہ چڑانے اور حال سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہوگا۔

میرے بزرگو! میں آپ کے خلوص پر شبہ کرنا گناہ سمجھتا ہوں لیکن اگر آپ لکڑی کے گھوڑوں پر سوار ہو کر کوئی بازی جیتنا چاہتے ہیں تو یہ ایک خود فریبی ہوگی۔ یہ لوگ مر چکے ہیں، ان کی لاشیں متعفن ہو چکی ہیں اور اب کوئی معجزہ ہی انھیں قبروں سے نکال کر اسلام کے غازیوں کی صف میں کھڑا کر سکتا ہے۔ یہ خدا اور رسولؐ کے باغی ہیں۔ اگر ان میں کوئی انسانیت تھی تو وہ خوشامدی شاعروں نقالوں اور مسخروں کی ہم نشینی کے باعث رخصت ہو چکی ہے۔

حضرات! مجھے اس مہم میں آپ کی کامیابی کی امید نہیں۔ اگر محفلیں آراستہ کرنے، آوارہ عورتوں سے بے غیرتی کے مظاہرے کروانے، دسترخوان سجانے اور شاہانہ تکلفات کی نمائش کرنے سے ہم اپنے دشمن کو مرعوب کر سکتے تو یہ لوگ ہمارے کام آ سکتے تھے۔ اگر جنگ کے میدان میں سپاہیوں کی تلواروں کی بجائے شاعروں کے قصائد کام آ سکتے تو صرف معتمد کے درباری شاعر ہی ساری دنیا کے شعراء کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ سب کو معلوم ہے، ان میں سے کوئی چیز قوم کی قسمت نہیں بنا سکتی، اس لیے ان لوگوں کے پیچھے بھاگنے سے ہمیں مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ لوگ جو قوم کے آنسوؤں سے اپنے قہقہوں کا سامان مہیا کرنے کے عادی ہو چکے ہیں جنگ کی کلفتوں اور مصیبتوں میں قوم کا ساتھ نہیں دیں گے!"

ایک شخص نے اُٹھ کر سوال کیا۔ "تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ملوک الطوائف سے قطعی مایوس ہو کر یہ سمجھ لیں کہ اندلس میں مسلمانوں کی آزادی کے دن گنے جا چکے ہیں اور

Scanned by iqbalmt

ہمارے لیے ترکِ وطن کے سوا کوئی راستہ نہیں ؟"

سعد کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا، اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا:

"نہیں، میرے متعلق آپ کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں اندلس کی خاک کے ایک ایک ذرّے کے لیے اپنا خون بہاؤں گا۔ میں صرف آپ حضرات کو غلط امیدوں کے چکمے سے نکالنا چاہتا ہوں۔ میں اس تجویز کا مخالف ہوں کہ میدانِ جنگ میں بھی عوام کی قیادت ملوک الطوائف کو سونپ دی جائے۔ اگر ہم اسلام کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم عوام کو ان جاہ پسندوں کے تخت و تاج کی حفاظت کی بجائے اسلام کی حفاظت کے لیے بیدار کریں۔ اندلس کی حفاظت کا مسئلہ آج ان لوگوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے جو مسلمان رہ کر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان امراء کے مرمریں ایوانوں کی بجائے عوام کے جھونپڑوں کی طرف توجہ دینا چاہیے، وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آج ہی یہ کام شروع کر دیں۔ ہمارے راستے میں بہت سی مشکلات ہوں گی۔ برسرِ اقتدار طبقہ اسلام کے نام پر عوام کی بیداری کو اپنے لیے ایک خطرہ سمجھے گا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم نیک نیتی اور صبر و استقلال کے ساتھ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر چلیں تو ہم ہر خطرے کے مقابلے میں ایک ناقابلِ تسخیر چٹان ثابت ہو سکتے ہیں۔ بزرگانِ دین! آج یہ حالت ہے کہ دشمن کیل کانٹے سے لیس ہو کر ہمیں میدان میں للکار رہا ہے اور آپ مردہ گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ میں آپ کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرتا۔ لیکن جب آپ ملوک الطوائف کو قریب سے دیکھیں گے تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ ہماری سہل انگاری نے روئے زمین کی تمام ذلتوں کو چند گٹھڑیوں میں باندھ کر قوم کی پیٹھ پر لاد دیا ہے۔ آئیے قوم کو جہد و عمل کا راستہ دکھانے سے پہلے اسے اس ذلیل بوجھ سے آزاد کرا دیں۔"

(۴)

سعد کی تقریر کے بعد بحث کے ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔ بعض مقررین نے انتہائی شدّ و مد کے ساتھ سعد کے خیالات کی حمایت کی لیکن علماء کی اکثریت اپنی رائے پر قائم رہی چند معترضین کا جوش و خروش دیکھ کر قاضی ابوالولید نے ابوجعفر سے اپیل کی، کہ اگر آپ ہمیں موقع دیں تو ہم چھ ماہ کے اندر آپ کو اپنی کارگزاری کے نتائج سے آگاہ کر سکیں گے۔"

قاضی ابوجعفر نے اپیل کا جواب دیتے ہوئے کہا: "حضرات! میری رائے آپ سب کو معلوم ہے۔ سعد بن عبدالمنعم بہت حد تک میرے خیالات کی ترجمانی کر چکا ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ کے اس ارادے کی مخالفت نہیں کروں گا کہ ملوک الطوائف کو اصلاح کا آخری موقع دیا جائے۔ ان لوگوں سے اس تمام نفرت اور حقارت کے باوجود جس کا اظہار میری قلم اور زبان سے کئی بار ہو چکا ہے۔ میں یہ دُعا کرتا ہوں کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے یہ باغی راہِ راست پر آ جائیں اور وہ ملت فروش کہلانے کی بجائے اسلام کے غازی بن جائیں۔ علماء کے وفد کی قیادت کے لیے قاضی ابوالولید نہایت موزوں ہوں گے اور یہ بہتر ہوگا کہ وہ خود ہی ارکانِ وفد منتخب کریں ..... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ حضرات جو میری طرح اس مہم کے متعلق بہت زیادہ پر امید نہیں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔ ہمیں اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے قوم کو تیار کرنا چاہیے جو اس مہم کی ناکامی کے باعث پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر ملوک الطوائف اپنی اصلاح پر آمادہ نہ ہوئے تو ہمیں ان کے ساتھ ٹکر لینی پڑے گی۔ بیک وقت اندرونی اور بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں بہت بڑی قوت کی ضرورت ہوگی اور ایسی قوت کو فراہم کرنے کے لیے ہمیں ابھی سے کام شروع کر دینا چاہیے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیجیے کہ آج تک ہم نے جو کام کیا ہے وہ بہت حد تک نمائشی تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری عزت اور آزادی کے اندرونی اور بیرونی دشمن بہت زیادہ چوکنے ہو گئے ہیں۔ اس مجلس میں

کئی نوجوان موجود ہیں۔ میں ان نوجوانوں کو یہ مشورہ دوں گا، کہ تم قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے دن رات ایک کر دو۔ وقت کا نقیب زندگی کی رزمگاہ میں کھڑا تمہیں پکار رہا ہے۔ اپنی کمانیں درست کر لو۔ اپنے ترکش تیروں سے بھر لو۔ پھر شاید ہم میں سے کوئی تمہیں یہ بتا سکے کہ تمہارا ہدف کیا ہے۔"

قاضی ابوالولید نے اٹھ کر وفد کے سات ارکان کے ناموں کا اعلان کیا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

چند آدمی جلسہ برخاست ہوتے ہی سعد کے گرد جمع ہو گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے تو بعض نے اُسے اپنے پاس ٹھہرانے پر اصرار کیا لیکن سعد نے کہا۔ "میں آج ہی یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ کئی آدمی ابوجعفر کے گرد جمع ہو گئے لیکن وہ انھیں اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا سعد کے قریب پہنچا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ "سعد! تم گھر جانے سے پہلے مجھ سے ضرور ملو۔ میں تم سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ ظہر کی نماز کے بعد میرے پاس آجاؤ!"

قاضی ابوجعفر ابوالولید کے ہاں مہمان تھے۔ سعد نماز کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے کرسی سے اٹھ کر سعد کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے قریب ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ چند ماہ کے بعد یہ علماء پھر کسی جگہ جمع ہوں گے تو انہیں یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ ہم نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اپنی نیک دعاؤں کے باوجود مجھے اس مہم کی کامیابی کی امید نہیں۔ ملوک الطوائف اسلام سے بہت دور جا چکے ہیں۔ ان سے کوئی نیک توقع کرنا عبث ہے۔ ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم عوام کو بیدار کریں۔ ہر شہر اور بستی میں گمنام کارکنوں کی جماعتیں تیار کی جائیں، جن کا نصب العین جمہور کو اسلام کے نام پر بیدار کرنا ہو۔ لیکن تم جانتے ہو کہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوگا۔ ملوک الطوائف اندلس میں اسلام کے احیا کی تحریک کو اپنے ذاتی اقتدار کے لیے خطرناک سمجھ کر فوراً ہمارے خلاف متحد ہو جائیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ جو ہاتھ اسلام کا جھنڈا بلند کریں

گے۔ وہ کسی دن ان ملت فروشوں کی قبائیں نوچنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ پھر بھی اگر ہم چند سال صبر اور سکون کے ساتھ کام کر سکیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں کامیابی نہ ہو لیکن شمال سے عیسائیوں کا سیلاب جس تندی اور تیزی سے آرہا ہے، وہ شاید ہمیں زیادہ دیر کام کرنے کی مہلت نہ دے۔ ان حالات میں افریقہ کے مسلمان ہماری آخری امید ہوں گے۔ اس وقت جب کہ قریباً تمام عالم اسلام پر ایک جمود طاری ہو رہا ہے، افریقہ میں ایک نئی طاقت ظہور میں آرہی ہے۔ میں مرابطین کے امیر یوسف بن تاشفین کے متعلق بہت کچھ سُن چکا ہوں۔ اس نے الجزائر سے لے کر طنجہ تک تمام بربری قبائل کو متحد کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس کی نیکی اور پاکبازی کے باعث افریقہ کے طول و عرض میں صالحین کے گروہ اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اب تک وہ سینکڑوں سرکش اور باغی قبائل کے سرداروں سے اپنا لوہا منوا چکا ہے۔ ہزاروں غیر مسلم اس کی سیرت اور کردار سے متاثر ہو کر کلمۂ توحید پڑھ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اولوالعزم مجاہد آگے چل کر اس دور کا رجلِ عظیم ثابت ہو۔ دو سال قبل جب میں حج پر گیا تھا تو افریقہ کے کئی فقہا اور شیوخ سے میری ملاقات ہوئی تھی، وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ حج سے واپس آکر میں نے تین علماء کو اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ یوسف بن تاشفین سبتہ سے سینکڑوں میل جنوب کی طرف سرکش قبائل کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ یہ لوگ سبتہ میں بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ چند ہفتوں کے بعد ایک کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ واپس آگیا۔ باقی دو انتظار سے تنگ آکر صحرا میں اس کی قیام گاہ تک پہنچے لیکن گرمی کی شدت کے باعث ایک کو اندلس کی یاد نے ستایا اور وہ بھی واپس چلا آیا۔ تیسرے نے ذرا ہمت سے کام لیا۔ امیر یوسف نے اس کی آؤ بھگت کی اور اس سے درخواست کی کہ تم یہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ کرو۔ وہ تین مہینے امیر یوسف کے ساتھ رہا لیکن اس کے بعد وہ بھی یہ کہہ کر واپس چلا آیا کہ یہاں کسی ایسے انسان کی ضرورت ہے۔ جو بربریوں کی زبان سمجھ سکتا ہو حقیقت یہ

تھی کہ یہ لوگ تن آسان تھے۔ وہاں صرف ایسے لوگ کام کر سکتے ہیں جو پہلے درجے کے جاں باز ہوں۔ اگر میری عمر اور صحت میرے ارادے میں حائل نہ ہو تو میں خود غرناطہ کی بجائے ان لوگوں کے ساتھ صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے کو ترجیح دوں۔"

سعد نے کہا۔ "میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں جو کام آپ میرے سپرد کریں گے اُسے پورا کیے بغیر واپس نہیں آؤں گا۔ میں اہلِ بربر کی زبان بھی جانتا ہوں۔"

ابو جعفر نے چونک کر کہا۔ "تم بربری زبان جانتے ہو! مجھے اس بات کا علم نہ تھا ورنہ میں پچھلے سال ہی یہ مہم تمہارے سپرد کر دیتا..... اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہیں قدرت میرے پاس لے آئی ہے۔ تم فوراً مراکش جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہاں تمہارا پہلا کام یہ ہوگا، کہ تم یوسف بن تاشفین تک رسائی حاصل کرو۔ بربری فوج کے تمام شیوخ اور فقہا سے رابطہ پیدا کرو اور پھر جب یہ دیکھو کہ تمہاری آواز کوئی اثر رکھتی ہے تو انھیں اس خطرۂ عظیم سے آگاہ کرو۔ جو عالمِ اسلام کے خلاف الفانسو کی شخصیت میں نمودار ہو رہا ہے، یوسف بن تاشفین کی تلوار اگر اسلام کے لیے بے نیام ہوئی تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اندلس کے مسلمانوں کی تباہی ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں دیکھ سکے۔ اندلس کے خواص اور عوام بربریوں کو جاہل اور خونخوار سمجھتے ہیں اور موجودہ مصائب کے باوجود وہ شاید اندلس کے معاملات میں اہلِ بربر کی مداخلت گوارا نہ کریں۔ لیکن جب الفانسو کی افواج اشبیلیہ اور قرطبہ تک پہنچ جائیں گی تو اندلس کا ہر مسلمان ان لوگوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے گا۔ شاید ملوک الطوائف بھی اُسے اپنا آخری سہارا سمجھیں۔ سعد! میں جانتا ہوں کہ یہ مہم بہت کٹھن ہے۔ اندلس میں بہت کم نوجوان ایسے ہوں گے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں رہنا پسند کریں گے لیکن یاد رکھو قوم کی عزت اور آزادی کی تاریخ گمنام مجاہدوں کے خون اور پسینے سے لکھی جاتی ہے۔ افریقہ پہنچ کر اگر تمہیں کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آئے تو واپس چلے آؤ۔ لیکن اگر تم یہ دیکھو، کہ تم وہاں چند مہینے یا چند برس رہ کر یوسف بن تاشفین کو مسلمانانِ اندلس کی مدد کے لیے آمادہ کر سکتے ہو تو تم وہیں رہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم کسی دن اندلس کے نجات دہندہ بن کر آؤ گے۔ اگر یوسف بن تاشفین کے متعلق میری توقعات صحیح نہ بھی ہوں تو میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ زندگی کی جو آگ اندلس میں سرد ہو چکی ہے، افریقہ میں ابھی تک سرد نہیں ہوئی ــــ وہاں تمہیں کوئی نہ کوئی مردِ مجاہد ضرور مل جائے گا۔"

قاضی ابو جعفر کی گفت گو کے دوران سعد کا دل اور دماغ کہیں اور تھا۔ وہ افریقہ کے صحراؤں، جنگلوں اور پہاڑوں میں گھوم رہا تھا۔ افریقہ کے رجلِ عظیم کی مختلف تصویریں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔

(۵)

ادریس کو شیخ ابو صالح نے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیا تھا اور وہ دن کے وقت عام طور پر باہر رہا کرتا تھا۔ شیخ ابو صالح کا مکان سعد کے مکان سے کوئی تین سو گز دور تھا۔ میمونہ ہر روز کبھی شیخ کی بیوی اور کبھی اپنی خادمہ کے ساتھ سعد کی ماں کے پاس چلی جاتی اور جب کبھی اُسے دیر ہوتی سعد کی ماں خود اس کے پاس آ جاتی۔

ایک دن صبح کی نماز کے بعد میمونہ اپنی خادمہ کے ساتھ ادریس کے گھر جانے کی نیت سے باہر نکلی تو دروازے سے چند قدم دور اُسے سعد دکھائی دیا۔ وہ ایک ثانیہ کے لیے رُکی اور پھر تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی واپس لوٹ آئی اور بیرونی دروازے کے ایک نیم وا کواڑ کی آڑ میں کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی۔ سعد خادمہ کے قریب آ کر رُکا۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ "میمونہ کیسی ہے؟ خالہ جان کیسی ہیں؟"

میمونہ زیادہ دیر وہاں کھڑی نہ رہ سکی۔ شیخ کی بیوی اچانک کمرے سے باہر نکلی اور اُس نے آواز دی۔ "میمونہ بیٹی تم ابھی تک یہیں ہو؟ اچھا ٹھہرو! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

میمونہ نے مُڑ کر پیچھے دیکھا اور اس کے چہرے پر حیا کی سُرخی چھا گئی۔ وہ لجاتی، شرماتی اور سمٹتی ہوئی آگے بڑھی۔ انتہائی کوشش کے بعد اس کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے۔ "امی جان! وہ....... وہ آ گئے ہیں۔"

"کون؟"

"حسن کے بھائی" یہ کہہ کر تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

سعد دروازے سے نمودار ہوا۔ بوڑھی خالہ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ سعد نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور خالہ نے اُسے دُعا دیتے ہوئے پوچھا "تم کب آئے بیٹا؟"

"خالہ جان میں رات کے پچھلے پہر یہاں پہنچا تھا۔"

وہ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میمونہ ساتھ والے کمرے کے دروازے کی آڑ میں کھڑی ان کی باتیں سُن رہی تھی۔ خالہ اچانک سعد پر برس پڑی "تم کیسے احمق ہو۔ اتنی دیر غیر حاضر رہے۔ دشمن کے خلاف جہاد تو خیر ایک فرض تھا لیکن تم پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ تم معتمد اور رمیکیہ کو وعظ سنانے کے لیے چلے گئے تھے۔"

"خالہ جان یہ بھی ایک فرض تھا۔"

"لیکن تم نے کب سے ساری دنیا کے فرائض اپنے ذمّے لے لیے ہیں۔ کیا اشبیلیہ میں یہ فرض ادا کرنے والا کوئی اور نہیں تھا؟"

سعد نے مُسکراتے ہوئے کہا "قدرت کو یہی منظور تھا کہ یہ سعادت میرے حصّے آئے۔"

"لیکن اس سے فائدہ کیا ہوا؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہاری تقریر سے خدا اور رسولؐ کے باغیوں کی اصلاح ہو گئی ہے؟"

"نہیں، خدا اور رسولؐ کے باغیوں کی اصلاح کرنا میرے بس کی بات نہیں لیکن میں نے ان باغیوں کو یہ احساس ضرور دلایا ہے کہ یوم حساب دُور نہیں۔ میں نے صرف ابتدا کی ہے، آپ دیکھیں گی کہ اشبیلیہ میں ہزاروں زبانیں ان لوگوں کے خلاف کھل جائیں گی۔ حسن نے آپ کو نہیں بتایا کہ احمد کی چھوٹی سی نظم اشبیلیہ کے ہر در و دیوار کے ساتھ چسپاں ہے! یہاں تک کہ معتمد کے محل کی دیواروں پر بھی ایسے اشتہار لگا دیے جاتے ہیں۔"

خالہ نے قدرے لاجواب ہو کر کہا "تم سب اپنے باپ کی طرح ہو۔"

"خالہ جان! مجھے ان پر فخر ہے اور وہ دن دور نہیں جب سارا اندلس ان پر فخر کرے گا۔"

خالہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے گفت گو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "بیٹا! اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"خالہ جان میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ اب میں بہت دور جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟" خالہ نے بدحواس ہو کر سوال کیا۔

"میں افریقہ جا رہا ہوں۔"

"نہیں۔ نہیں!!"

"سچ کہتا ہوں خالہ جان! میں کل علی الصباح روانہ ہو جاؤں گا۔ اب مجھے بہت سے کام ہیں۔ میں شام کو پھر آؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے سعد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

خالہ نے کہا "تم سچ مچ افریقہ جا رہے ہو؟"

"ہاں"

"اپنی ماں سے اجازت لے چکے ہو؟"

"ہاں! انھوں نے خوشی سے مجھے اجازت دی ہے۔"

"لیکن وہاں کیا کام ہے تمہارا؟"

"میں یہ معلوم کرنے جا رہا ہوں کہ اگر الفانسو نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو افریقہ سے ہمیں کیا مدد مل سکتی ہے۔ اب اجازت دیجیے!"

خالہ نے قدرے تذبذب کے بعد کہا "سعد تم نے میمونہ کا حال نہیں پوچھا!"

سعد نے آنکھیں جُھکاتے ہوئے کہا "گھر پہنچ کر امّی جان سے میرا پہلا سوال انہی کے متعلق تھا۔ آپ انھیں میرا سلام کہہ دیجیے۔"

سعد باہر نکلا تو اس کی خالہ میمونہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ میمونہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ وہ خوبصورت آنکھیں جو ایک لمحہ پیشتر مسرتوں کا گہوارہ تھیں اب آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"بیٹی! تم فکر نہ کرو، شام کو تمہارا خالو آئے گا تو وہ اسے سمجھائے گا۔"

"نہیں، نہیں" میمونہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "آپ انھیں اپنا فرض پورا کرنے سے نہ روکیے۔"

(۶)

غرناطہ کا کوتوال، شہر کے ناظم اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آداب بجالانے کے بعد کہا۔ "بیغہ سے ہمارا جاسوس آگیا ہے اور وہ نہایت اہم خبریں لایا ہے۔"

ناظم نے اپنی میز کے سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھیے"

کوتوال بیٹھ گیا اور ناظم نے جلدی جلدی چند کاغذات دیکھنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا ــــ "اچھا اب بتائیے وہ اہم خبریں کیا ہیں؟"

کوتوال نے اس سوال کے جواب میں بیغہ کے اجلاس کی روداد بیان کر دی اور اس کے بعد اپنی جیب سے چند کاغذ نکال کر ناظم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سعد بن عبدالمنعم کی تقریر ہے۔ اسے پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ غرناطہ میں ایسے نوجوانوں کی سرگرمیاں کس قدر خطرناک ہیں۔"

ناظم نے کاغذات دیکھنے کے بعد سوال کیا۔ "یہ وہی نوجوان ہے جو پچھلے دنوں اشبیلیہ والوں کی مدد کے لیے یہاں سے رضا کاروں کا دستہ لے کر گیا تھا؟"

"جی ہاں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ غرناطہ پہنچ چکا ہے اور میں آپ سے اُسے گرفتار کرنے کی اجازت لینا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جب علماء کا وفد اندلس کا دورہ کرنے کے بعد واپس آئے گا تو اپنی مہم کی ناکامی کی صورت میں یہ لوگ اندلس کے تمام حکمرانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنائیں گے اور پھر ان کی قیادت اس قسم کے سرکش نوجوانوں کے ہاتھ میں ہوگی، عوام یقیناً ان کا ساتھ دیں گے۔ سعد کی تقریر اندلس کے تمام حکمرانوں کے خلاف تھی لیکن اگر ہم نے غرناطہ کو اس کی سرگرمیوں کا مرکز بننے دیا تو سب سے پہلے ہماری شامت آئے گی۔"

ناظم نے کہا۔ "ایسے آدمی کو گرفتار کرنے کے لیے آپ کو میری اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ بہتر ہوتا کہ آپ اُسے غرناطہ پہنچتے ہی گرفتار کر لیتے۔"

"وہ ہمارے جاسوس سے پہلے یہاں پہنچ گیا تھا اور آپ کے ساتھ مشورہ کرنا میں اس لیے بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس نوجوان کو قاضی ابوجعفر جیسے بااثر لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ وہ سیدھے امیر عبداللہ کے پاس جائیں گے اور امیر ان سے اس قدر خائف ہے کہ وہ فوراً اس کی رہائی کا حکم صادر کر دے گا اور مجھے خفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

ناظم نے کہا۔ "قاضی ابوجعفر کے ساتھ امیر عبداللہ کے تعلقات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ خصوصاً جب سے انھیں اس بات کا علم ہوا ہے کہ رضا کاروں کا دستہ قاضی ابوجعفر نے منظم کیا تھا وہ اسے اپنا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں۔ اگر امیر کی والدہ قاضی ابوجعفر کی طرفداری نہ کرتیں تو وہ اب تک قید خانے کی کسی تاریک کوٹھری میں ہوتا۔"

کوتوال نے کہا۔ "پھر بھی یہ مناسب ہوگا کہ آپ سلطان سے مل لیں۔ ممکن ہے کہ سعد کی گرفتاری کے بعد شہر کے نوجوان کوئی ہنگامہ بپا کریں اور ہمیں زیادہ وسیع اختیارات کی ضرورت ہو۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ جب امیر عبداللہ پریشان ہوتے ہیں تو قیدیوں کو رہا کر دیا جاتا ہے اور کوتوال کو قید خانے میں بھیج دیا جاتا ہے۔"

"تم درست کہتے ہو۔ میں ابھی سلطان کے پاس جاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تھوڑی دیر تک سلطان کا تحریری حکم تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

(۷)

عشاء کی نماز کے بعد سعد، احمد، حسن اور ادریس کو ساتھ لے کر الیاس کے گھر چلا گیا۔ وہاں ایک کشادہ کمرے میں کوئی پندرہ نوجوان اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سب اٹھ کر یکے بعد دیگرے اس کے ساتھ بغل گیر ہوئے۔ سعد نے ان کے سوالات کے جواب میں مختصراً اپنی سرگزشت بیان کرنے اور بیغہ میں علماء کے اجتماع کی روئداد سنانے کے بعد یہ اعلان

گیا کہ میں علی الصباح افریقہ جا رہا ہوں .... اس کے بعد کچھ دیر اندلس اور افریقہ کی تازہ صورتِ حال پر بحث ہوتی رہی۔ سعد اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ میں مرابطین کے امیر کے پاس بہت بلند توقعات لے کر جا رہا ہوں ممکن ہے کہ وہ ہمارا نجات دہندہ ثابت ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں، کہ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ تمہارا فرض ہے کہ تم قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دو!"

بعض نوجوانوں نے افریقہ کے سفر میں سعد کا ساتھ دینے کی خواہش کی لیکن اس نے کہا "جب تک مجھے افریقہ کے حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا میں کسی کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کروں گا۔"

آدھی رات کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی، سعد اپنے دوستوں کے ساتھ مصافحہ کر رہا تھا، کہ الیاس کے نوکر نے آکر اطلاع دی کہ ایک آدمی سعد بن عبدالمنعم سے ملنا چاہتا ہے اور اپنا نام الماس بتاتا ہے۔"

سعد نے کہا "بلاؤ اُسے؟"

تھوڑی دیر بعد الماس اندر داخل ہوا۔ سعد نے اُسے بدحواس دیکھ کر سوال کیا "کیوں خیر ہے نا؟"

الماس نے کہا "پولیس آپ کو تلاش کر رہی ہے۔ وہ آپ کے اور آپ کے خالو کے گھر کی تلاشی لے چکے ہیں۔ چند سپاہی ابھی تک وہاں پہرا دے رہے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ میں بڑی مشکل سے پچھواڑے کی دیوار پھاند کر باہر نکلا ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ یہاں ہیں۔ میں آپ کے کئی دوستوں کے گھروں سے آپ کے متعلق پوچھتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ بالآخر سعد نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ انھیں جمعہ میں میری تقریر کی اطلاع مل گئی ہے۔"

الماس نے کہا "پہلے پولیس کا ایک داروغہ دو سپاہیوں کے ساتھ آیا اور اس نے مجھ سے کہا، کہ سعد کو ناظمِ اعلیٰ نے بلایا ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں تو وہ واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد پولیس کے آٹھ دس سپاہی لے کر آگیا۔"

سعد نے کہا "انھوں نے کسی کے ساتھ بدسلوکی تو نہیں کی؟"

"نہیں۔ لیکن مجھے دھمکیاں ضرور دی ہیں۔"

سعد نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "وہ مجھے شہر میں ہر جگہ تلاش کریں گے۔ اب ہمیں فوراً ایک دُوسرے سے جدا ہو جانا چاہیے۔"

الماس نے "آپ کہاں جائیں گے؟"

"یہاں سے نکلنے کے بعد میرا رُخ سبتہ کی طرف ہو گا۔ میں اب گھر نہیں جا سکتا۔"

"بہت اچھا آپ میرا گھوڑا لے جائیے۔"

"مجھے تمہاری زرہ اور تلوار کی بھی ضرورت پڑے گی۔ میں اپنے ساتھ کچھ نہیں لایا۔"

الماس نے کہا "آپ دریا کے پل کے پار جا کر میرا انتظار کریں۔ میں آپ کے سفر کا تمام ضروری سامان لے کر پہنچ جاؤں گا۔"

سعد نے اپنے بھائیوں کی طرف دیکھا اور کہا "تم اب گھر جاؤ! ممکن ہے کہ وہ میری بجائے تمہیں گرفتار کر لیں۔ کاش میں ادریس کو یہاں نہ لاتا۔"

ادریس نے کہا "جو سزا احمد اور حسن کے لیے قابل برداشت ہو گی، وہ میرے لیے ناقابلِ برداشت نہیں ہو گی۔"

الماس نے کہا "آپ ان کی فکر نہ کریں۔ اوّل تو وہ ان پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے اور اگر انھوں نے انھیں گرفتار کر بھی لیا تو بھی جب انھیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ آپ غرناطہ میں نہیں ہیں تو وہ انھیں چھوڑ دیں گے۔ ورنہ ہم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم چند سپاہیوں کو ان کی قید سے نکال سکیں۔ اس وقت ہمارا اوّلین مقصد یہ ہے۔ کہ آپ افریقہ پہنچ

جائیں۔ اب یہاں باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ آپ پل کے پار پہنچ جائیں۔ وہاں کسی محفوظ جگہ پر ہم اطمینان سے باتیں کر سکیں گے۔"

سعد دروازے کی طرف آیا۔ لیکن اچانک اُسے کوئی خیال آیا اور اس نے مڑ کر الیاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "چچا الیاس! مجھے آپ کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا میں آپ کے وطن جا رہا ہوں۔ اگر حالات سازگار ہوتے، تو شاید آپ کو بھی بلا لوں۔ اب آپ کا حسن اور احمد سے پہلے گھر پہنچنا ضروری ہے۔ مکان کے اندر داخل ہونے کے لیے آپ اسی طرح پچھواڑے کی دیوار عبور کریں تاکہ پولیس کو شبہ نہ ہو۔"

کچھ دیر بعد سعد دریا کے پل کے پار سڑک سے ایک طرف کھڑا تھا اور اس کے ساتھی تین تین اور چار چار کی ٹولیوں میں مختلف راستوں سے اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ ادریس احمد اور حسن بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔

چاند کی روشنی میں ان سب کی نگاہیں سعد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سعد نے کہا "ہم نے اپنے لیے جو راستہ منتخب کیا ہے۔ اس میں ایسے کئی مراحل آئیں گے۔ ممکن ہے کہ تمہیں مجھ سے زیادہ سختیاں جھیلنی پڑیں لیکن اگر تمہارے پاؤں متزلزل نہ ہوئے تو یہ مختصر سا گروہ کسی دن اندلس کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ آئیے ہم حق و صداقت کی فتح کے لیے دُعا کریں۔"

سعد کی تقلید میں انھوں نے ہاتھ اٹھا لیے۔ سعد کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز رحمتِ یزداں کو پکار رہی تھی۔ اس کے آنسو قوم کے دامن سے ..... ذلت اور رسوائی کے داغ دھو رہے تھے اور اس وقت شاید رحمت کا کوئی فرشتہ افریقہ کے ایک صحرا نشین کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ قدرت نے تمہارے عزم و ہمت کے امتحان کے لیے وہ رزم گاہیں منتخب کی ہیں جہاں طارقؓ اور موسیٰؒ نے اسلام کی فتوحات کے پرچم لہرائے تھے!

دُعا ختم ہوئی اور اتنی دیر میں الیاس گھوڑا بھگاتا ہوا پہنچ گیا

الیاس نے گھوڑے سے اتر کر سعد کو [illegible] ہمارے لیے

زرہ اور کپڑوں کے دو جوڑے خرجی میں ڈال دیے ہیں۔ کپڑے کی ایک تھیلی میں اڑھائی سو دینار ہیں۔ ایک ہفتہ تک میں کسی کو سبتہ میں آپ کے پاس بھیجوں گا۔ اس کی زبانی پولیس کی کارروائی کی اطلاع مل جائے گی۔ آپ بھی ہمیں اپنی کارگزاریوں سے مطلع کرتے رہیں۔ اگر مزید روپے کی ضرورت ہو تو بلا توقف مجھے اطلاع دیں۔"

سعد نے جواب دیا "میرے لیے یہ رقم بھی بہت زیادہ ہے۔"

"اچھا گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔"

سعد گھوڑے پر سوار ہوا تو حسن گھوڑے کی باگ پکڑ کر آگے آگے چل دیا۔ چند قدم دور جا کر سعد نے گھوڑا روکا اور کہا "جاؤ حسن! امّی جان کو تسلّی دینا۔ اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو یہ سمجھنا کہ ہر مومن کی زندگی ایک بلند مقصد کے لیے ہے۔" حسن نے کہا "بھائی جان! میں اپنے گھر جانے سے پہلے خالہ کے گھر جانے کی کوشش کروں گا۔ آپ میمونہ کو کوئی پیغام نہیں دینا چاہتے؟"

سعد نے اطمینان سے جواب دیا "میمونہ کو یہ کہنا کہ میں رات کے وقت یہاں سے اس امید پر رخصت ہو رہا ہوں کہ جب میں واپس آؤں گا تو اس کے لیے نئی صبح کا پیغام لاؤں گا اور صرف میمونہ کے لیے ہی نہیں وہ صبح اندلس کی لاکھوں بیٹیوں اور بیٹوں کے لیے صبحِ مسرت ہوگی۔ خدا حافظ!" سعد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

المرابطین

جب اس لامرکزیت، انتشار اور آلام و مصائب کے دور میں اندلس کے مسلمانوں کی نگاہیں کسی نجات دہندہ کی متلاشی تھیں۔ افریقہ کے افق پر گرد و غبار کے بادل کسی شہسوار کی آمد کا پیغام دے رہے تھے۔ جب قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کی عظیم الشان درسگاہوں کے معلّم قوم کے مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے۔ افریقہ کے صحرا نشینوں کے جھونپڑوں میں زندگی کے نئے ولولے کروٹیں لے رہے تھے۔ اندلس میں اموی حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ بحیرۂ رُوم کے دوسرے کنارے ایک نئی طاقت ظہور میں آ رہی تھی۔ پانچویں صدی کے نصفِ اوّل میں اسلام کے کسی گمنام مبلغ کی کوششوں سے افریقہ کے بربریوں میں سے ایک سرکش اور جنگجو قبیلہ کے لوگ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے مرابطین کے نام سے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ابوبکر بن عمر اس سلطنت کا پہلا امیر منتخب ہوا۔ ابوبکر کی دینداری اور تقوے کے باعث مراکش کے بعض دوسرے قبائل نے بھی جو پہلی صدی ہجری میں مسلمان ہو چکے تھے اس کی قیادت تسلیم کر لی۔ تاہم الجزائر سے لے کر طنجہ تک بے شمار بربری قبائل افریقہ میں کسی طاقتور سلطنت کے ظہور کو اپنی آزادی کے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔ ان میں سے جو مسلمان تھے ان کے سردار بھی اپنی انفرادیت کو اسلام کی وحدت میں گم کرنے کے لیے تیار نہ تھے، جب مرابطین کے امیر ابوبکر نے ان لوگوں کو متحد کرنے کی مہم شروع کی تو انھوں نے مرابطین کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا۔ غیر مسلم قبائل جو افریقہ میں اسلام کے عروج سے براہِ راست اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے ان کے ساتھ ہو گئے اور انھوں نے جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں سے نکل کر

کے ساحل کے ساتھ ساتھ پرامن شہروں اور بستیوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا طوفان بپا کر دیا۔ بربریوں کی قبائلی عصبیت نے اس خانہ جنگی کو فروغ دیا۔

اس نازک دور میں ایک اولوالعزم انسان نمودار ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ شعلہ اور شبنم کا یہ امتزاج مرابطین کے امیر ابوبکر بن عمر کا نوجوان بھتیجا یوسف بن تاشفین تھا۔ اس کے ہمرکاب ایک طرف وہ غازی تھے، جن کی تلواریں سرکشوں، باغیوں اور اسلام کے دشمنوں کے لیے موت کا پیام تھیں اور دوسری طرف وہ علماء اور فقہا تھے جو افریقہ کے تاریک ترین گوشوں میں اسلام کی قندیلیں روشن کر رہے تھے۔

مرابطین کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت میں یوسف بن تاشفین نے شاندار فتوحات حاصل کیں اور مرابطین ایک طاقتور سلطنت کے مالک بن گئے۔ تاہم ابھی اس کے سامنے ایک بہت بڑا کام تھا۔ باغی اور سرکش عناصر افریقہ کے وسیع و عریض علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ان سب کو مغلوب کرنے کے لیے ایک طویل عرصہ درکار تھا۔ افریقہ کے پہاڑوں، جنگلوں اور صحراؤں کے علاوہ بحیرۂ روم پر بھی اہل بربر کا کافی تسلط تھا۔ افریقہ اور یورپ کے ساحلی علاقے ان کی لوٹ مار سے محفوظ نہ تھے۔ بحیرۂ روم کے بعض ٹاپو اور افریقہ کے ساحل پر کئی چھوٹی چھوٹی بندرگاہیں ان کے قبضے میں تھیں۔ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے یوسف بن تاشفین نے ایک جنگی بیڑہ تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

۴۶۲ھ میں ابوبکر بن عمر نے وفات پائی اور مراکش کے علماء کی تحریک پر بربری قوم کے اکابر نے متفقہ طور پر یوسف بن تاشفین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سب سے پہلے بیعت کرنے والا اس کا چچازاد بھائی سیر بن ابوبکر تھا۔

امیر یوسف نے مرابطین کا امیر بننے کے بعد افریقہ کو ایک عظیم الشان سلطنت بنانے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔ چند برس میں افریقہ کا یہ شہسوار ان دور افتادہ مقامات میں اپنی فتوحات کے پرچم لہرا رہا تھا۔ جہاں ابھی تک کوئی مسلمان فاتح نہیں پہنچا تھا۔ افریقہ کے ان تاریک

گوشوں میں اللہ اکبر کی اذانیں گونج رہی تھیں جہاں ابھی تک نیم برہنہ انسان بستے تھے۔

(۲)

سبتہ پہنچ کر سعد کو معلوم ہوا کہ امیر یوسف بن تاشفین جنوب مغرب میں کسی دور افتادہ محاذ پر برسرِ پیکار ہیں اور محاذِ جنگ سے فارغ ہو کر وہ سبتہ آنے سے پہلے کچھ عرصہ طنجہ میں قیام کریں گے۔ سبتہ کے سرکاری مہمان خانے کے دروازے ہر اجنبی کے لیے کھلے تھے۔ سعد نے پندرہ دن تک وہاں قیام کیا۔ اپنے بھائیوں اور ادریس کے متعلق وہ بہت پریشان تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اسے اپنے متعلق اطلاع دینے میں تاخیر سے کام نہ لیں گے۔ وہ علی الصباح بندرگاہ پر چلا جاتا اور شام تک اندلس سے آنے والے ہر جہاز کے مسافروں کو دیکھتا۔ ایک دن ایک جہاز سے ایک عمر رسیدہ آدمی اترا۔ سعد نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ اس کے دوست الیاس کا نوکر تھا۔ سعد لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور اُسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ سعد کے سوالات کے جواب میں بوڑھے نوکر نے اسے بتایا کہ جس رات آپ غرناطہ سے روانہ ہوئے۔ اسی رات پولیس نے احمد حسن اور ادریس کو گرفتار کر لیا تھا۔ چھ دن تک وہ انھیں سخت اذیتیں دیتے رہے لیکن جب حکومت کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ آپ غرناطہ میں نہیں ہیں تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ میں آپ کے پاس الیاس اور احمد کے خطوط لے کر آیا ہوں۔ سعد نے جلدی جلدی یہ دونوں خط پڑھے۔ الیاس نے اپنے خط میں تفصیل کے ساتھ احمد حسن اور ادریس کی گرفتاری کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا تھا کہ انھوں نے جس صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا ہے وہ ہمارے لیے باعثِ فخر ہے۔ انھیں سخت اذیتیں دے کر آپ کا پتہ اور ہماری جماعت کے ارکان کے نام ظاہر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اگر وہ ذرا سی کمزوری دکھاتے تو ہم اس وقت تک قید خانے میں ہوتے۔ سب سے زیادہ اذیت حسن کو پہنچائی گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کوتوال کی بدزبانی سے طیش میں آکر اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے جسم پر کوڑوں کے نشان دیکھے ہیں۔ اندلس میں مظلوم

انسانیت یوم حساب کا انتظار کر رہی ہے اور ہماری تمام امیدیں آپ کی مہم کی کامیابی کیساتھ وابستہ ہیں

احمد کا مکتوب مختصر تھا اور اس نے اپنی تکالیف کا ذکر کرنے کی بجائے سعد کو گھر کے حالات سے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ امی، خالہ اور خالو، بہن میمونہ اور چچا الماس آپ کی کامیابی کے لیے دُعائیں کرتے ہیں۔

اگلے دن سعد نے الیاس کے نوکر کو اپنے دوستوں اور بھائیوں کے نام مکتوب دے کر رخصت کیا اور خود طنجہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد سعد چند ہفتے اِدھر اُدھر پھرتا رہا اور غرناطہ میں اپنے متعلق کوئی اطلاع نہ بھیج سکا۔ اس کے بھائی اور رفقاء یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کہیں دور جا چکا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کے بعد ایک دن سبتہ کا ایک تاجر احمد بن عبدالمنعم کا پتہ پوچھتا ہوا اُن کے مکان پر پہنچا اور اُس نے سعد کا خط دیا۔ احمد نے اپنے بھائی کا خط پڑھا۔ اس نے لکھا تھا:

"میرے عزیز بھائی! الیاس کے نوکر کو سبتہ سے روانہ کرتے ہی میں طنجہ چلا گیا تھا۔ دو ہفتے طنجہ میں قیام کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ صحرائے اعظم سے بے شمار غیر مسلم اور وحشی قبائل الجزائر کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور یوسف بن تاشفین سیدھے اس طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ چند دن طنجہ میں رہ کر میں نے محسوس کیا کہ یہاں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں۔ صحرائے اعظم اور الجزائر میں امیر یوسف کی افواج کی نقل و حرکت کے متعلق مجھے سبتہ میں نسبتاً آسانی سے اطلاع مل سکیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں افریقہ کے شاہسوار کے ساتھ امارت کی مسند کی بجائے جنگ کے میدان میں متعارف ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں سبتہ میں واپس آگیا۔ یہاں مجھے معلوم ہوا کہ سبتہ میں جو فوج تھی، وہ بھی جہازوں پر الجزائر کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ اگر میں ایک ہفتہ پہلے یہاں پہنچ جاتا تو ممکن تھا کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ جانے کا موقع مل جاتا۔ کل مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے سامان رسد کا ایک جہاز الجزائر کی طرف جانے والا ہے۔ میں نے اس جہاز کے کپتان کے پاس پہنچ کر درخواست کی کہ مجھے اس

جہاز میں سفر کرنے کی اجازت دی جائے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے جہاز میں کسی سواری کے لیے جگہ نہیں۔ اگر جگہ ہوتی تو بھی میں کسی اجنبی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

اس مرحلے پر طنجہ کے ایک فقیہ نے میری اعانت کی۔ وہ مجھے شہر کے عامل کے پاس لے گئے۔ میں بڑی مشکل سے عامل کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوا کہ میں ایک رضاکار کی حیثیت میں مرابطین کی فوج کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔

شہر کے عامل نے کپتان کے پاس میری سفارش کی اور وہ با دلِ ناخواستہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر رضامند ہو گیا۔ انشاء اللہ کل میں اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ کپتان نے مجھے بتایا کہ وہ سمندر کے ساحل پر ایک چھوٹے سے قلعے میں سامانِ رسد لے کر جا رہا ہے۔ وہاں سے امیر یوسف کی قیامگاہ تک پہنچنے کیلیے مجھے بے آب و گیاہ صحرا میں سفر کرنا پڑے گا۔ اب ممکن ہے کہ چند دنوں تک افریقہ کے رجلِ عظیم کو دیکھ سکوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی میں صرف غبارِ راہ دیکھوں اور وہ شاہسوار کسی اور منزل کی طرف روانہ ہو چکا ہو!

افریقہ کی زمین پر پاؤں رکھتے ہی میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میں ایک نئی دنیا میں آ گیا ہوں۔ آج جب اندلس کے مرمریں ایوانوں میں بسنے والوں پر بے حسی اور جمود طاری ہو رہا ہے، یہاں مٹی کے گھروں اور خس و خاشاک کے جھونپڑوں میں ایک صحت مند قوم کی تخلیق ہو رہی ہے۔ اندلس کے مؤرخ کے قلم کی سیاہی خشک ہو چکی ہے لیکن افریقہ کا مجاہد اپنی تلوار کی نوک سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا باب لکھ رہا ہے۔

"کیا یہ لوگ خطرے کے وقت ہماری مدد کریں گے؟" میں نے یہ سوال ایک سادہ دل بربری سے پوچھا تھا اور اس کا جواب یہ تھا کہ جب ہمارا امیر ہمیں حکم دے گا ہم

سمندر میں گھوڑے ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ سرِ دست اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ افریقہ میں امیر یوسف کا کام بہت وسیع ہے۔ وہ الجزائر سے لے کر دریائے سینگال تک تمام قبائل کو ایک حکومت کے ماتحت لانے کا عزم کر چکا ہے اور اس کام کے لیے شاید ایک لمبا عرصہ درکار ہو۔ جب تک یہ کام ختم نہیں ہوتا، وہ شاید کسی نئے محاذ کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ بہر حال میں یہ سمجھ کر اس کی فوج میں شامل ہونے کے لیے جا رہا ہوں کہ اندلس کے دفاع کی جنگ اس وقت افریقہ میں لڑی جا رہی ہے۔ میرے لیے ہمت اور استقامت کی دعا کیجیے۔"

"تمہارا بھائی" سعد

(۳)

ایک شام سعد بن عبدالمنعم جہاز کے تختے پر کھڑا جنوب کے افق پر ساحل کی پہاڑیوں کا دھندلا سا منظر دیکھ رہا تھا۔ کپتان کی زبانی اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ جہاز اپنی منزلِ مقصود کے قریب پہنچ چکا ہے۔ ساحل کے دھندلے مناظر رات کی تاریکی میں روپوش ہو گئے اور سعد آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاز کا کپتان تیزی سے اِدھر اُدھر گھوم کر ملاحوں کو ہدایت دے رہا تھا، اچانک ایک ملاح نے بلند آواز میں کہا۔ "ہوشیار ساحل پر روشنی نظر آ رہی ہے؟"

تھوڑی دیر میں کپتان اور اس کے ملاح بدحواس ہو کر جنوبی افق پر ایک غیر معمولی روشنی دیکھ رہے تھے۔ یہ روشنی پھیلتی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ ساحل پر ایک بہت بڑا الاؤ جل رہا ہے۔ کپتان نے کہا۔ "یہ روشنی قلعے سے دور نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ہمارے کسی جہاز کو آگ لگ گئی ہے؟"

کپتان کا قیاس صحیح تھا۔ ایک ساعت کے بعد انھیں ایک جلتے ہوئے جہاز کا ڈھانچہ نظر آ رہا تھا۔ یہ آگ آہستہ آہستہ مدھم ہو گئی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی دو اور جلتے ہوئے جہازوں کے آس پاس چند متحرک کشتیاں اور جہاز دیکھ کر کپتان چلایا۔ "جہاز کے بادبان گرا دو اور لنگر ڈال دو!"

ہم آگے نہیں جا سکتے۔"

سعد کپتان اور ملاحوں کی نسبت کم پریشان نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کپتان سے سوال کیا۔" یہ کیا ہو رہا ہے؟"

کپتان نے جواب دیا" آپ دیکھ سکتے ہیں۔ دشمن نے یہاں ہمارے بحری اڈے پر حملہ کر دیا ہے اور انھوں نے صرف جہازوں پر ہی حملہ نہیں کیا ہوگا بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ خشکی سے ہمارے قلعے کا محاصرہ بھی کر چکے ہوں گے۔"

"لیکن اتنے جہاز وہ کہاں سے لے آئے؟"

"آپ کو شاید معلوم نہیں کہ یورپ کے کئی قزاق ہمارے دشمنوں کے حلیف بن چلے ہیں۔"

"اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میرا اوّلین فرض یہ ہے کہ میں اس جہاز کو دشمن کے ہاتھ آنے سے بچاؤں۔ خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی دیر پہلے یہاں نہیں پہنچ گیا۔ ورنہ یہ جہاز تو ایک معمولی کشتی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔"

سعد نے کہا۔" لیکن یہ بھی تو ضروری نہیں کہ جن جہازوں کو آگ لگی ہے وہ ہمارے ہی ہوں ممکن ہے کہ یہ جہاز دشمن کے ہوں؟"

کپتان نے کہا" مجھے علم ہے کہ یہاں صرف سامانِ رسد کے جہاز بھیجے گئے تھے۔ ہمارے جنگی بیڑے کے بعض جہاز طولس کے ساحل پر ہیں اور بعض سمندر میں گشت کر رہے ہیں۔ تاہم میں کشتی پر آدمی بھیج کر پتہ کرتا ہوں۔ اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہمارے لیے واپس لوٹ کر کوئی محفوظ مقام تلاش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد جب جہاز سے ایک کشتی اُتاری گئی اور کپتان کی ہدایات سُننے کے بعد چار ملاح اس پر سوار ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو سعد نے کہا" میں بھی ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ آپ انھیں یہ کہہ دیجیے کہ اگر یہ کوئی خطرہ محسوس کریں تو بھی مجھے ساحل پر اتار دیں۔"

کپتان نے کہا۔" آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں قلعے تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

"دیکھیے۔ آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ دشمن نے خشکی کی طرف سے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہوگا۔ اگر میرے آدمی آپ کو ساحل کے کسی محفوظ مقام پر اتار بھی دیں تو بھی دشمن کی صفوں سے گزر کر آپ کا قلعے تک پہنچ جانا ایک معجزہ ہوگا۔"

کپتان کے ساتھ تھوڑی دیر بحث کرنے کے بعد سعد نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا۔" میرا مقصد اس قلعے تک پہنچنا ہے اور میں اس کے لیے ہر خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

کپتان نے کہا" بہت اچھا آپ جا سکتے ہیں لیکن اگر میرے آدمیوں نے ساحل کے پاس کشتی لے جانے میں کوئی خطرہ محسوس کیا تو انھیں فوراً واپس آنا پڑے گا۔"

سعد نے کہا" میں تیر سکتا ہوں؟"

کپتان ملاحوں کی طرف متوجہ ہوا" دیکھو، اس وقت ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اگر تم یہ دیکھو کہ دشمن نے خشکی سے بھی قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے تو فوراً واپس آجاؤ۔ ورنہ قلعے کے محافظ کو میرا پیغام دو کہ میں ان حالات میں جہاز کو ساحل تک نہیں لا سکتا۔ یہاں سے کوئی ڈیڑھ سو میل پیچھے ہمارا ایک اور بحری مستقر ہے۔ میں وہاں سے جنگی کشتیوں کی کمک لے کر فوراً واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ حملہ آور رفوچکر ہو چکے ہیں اور جہاز کو آگے لے جانے میں کوئی خطرہ نہیں تو قلعے کے بُرج پر روشنی کروا دو۔"

(۴)

ساحل پر ایک تنگ خلیج کا آخری سرا اس چٹان کو چھوتا تھا جس پر قلعہ تعمیر تھا۔ حملہ آور مرابطین کے تین جہازوں کو آگ لگانے اور اپنا ایک جہاز ضائع کرنے کے بعد اس خلیج پر قابض ہو چکے تھے اور اب وہ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر میں دشمن کے بچے کھچے سپاہیوں اور ملاحوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ ساحل پر بھی پہریداروں کی ایک فوج کھڑی تھی۔ اگر کوئی سپاہی پانی میں ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد سمندر کے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہوتا تو اُسے پہریداروں کے تیروں کا سامنا کرنا پڑتا

سعد اور اس کے ساتھیوں نے کنارے سے کچھ فاصلے پر کشتی کو روک کر صورت حالات کا جائزہ لیا۔ بالآخر ایک بوڑھے ملاح نے کہا "ہمارے کپتان کا قیاس درست تھا۔ دشمن نے صرف ہمارے جہازوں پر ہی حملہ نہیں کیا، بلکہ وہ خشکی سے قلعے کا محاصرہ بھی کر چکا ہے۔ کشتی کو مغرب کی طرف لے چلو۔ ہم سعد کو وہاں کسی محفوظ جگہ اتار کر واپس چلے جائیں گے۔"

قلعے کے مغرب کی طرف دو میل فاصلہ طے کرنے کے بعد ملاح کشتی کو کنارے کے قریب لے آئے اور سعد اپنے ساتھیوں کو خدا حافظ کہنے کے بعد ریتلے ساحل پر کمر کے برابر پانی میں اتر پڑا۔ بوڑھے ملاح نے کہا "دیکھو بیٹا! اگر تم صبح کی روشنی سے پہلے قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکے تو یہاں دور دور تک تمہارے لیے جائے پناہ نہیں ہوگی۔ کنارے کے ساتھ دشمن کے سپاہی بہت چوکس ہوں گے، اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تم فوراً قلعے کے جنوب کی طرف پہنچ جاؤ۔ اس طرف بھی اگر کوئی دشمن جمع ہوں تو بھی رات کی تاریکی میں کوئی یہ معلوم نہیں کر سکے گا کہ تم اجنبی ہو۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ تم قلعے کے اندر کیونکر داخل ہو سکتے ہو۔ اگر وہ قلعہ سمندر کی طرح خشکی کی طرف سے بھی محاصرے میں ہے تو رات کے وقت تمہارے لیے کوئی دروازہ نہیں کھولے گا اور صبح کی روشنی میں خدا بہتر جانتا ہے کہ تمہارا انجام کیا ہو! میں تو اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ واپس چلو۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔" سعد یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

کنارے پر پہنچتے ہی سعد منہ کے بل ریت پر لیٹ گیا اور کچھ دیر تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد کہنیوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ چند گز ریت پر چلنے کے بعد وہ ایک چٹان کے سامنے کھڑا تھا۔ تاریکی میں اسے چٹان پر چڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ قلعے کی سمت غیر محفوظ سمجھ کر وہ مغرب کی طرف چٹان کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ ایک جگہ رک کر وہ چٹان پر چڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ چند قدم دور کوئی شے نظر آئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں چڑھایا اور نرم

ریت پر لیٹ کر آہستہ آہستہ رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ یہ ایک کشتی تھی اور اس کے ارد گرد چند لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ سعد کو یہ سوچتے ہوئے دیر نہ لگی کہ یہ کشتی کسی ڈوبتے ہوئے جہاز کے ملاحوں کا آخری سہارا تھی اور ان لوگوں کے قاتل وحشی حملہ آوروں کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ دشمن دور تک ساحل کی نگرانی کر رہا ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے چٹان پر چڑھنے کا ارادہ ترک کر کے کچھ دور اور مغرب کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی وہ اٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا، کہ اسے ریت پر کوئی متحرک شے نظر آئی۔ غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا، کہ ایک آدمی اپنے گھٹنوں اور کہنیوں کے بل چلتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے۔ سعد نے ایک لاش کی آڑ لے کر اپنے تیر کا رُخ اس کی طرف کر دیا۔ لیکن اس کی غلط فہمی جلد دور ہو گئی۔ آنے والے کا رُخ اس کی بجائے کشتی کی طرف تھا۔ کشتی کے قریب پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اُٹھ کر کشتی کو پانی کی طرف دھکیلنے لگا۔ کشتی پانی سے چند قدم دور ریت میں دھنسی ہوئی تھی اور اُسے سمندر میں ڈالنے کے لیے ایک سے زیادہ آدمیوں کی طاقت کی ضرورت تھی۔ اجنبی کچھ دیر زور لگانے کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر جب پانی کی لہر آئی تو وہ جلدی سے اٹھا اور کشتی کو دوبارہ سمندر کی طرف دھکیلنے لگا۔ لیکن لہر اس قدر ہلکی تھی کہ اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اچانک کنارے کی چٹان سے کسی کی آواز سنائی دی اور اجنبی جلدی سے کشتی کے پیچھے لیٹ گیا۔ کوئی بربری زبان میں کہہ رہا تھا۔ "ہم دور دور تک دیکھ آئے ہیں، میرے خیال میں وہ کہیں آس پاس ہی ہوگا۔ ہمیں ایک آدمی کے متعلق اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آج ہم نے جی بھر کے شکار کھیلا ہے۔"

دوسرے آدمی کی آواز آئی۔ "لیکن اس نے ہمارے تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کشتی کے اندر ہی چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ اچانک چیتے کی طرح نمودار ہوا اور آن کی آن میں ہمارے تین ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔"

ایک اور آواز آئی۔ "اب شور مچانے سے کوئی فایدہ نہیں۔ وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔ اگر

وہ سمندر کی مچھلی نہیں تھا، تو ہم صبح کی روشنی میں اُسے تلاش کرلیں گے۔ اب دو آدمی یہاں رہیں۔ ممکن ہے کہ وہ کشتی کی طرف آئے۔"

قدرے توقف کے بعد کسی کی آواز آئی: "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس کشتی کو اپنے جہازوں کے پاس پہنچا دیں؟"

کسی نے کچھ فاصلے سے جواب دیا: "نہیں ہم نے کشتی کو کھینچ کر ریت پر چڑھا دیا ہے۔ ایک آدمی اُسے دھکیل کر سمندر میں نہیں ڈال سکتا۔ اگر وہ یہ کوشش کرے بھی تو یہاں سے تمہارے تیروں کی زد میں ہوگا۔ تم ہوشیار رہو۔ ممکن ہے کہ وہی آدمی دشمن کے بیڑے کا امیر ہو۔"

جب سعد کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ چٹان پر صرف دو آدمی رہ گئے ہیں، تو اس نے گیلی ریت کی ایک مٹھی اٹھا کر کشتی کی طرف پھینکی۔ کشتی کے پیچھے لیٹا ہوا آدمی سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سعد نے آہستہ سے عربی زبان میں کہا: "گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا دوست ہوں تم وہیں رہو۔ میں تمہارے پاس آتا ہوں۔"

سعد آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کشتی کے قریب پہنچا اور بولا: "میں اس جہاز پر آیا ہوں جو سبتہ سے اس قلعے کے لیے رسد کا سامان لا رہا تھا۔"

اجنبی نے عربی میں سوال کیا: "وہ جہاز کہاں ہے؟"

"وہ یہاں خطرہ دیکھ کر واپس لوٹ گیا ہے۔ جہاز کے کپتان نے مجھے کشتی پر یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اب آپ میرے رہنما ہیں۔"

اجنبی کشتی کے عقب سے سرکتا ہوا سعد کے قریب آگیا اور بولا: "اگر تم ہمارے ساتھی ہو تو تم نے جہاز چھوڑ کر یہاں آنے میں غلطی کی ہے۔ اب تھوڑی دیر کے بعد صبح کی روشنی میں تم ہر چٹان کے پیچھے دشمن کے تیر انداز دیکھو گے۔"

سعد نے کہا: "صبح کی روشنی سے پہلے ہم بہت کچھ سوچ سکتے ہیں۔"

اجنبی نے کہا: "اب شاید ہم اس کے سوا اور کچھ نہ سوچ سکیں کہ صبح وہ ہمیں کس طرح

موت کے گھاٹ اتاریں گے۔ میں ڈوبتے ہوئے جہاز سے بچ کر یہاں پہنچا تو وہ تاک لگائے بیٹھے تھے۔ یہاں اپنے پانچ ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر نکلا تو چٹان پر چڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ آگے دشمن کے بے شمار سپاہی گشت کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دیر تک میں ایک کھڈ میں پڑا رہا۔ پھر کشتی کو اپنا آخری سہارا سمجھ کر واپس آیا تو انھوں نے چٹان پر دو پہرے دار بٹھا دیے ہیں۔ اب ہمارے لیے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں۔"

سعد نے کہا: "دیکھیے ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم ان دو آدمیوں سے نجات حاصل کریں۔ میں نے ایک تجویز سوچی ہے۔ آپ حملے کے لیے تیار رہیں۔" یہ کہہ کر سعد نے اپنی تلوار نکالی اور لیٹے لیٹے کشتی سے ذرا آگے سرک کر ایک زخمی کی طرح کراہنا شروع کر دیا۔

چٹان کے ایک پہرے دار نے اپنے ساتھی سے کہا: "ارے سنو! کسی کم بخت میں ابھی تک جان باقی ہے!"

سعد نے کراہنے کے ساتھ ساتھ بلند آواز میں کہا: "پانی! پانی!!"

پہرے دار چلایا: "ٹھہرو ابھی تمہیں پانی پلاتے ہیں۔"

پہرے دار چٹان سے اتر کر بھاگتے ہوئے آگے بڑھے۔ سعد خاموش ہوگیا۔ وہ تلواریں نکال کر ادھر اُدھر بکھری ہوئی لاشوں کو دیکھ رہے تھے کہ سعد اور اس کے ساتھی نے اچانک اُٹھ کر ان پر دھاوا بول دیا۔ پلک جھپکنے کی دیر میں زمین پر ان کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

ان دو آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد سعد اور اس کا ساتھی ایک لمحہ کے لیے بے حس و حرکت کھڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے۔ قلعے کی سمت آدمیوں کی چیخ پکار کم ہو چکی تھی۔ اجنبی نے کہا: "اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

سعد نے جواب دیا: "آپ کی آمد سے پہلے میں قلعے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا اور اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ میرے راہنما ہیں۔"

اجنبی نے کہا: "ہم دونوں قدرت کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ دشمن نے قلعے کو چاروں طرف

سے گھیر رکھا ہے۔ خلیج پر ان کے جہازوں کا قبضہ ہے اور آس پاس کی چٹانوں اور پہاڑیوں پر ان کے پیادوں اور سواروں کا قبضہ ہے۔ اگر ہم رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قلعے کی چار دیواری تک پہنچ بھی جائیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ وہاں دشمن کے سپاہیوں کی موجودگی میں ہم اندر داخل ہو سکیں اب اگر ہم کشتی کو پانی میں دھکیل کر یہاں سے جانے کی کوشش کریں تو صبح تک ہم زیادہ دور نہیں جا سکتے۔ کشتی کو یہاں نہ پا کر وہ یقیناً ہماری تلاش کریں گے۔ کچھ دیر پہلے میرا خیال تھا کہ میں کشتی پر بیٹھ کر چند میل مغرب کی طرف نکل جاؤں اور پھر ساحل پر اتر کر صحرا کا رُخ کروں۔ لیکن اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ کوشش خطرناک ہوگی۔ اب آخری صورت یہی ہے کہ ہم جنوب کا رُخ کریں۔ ہماری فوج کا مستقر یہاں سے چالیس کوس ہے۔ اگر ہم کسی طرح وہاں پہنچ جائیں یا انھیں قلعے کی صورتحال سے باخبر کر سکیں تو قلعے کے محافظ دستے کو بچایا جا سکتا ہے۔"

سعد نے کہا "چلیے، اب دیر نہ کیجیے۔ صبح ہونے والی ہے!"

اجنبی کچھ کہے بغیر سعد کے آگے آگے ہو لیا لیکن چند قدم چلنے کے بعد سعد نے محسوس کیا کہ وہ بری طرح لنگڑا رہا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "آپ زخمی ہیں؟"

اجنبی نے جواب دیا "جب میں جلتا ہوا جہاز چھوڑ کر کشتی میں سوار ہو رہا تھا، دشمن کا ایک تیر میری ٹانگ پر لگا تھا۔ تیر میرے ایک ساتھی نے نکال دیا لیکن رگوں میں کچھ کھچاؤ محسوس کرتا ہوں۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

چٹان کے قریب پہنچ کر سعد نے اپنے ساتھی کو وہاں ٹھہرنے کیلیے کہا اور خود چٹان پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد واپس آ کر کہا "آئیے!" —— کوئی ڈیڑھ میل طے کرنے کے بعد سعد کو اپنے ساتھی کی سست رفتاری اس کے زخم کی تکلیف کا پتہ دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے رک کر کہا "آپ کا میری وجہ سے خطرے میں پڑنا مناسب نہیں۔ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپ مجھے یہیں چھوڑ دیں۔ دو جانوں کے ضائع ہونے کی بجائے ایک کا بچ نکلنا بہتر ہے۔ ممکن ہے آپ امیر لشکر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں اور قلعے کے محافظ بچ جائیں!"

سعد نے کہا "آپ خدا پر توکل کیجیے۔ ممکن ہے آپ کو زیادہ دور چلنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے

سعد کی حوصلہ افزا باتوں نے اس کے ساتھی کی ہمت تازہ کر دی اور وہ انتہائی تکلیف کے باوجود پوری رفتار سے اس کا ساتھ دینے لگا۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ کوئی آدھ میل چلنے کے بعد سعد اور اس کا ساتھی اپنے بائیں ہاتھ ایک وادی میں دشمن کی فوج کا وسیع پڑاؤ دیکھ رہے تھے۔ سعد ان کی نظر سے بچنے کے لیے دائیں ہاتھ مڑا اور پتھریلوں اور پہاڑیوں کے ناہموار راستے پر چلنے لگا۔ صبح کی بڑھتی ہوئی روشنی کے ساتھ اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اجنبی کے چہرے کے خدوخال میں غایت درجہ کی دلفریبی تھی۔ عمر میں بھی وہ سعد سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سعد اس کے سڈول جسم، کھلتے ہوئے سانولے رنگ اور عقابی نگاہوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے کہا "آپ بہت تکلیف میں ہیں مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دور جا کر ہم خطرے کی زد سے باہر ہوں گے، دیکھیے قدرت ہماری مدد کر رہی ہے۔ دشمن رات کے وقت کس قدر ہوشیار تھا اور اب کتنا بے خبر ہے؟"

اجنبی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "ان کی ساری توجہ قلعے کی طرف ہے۔ پھر بھی جب تک ہم صحرا کا رُخ نہیں کرتے ہمیں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے۔ مجھے پیاس بہت تکلیف دے رہی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ قلعے سے کچھ دور مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا چشمہ ہے، میرے خیال میں وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوگا۔ اگر پانی کے چند گھونٹ مل جائیں تو ممکن ہے کہ کچھ دور اور آپ کا ساتھ دے سکوں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہاں بھی دشمن کے آدمی موجود نہ ہوں —— سنیے!"

سعد نے چوکنا ہو کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرے خیال میں یہ اونٹوں کی بلبلاہٹ ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں!"

سعد بھاگتا ہوا ایک بلند ٹیلے پر چڑھا۔ اس کا ساتھی ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سعد اسی طرح بھاگتا ہوا واپس آیا اور بولا "آئیے میں نے آپ کے لیے پانی اور سواری دونوں کا بندوبست کر لیا ہے۔ چشمہ اس ٹیلے کے پیچھے ہے اور وہاں ایک آدمی اونٹوں پر پانی

لادلر وہاں سے نکلا ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر پہلے پہنچ جاتے تو تنگ وادی کے کسی موڑ پر اسے پکڑ لیتے۔ لیکن اب وہ دور جا چکا ہو گا۔ ہمیں کسی اور کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

تھوڑی دیر بعد سعد اور اس کا ساتھی چشمے والی وادی کی طرف جانے والی پگڈنڈی کے ایک موڑ پر پہنچے، سعد اپنے ساتھی کو وہاں کھڑا کر کے دوبارہ ٹیلے پر چڑھا۔ جب چشمے سے اونٹوں کا ایک نیا قافلہ روانہ ہوا۔ تو وہ اپنے ساتھی کو ہاتھ سے اشارہ کرنے کے بعد نیچے اترا۔

"دو آدمی چار اونٹوں کو لے کر آ رہے ہیں۔" سعد نے اپنی کمان میں تیر چڑھاتے ہوئے کہا

اجنبی نے نیام سے تلوار نکال لی اور سوال کیا۔ "چشمے پر باقی کتنے آدمی ہیں؟"

"کوئی پندرہ بیس ہوں گے۔ اونٹوں کی تعداد شاید ان سے دگنا زیادہ ہو۔ لیکن چشمہ یہاں سے کافی دور ہے۔ جب تک دوسرا قافلہ آئے گا ہم کم از کم آدھ میل دور جا چکے ہوں گے۔ اب راستہ بتانا آپ کا کام ہے!"

خدا ہمارے لیے سواری بھیجے گا تو راستہ بتانے والے بھی مل جائیں گے۔ صحرا میں ان لوگوں سے بہتر ہماری رہنمائی کوئی نہیں کر سکتا۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اونٹوں کے ساتھ ان آدمیوں کو بھی پکڑ کر ساتھ لے جائیں۔"

جب کچھ دور دو آدمی باتیں کرتے ہوئے سنائی دیے تو سعد اور اس کا ساتھی پگڈنڈی کے موڑ پر ایک پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ایک صحرائی اگلے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے تھا اور دوسرا آخری اونٹ کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ جونہی پچھلا آدمی موڑ پر پہنچا۔ سعد کے ساتھی نے اچانک پتھر کی آڑ سے نمودار ہو کر اس کے سینے پر تلوار کی نوک رکھ دی اور سعد نے آگے بڑھ کر اگلے آدمی کی طرف کمان سیدھی کرتے ہوئے بربری زبان میں کہا۔ "ٹھہرو!"

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور بدحواس ہو کر اونٹ کی نکیل چھوڑ دی۔

سعد نے کہا۔ "اونٹ کی نکیل پکڑ لو اور دائیں ہاتھ چلو! بھاگنے یا شور مچانے کی کوشش کرو گے تو مارے جاؤ گے اور اپنا خنجر پھینک دو۔ جلدی کرو!"

بربری نے اپنے ساتھی کو بھی زندگی سے زیادہ موت کے قریب دیکھا تو فوراً سعد کے حکم کی تعمیل کی اور اپنا خنجر پھینکنے کے بعد دوبارہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر دائیں ہاتھ ہو لیا۔

سعد اور اس کا ساتھی انھیں ڈرا دھمکا کر اونٹ کو تیزی سے ہانکنے پر مجبور کر رہے تھے کوئی تین سو گز ایک ناہموار راستے پر چلنے کے بعد انھوں نے ایک ٹیلے کی آڑ میں پہنچنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ بربریوں نے ان کے حکم سے اونٹوں کو بٹھا دیا۔ سعد نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "آپ پانی پی سکتے ہیں؟"

"نہیں، اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔ میں تھوڑی دور جا کر پانی پی لوں گا۔ اب مشکیزہ کھولنے اور بند کرنے میں دیر لگے گی۔"

سعد نے کہا۔ "کیا آپ کے خیال میں چاروں اونٹوں پر پانی ہماری ضرورت سے بہت زیادہ نہیں؟"

"نہیں، فالتو پانی اونٹوں کے کام آئے گا۔ ممکن ہے کہ ہمارا سفر توقع سے زیادہ طویل ہو!" یہ کہہ کر سعد کا ساتھی بربریوں کی طرف متوجہ ہوا۔ "دیکھو اگر تم شرافت سے ہمارا ساتھ دو تو تمہاری جانیں محفوظ ہوں گی۔ ہم امیر یوسف کے لشکر کی قیام گاہ تک پہنچنا چاہتے ہیں اگر تم ہمیں وہاں لے چلو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم آزاد کر دیے جاؤ گے اور یہ اونٹ بھی تمہیں واپس دے دیے جائیں گے لیکن اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے یا بھاگنے کی کوشش کی تو قتل کر دیے جاؤ گے!"

ایک بربری نے کہا۔ "ہم نے اپنے سردار کی سختیوں سے مجبور ہو کر لڑائی میں حصہ لیا ہے۔ اگر آپ وعدہ کریں کہ ہمیں مرابطین کے امیر کے پاس پناہ مل جائے گی تو ہم آپ کے ساتھ جانے کیلیے تیار ہیں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ تم بھی اونٹوں پر سوار ہو جاؤ اور ہمارے آگے آگے چلو۔" یہ کہہ کر وہ سعد کی طرف متوجہ ہوا اور عربی زبان میں بولا۔ "آپ محتاط رہیں۔ ابھی مجھے ان کے وعدوں پر یقین نہیں۔"

سعد نے ایک اونٹ پر کود کر سوار ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں میرا کوئی تیر خالی

نہیں جائے گا۔"

(۵)

کوئی تین کوس چلنے کے بعد سعد اور اس کے ساتھی نے اونٹوں سے اتر کر ایک مشکیزہ کھولا اور پانی پینے کے بعد دوبارہ سوار ہو گئے۔ سعد کے ساتھی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن ہمارا ہر لمحہ قیمتی ہے۔ قلعے کے محافظ دشمن کو زیادہ دیر نہیں روک سکیں گے۔ اگر دشمن قلعے پر قابض ہو گیا تو ہماری صحرا میں لڑنے والی فوج کے عقب میں رسد و کمک کے راستے خطرے میں پڑ جائیں گے۔"

سعد کے چند سوالات کے جواب میں اس کے ساتھی نے بتایا کہ میں مرابطین کی بحری فوج کا ایک عہدہ دار ہوں۔ میں نے دو جہازوں کے ساتھ بحیرہ روم کے ایک ٹاپو میں ڈاکوؤں کے اڈے پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے ان کا ایک جہاز جلا دیا۔ دوسرا بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک قزاقوں کے چار اور جہاز اس طرف آنکلے۔ میں نے مجبوراً واپسی کا حکم دیا۔ قلعے کی حفاظت کے لیے میں دو جہاز چھوڑ آیا تھا اور خیال تھا کہ اگر ہم واپس اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں تو دشمن کو آسانی سے شکست دے سکیں گے۔ قلعہ زیادہ دور بھی نہ تھا لیکن ہم دشمن کے تعاقب سے بچ کر ساحل کے قریب پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا دشمن کے چند اور جہاز ہمارے جہازوں کو جلانے کے بعد خلیج پر قابض ہو چکے ہیں۔ اب ہمارے لیے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ پانچ جہاز جو ہمارا پیچھا کر رہے تھے قریب پہنچ چکے تھے۔ فتح اور شکست سے بے پروا ہو کر ہم نے خلیج کی طرف جمع ہونے والے جہازوں پر حملہ کیا اور دشمن کے دو جہازوں کو آگ لگا دی۔ لیکن اتنی دیر میں ہم چاروں طرف سے ان کے نرغے میں آچکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے ایک جہاز کو آگ لگ گئی۔ میں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنا جہاز ایک طرف نکالنے کی کوشش کی لیکن جلتے ہوئے جہازوں کے شعلوں نے دشمن کیلیے مشعل کا کام دیا۔ جب انھوں نے اس جہاز کو بھی آگ لگا دی تو ہم نے اچانک جلتے ہوئے جہاز کا رخ بدل کر اسے دشمن کے قریب ترین جہاز کے ساتھ ٹکرا دیا۔ دشمن انتہائی کوشش کے باوجود اپنے جہاز کو آگ کے شعلوں کی زد سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اب دونوں جہازوں کے ملاح سمندر میں کود رہے تھے۔ اس افراتفری میں مجھے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک کشتی پر سوار ہو کر کنارے تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ لیکن وہاں بھی دشمن ہماری تاک میں تھا۔ میرے ساتھیوں کی لاشیں تم دیکھ چکے ہو۔ ان میں چار بہترین جہاز ران تھے۔ چونکہ دشمن سمندر کی طرح خشکی پر بھی چوکس تھا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ہمارے جو آدمی رات کے وقت جہازوں سے کود کر کنارے میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے۔ اس وقت تک شاید ان میں سے کوئی زندہ نہ ہو۔ اگر قدرت آپ کو وہاں نہ بھیجتی تو شاید میں بھی اس وقت تک زندگی سے زیادہ موت کے قریب ہوتا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ اندلس کے باشندے ہیں؟"

سعد نے جواب دیا۔ "آپ کا قیاس صحیح ہے۔ میں غرناطہ سے آیا ہوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ مجھے سبتہ سے اس طرف آنے والے جہاز پر جگہ مل گئی۔ ورنہ میں خشکی کے راستے امیر یوسف تک پہنچنے کا ارادہ کر چکا تھا۔"

سعد کا ساتھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ نوجوان غرناطہ کے پر رونق شہر سے اس ویرانے میں کسی اہم مقصد کے بغیر نہیں آیا۔ تاہم اس نے سعد کے عزائم کے متعلق براہِ راست کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔

دن کے تیسرے پہر تک وہ اونٹوں کو پوری رفتار سے ہانکتے رہے۔ لق و دق صحرا میں کہیں کہیں انھیں چھوٹے چھوٹے نخلستان دکھائی دیتے تھے۔ لیکن سعد کے ساتھی کو ان نخلستانوں میں رہنے والے قبائل کی دوستی یا دشمنی کے متعلق پورا اطمینان نہ تھا اس لیے اس نے راستے کی بستیوں کے قریب سے گزرنا مناسب نہ سمجھا۔

شام سے کچھ دیر پہلے جب وہ ایک بستی سے کترا کر گزر رہے تھے، سعد نے اپنے ساتھی سے سوال کیا۔ "آپ کو فوج کے مستقر کے صحیح محلِ وقوع کا علم ہے؟"

"نہیں۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ ہمیں اسی سمت جانا چاہیے۔" یہ کہہ اس نے بربری قیدیوں کو آواز دی اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اگر تم آج رات ہمیں مستقر تک پہنچا دو تو میں تمہیں معقول انعام دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

ایک بربری نے جواب دیا۔ "اگر آپ کی فوج کہیں آگے نہیں نکل گئی تو ہمیں امید ہے کہ ہم غروب آفتاب سے تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ جائیں گے۔"

سعد نے اپنے ساتھی سے سوال کیا۔ "میرا خیال ہے کہ حملہ آوروں کی تعداد کئی ہزار ہے۔"

اس نے جواب دیا۔ "میں ان کی تعداد سے پریشان نہیں۔ انھوں نے صرف یہ سمجھ کر حملہ کیا ہے کہ ہماری فوج کی توجہ دوسرے محاذ پر ہے اور وہ کمک پہنچنے سے پہلے قلعے پر قابض ہو جائیں گے۔ اگر قلعے کے محافظ دو دن تک مقابلہ کر سکے تو ہماری فوج ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے گی اور پھر ہمارے سواروں کے سامنے ان کا وہی حشر ہوگا جو آندھی کے سامنے خشک پتوں کا ہوتا ہے۔"

سعد نے کہا۔ "میں حیران ہوں یہ صحرائی لوگ اتنے جہاز کہاں سے لے آئے؟"

اجنبی نے کہا۔ "یہ چند جہاز جو آپ نے دیکھے ہیں، ہمارے دشمن کے بحری بیڑے کا معمولی حصہ ہیں۔ یورپ کی کئی سلطنتوں کے سمندری لٹیرے ان لوگوں کی پشت پر ہیں۔ بعض عیسائی حکمران بھی انھیں مدد پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ افریقہ میں ہماری بیداری کو اپنے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ ان خطوں میں ہماری جنگ طول پکڑ جائے تو روم، یونان اور شمالی اندلس کے عیسائی افریقہ کے ساحل پر کھلے بندوں حملہ کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جنوب مغرب کی طرف پاؤں پھیلانے سے پہلے ان علاقوں میں مستحکم ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ قلعے پر بیک وقت بری اور بحری حملے کر کے دشمن یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کہاں تک افریقہ کے ساحل کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اگر باغی قبائل قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو شمالی ممالک سے عیسائیوں کی طرف سے ان کے لیے رسد اور کمک کا راستہ کھل جائے گا۔"

سعد نے سوال کیا۔ "ان باغی قبائل کے ساتھ مسلمان بھی ہیں؟"

"ہاں چند نام نہاد مسلمان قبائل بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان قبائل کے سردار اور شیوخ افریقہ میں ایک اسلامی سلطنت کی تشکیل کو اپنے ذاتی اقتدار کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں اور ہم افریقہ کے مستقبل کے لیے ان لوگوں کا وجود غیر مسلموں سے کم خطرناک نہیں سمجھتے۔"

(۶)

ایک پہر رات گزر چکی تھی اور تھکے ہوئے اونٹ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے۔ یہ لوگ تھکاوٹ اور بھوک سے نڈھال ہو چکے تھے۔ اچانک ریت کا ایک ٹیلہ عبور کرنے کے بعد انھیں روشنی دکھائی دی۔ بربری قیدی نے کہا۔ "لیجیے آپ کی منزل آگئی! فوج کا پڑاؤ اس بستی کی دوسری جانب ہے۔"

وہ بستی کو ایک طرف چھوڑ کر نخلستان سے گزرتے ہوئے دوسری طرف پہنچے تو ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی، وہاں فوج چھوڑ کر کسی معمولی قافلے کے بھی آثار نہ تھے۔ وہ بدحواسی کی حالت میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سعد نے اپنی کمان پر تیر چڑھاتے ہوئے اپنے ساتھی سے عربی زبان میں کہا۔ "آپ ہوشیار رہیے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

سعد کے ساتھی نے قیدیوں کی طرف متوجہ ہو کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم ہمیں کہاں لے آئے ہو، فوج کا پڑاؤ کہاں ہے۔ بولتے کیوں نہیں؟"

ایک قیدی نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ پانچ دن پہلے آپ کی فوج کا پڑاؤ اسی جگہ تھا۔ آپ نیچے اتر کر دیکھیں تو آپ کو پڑاؤ کے آثار مل جائیں گے۔ ورنہ آپ بستی میں جا کر لوگوں سے معلوم کر لیں وہ شاید آپ کو یہ بھی بتا دیں گے کہ آپ کی فوج کہاں گئی ہے۔"

سعد نے کہا۔ "تم لوگ اس بات کا یقین رکھو کہ اگر ہمیں یہاں کوئی خطرہ پیش آیا تو تمہاری خیر نہیں۔" پھر وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ اردگرد چکر لگا کر دیکھیں اور میں ان

کا خیال رکھتا ہوں۔"

اچانک ایک طرف سے آواز آئی "کون ہے؟"

جب اس طرف سے کسی نے جواب نہ دیا۔ تو کسی نے زیادہ بلند آواز میں کہا "کون ہے جواب کیوں نہیں دیتے؟" اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے چند اور آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ "کون ہے، کیا ہوا؟ یہاں کھڑے کس کو آوازیں دے رہے ہو؟"

سعد کے ساتھی نے کہا "لیکن یہ ممکن نہیں کہ فوج نے یہاں سے کوچ کرتے وقت پڑاؤ بالکل خالی کر دیا ہو۔ یہاں کم از کم بیماروں، زخمیوں اور ان کے محافظوں کو ضرور ہونا چاہیے۔"

بربری قیدی نے آہستہ سے کہا "کیا اب بھی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں؟"

"نہیں" سعد کے ساتھی نے مطمئن ہو کر چند قدم دور آپس میں بحث کرنے والے سپاہیوں کو آواز دی "کیا یہ مرابطین کے لشکر کی قیام گاہ ہے؟"

کسی نے جواب دیا "تم کون ہو؟ وہیں کھڑے رہو!"

"ہم ایک ضروری پیغام لائے ہیں۔"

آن کی آن میں آٹھ دس آدمی ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک پہریدار نے سوال کیا "تم کہاں سے آئے ہو؟"

سعد کے ساتھی نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا "تم میں سے کوئی سیر بن ابوبکر کو پہچانتا ہے؟"

ایک پہریدار بدحواس ہو کر چلایا "امیر البحر سیر بن ابوبکر! خدا کی قسم میں نے آپ کی آواز پہچان لی تھی لیکن مجھے یہ خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ آپ اس وقت یہاں آسکتے ہیں۔"

"امیر یوسف کہاں ہیں؟"

پہریدار نے جواب دیا "انھوں نے پرسوں یہاں سے مشرق کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

آج خوشخبری آئی ہے کہ ہماری فوج نے یہاں سے کوئی بیس کوس دور دشمن کی بہت بڑی تعداد کو شکست دی ہے اور باغیوں کے پندرہ سرکردہ سردار گرفتار کر لیے گئے ہیں شاید ایک دو روز میں وہ واپس یہاں پہنچ جائیں۔"

سیر بن ابوبکر نے پوچھا "یہاں کتنے آدمی ہیں؟"

"کوئی تین سو۔ زیادہ تعداد زخمیوں اور بیماروں کی ہے۔"

سعد اور اس کا ساتھی اونٹوں سے اتر کر پہریداروں کے جلو میں کیمپ کے اندر داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد دو سپاہی مشعلیں اٹھائے سیر بن ابوبکر کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور وہ کیمپ کے سالار کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ یہ بات سعد کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اس کا رفیق سفر یوسف بن تاشفین کا چچازاد بھائی ہے، وہ خاموش کھڑا مشعل کی روشنی میں اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔

سیر بن ابوبکر نے کیمپ کے سالار سے کہا "میرا امیر یوسف کے پاس فوراً پہنچنا ضروری ہے۔ میرے لیے گھوڑا تیار کرو اور چار سوار جو راستے سے واقف ہوں، میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائیں اور اتنی دیر میں ہمارے لیے کھانا لے آؤ۔ لیکن تکلف کی ضرورت نہیں جو کچھ اس وقت تیار ہے لے آؤ۔ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔"

پھر وہ سعد کی طرف متوجہ ہوا "آپ یہاں آرام کریں۔ میری منزل ابھی دور ہے۔"

"نہیں میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ بلکہ یہ بہتر ہوتا کہ آپ آرام کرتے اور میں امیر کے پاس پیغام لے جاتا۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کا زخم بگڑ نہ جائے۔"

سیر بن ابوبکر نے مسکراتے ہوئے کہا "زخم کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔"

کھجوریں، باجرے کی خشک روٹی اور پنیر کھانے کے بعد امیر سیر اور سعد دوبارہ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے ابوبکر نے بربری قیدیوں کے متعلق کیمپ کے سالار کو ہدایت کی کہ یہ تین دن تک ہمارے مہمان رہیں گے اس کے بعد انھیں عزت کے

ساتھ رخصت کیا جائے اور ان اونٹوں کے علاوہ ہماری طرف سے ایک ایک گھوڑا اور پچاس پچاس دینار بطورِ انعام دیے جائیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تین دن تک انھیں یہاں رکھا جائے!"

(۷)

صبح کی نماز سے تھوڑی دیر بعد سیر بن ابوبکر لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی گھوڑے سے کود پڑا۔ سعد نے اس کی تقلید کی۔ چند سپاہی آن کی آن میں ان کے گرد جمع ہو گئے۔

سیر بن ابوبکر نے سپاہیوں کے مؤدبانہ سلام کا ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے سوال کیا۔" امیر یوسف کہاں ہیں؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا۔" آئیے وہ اپنے خیمے میں ہیں۔"

سیر بن ابوبکر سعد کو ساتھ لے کر سپاہی کے پیچھے ہو لیا۔ سعد اپنے دل میں عجیب دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ افریقہ کے رجلِ عظیم کی مختلف خیالی تصویریں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ ان کا راہنما ایک کشادہ خیمے کے سامنے رکا۔ دروازے کا پردہ اٹھا ہوا تھا۔ سیر بن ابوبکر اور سعد کسی توقف کے بغیر اندر داخل ہوئے۔

امیر یوسف بن تاشفین کھجور کی ایک چٹائی پر بیٹھا اپنے کاتب کو کچھ لکھوا رہا تھا۔ سیر بن ابوبکر نے "السلام علیکم" کہا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے سر اٹھایا۔ ایک ثانیہ کے لیے اس کی نظریں اپنے چچا زاد بھائی کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اس کے چہرے کے خدوخال میں سادگی اور متانت کے علاوہ ایک غیر معمولی رعب و جلال تھا۔ اس کی نگاہوں کا تجسس اس شیر کی مانند تھا جسے کسی نے چھیڑ کر گہری نیند سے بیدار کر دیا ہو۔

سیر بن ابوبکر نے کہا۔" یا امیر! میں بہت بری خبر لایا ہوں!"

" اس سے زیادہ بری خبر کیا ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں سمندر کی بجائے صحرا میں دیکھ رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے یوسف بن تاشفین اٹھ کھڑا ہوا اور فیصلہ کن انداز میں بولا۔" تمہید کی ضرورت نہیں۔ مجھے جلدی بتاؤ!"

سیر بن ابوبکر نے چند الفاظ میں اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ سعد کی توقع کے خلاف مرابطین کا امیر انتہائی صبر و سکون کے ساتھ تمام واقعات سن رہا تھا اور اس کے کشادہ چہرے پر اضطراب کا نشان تک نہ تھا۔ اس کے بعد جب وہ اپنے چچا زاد بھائی سے سوالات پوچھ رہا تھا تو سعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ ایک سمندر کی پرسکون سطح کے نیچے اتھاہ گہرائیوں میں سونے والے طوفان کروٹیں لے رہے ہیں اور پھر جب وہ خیمے سے باہر نکل کر بلند آواز میں اپنے سپاہیوں اور سالاروں کو حکم دے رہا تھا، سعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی کے تمام ہنگامے سمٹ کر اس درویش خصلت حکمران کے وجود میں سما چکے ہیں۔ وہ خوبصورت آنکھیں جن میں چند لمحے پیشتر شفقت، رحم اور محبت کے دریا موجزن تھے، اب بجلیوں کا گہوارہ بنی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر میں پانچ ہزار سوار اس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ کوچ کرنے سے پہلے اس نے پیادہ سپاہ کے سالاروں کو حکم دیا، کہ وہ پچھلے پڑاؤ پر پہنچ کر حکم ثانی کا انتظار کریں! پھر وہ سیر بن ابوبکر کی طرف متوجہ ہوا۔" سیر! تم زخمی ہو، اس لیے آرام کرو!"

" نہیں میرا زخم بہت معمولی تھا۔ اب تو میں محسوس بھی نہیں کرتا۔"

" اور تم ــــ؟" وہ پہلی بار سعد کی طرف متوجہ ہوا۔

سعد بولا۔" مجھے تھکاوٹ ہے نہ زخم۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا!"

سیر بن ابوبکر اپنی سرگزشت کے دوران میں سعد کا تعارف کروا چکا تھا تاہم اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ امیر یوسف نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں دی، دوبارہ کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی۔" یہ غرناطہ سے ہمارے جہاد میں شریک ہونے کی تمنا لے کر آئے ہیں۔"

امیر یوسف نے کہا۔" نوجوان! تم نے جس میدان میں پاؤں رکھا ہے وہ بہت وسیع ہے تمہیں اپنی قوت بازو کی آزمائش کیلئے ان گنت موقعے ملیں گے۔ لیکن اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم بہت زیادہ تھکے ہوئے ہو۔"

سعد نے جواب دیا۔" آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔ لیکن میری سب سے بڑی خواہش

یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں۔ کاش میرا چہرہ میرے احساسات کی ترجمانی کر سکتا۔"

امیر یوسف نے اپنے ایک سالار کو آواز دے کر کہا۔ "اس نوجوان کو بہترین گھوڑا دیا جائے!"

تھوڑی دیر بعد نقارے پر چوٹ پڑی اور صحرا میں اٹھتے ہوئے غبار نے پانچ ہزار جانبازوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ سعد بن عبدالمنعم افریقہ کے شہسوار کے ہم رکاب تھا۔ قدرت نے اس کی توقع سے بہت پہلے اس کے لیے جہد و عمل کے دروازے کھول دیے تھے۔ اس کے کانوں میں بار بار یوسف بن تاشفین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ "تم نے جس میدان میں پاؤں رکھا ہے وہ بہت وسیع ہے۔" وہ ماضی کے نقاب اٹھا کر ان قافلوں کا تصور کر رہا تھا جو عرب کے ریگ زاروں سے نکل کر ساری دنیا پر چھا گئے تھے۔ اس نے بار بار یہ دعائیں مانگی تھیں کہ عالم اسلام سے پھر کوئی خالدؓ یا طارقؒ نمودار ہو اور وہ اس سے جا کر کہے "میں تمہاری فوج کا سپاہی ہوں۔ میں نے یہ تمام سپاہیانہ فنون اسی لیے سیکھے ہیں کہ تمہارا ساتھ دوں!"

امیر یوسف بن تاشفین گھوڑا دوڑاتا ہوا فوج کے مختلف دستوں کو ہدایت دیتا ہوا چند بار اس کے قریب سے گزرا تو اس کے دل میں خیال آیا۔ "کیا یہ وہی شہسوار ہے جسے قدرت نے اس زمانے میں طارقؒ کی یاد تازہ کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ کیا یہی وہ مجاہد ہے جو کسی دن اندلس کے مسلمانوں کا نجات دہندہ ثابت ہوگا ——— کیا یہ الفانسو کے خلاف وہی تلوار بلند کرے گا جو طارقؒ نے راڈرک کے خلاف بلند کی تھی؟" وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ افریقہ میں امیر مرابطین کا کام بہت وسیع ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ کام جس قدر وسیع ہے اسی قدر ضروری بھی ہے۔ افریقہ کی ایک طاقتور سلطنت نہ صرف اندلس کے مسلمانوں کی پشت پناہی کر سکے گی بلکہ وہ یورپ کی تمام ان سلطنتوں کا جواب ہوگی جو عالم اسلام پر آخری ضرب کے لیے صلیب کے جھنڈے تلے متحد ہو رہی ہیں۔

(۸)

حملہ آور قلعے پر ایک فیصلہ کن حملہ کر چکے تھے۔ اس سے قبل قلعے کے محافظ انھیں تین بار قلعے کی چار دیواری سے ہٹا چکے تھے۔ تیسرا حملہ جو انھوں نے رات کے تیسرے پہر کیا تھا بہت شدید تھا اور

چند آدمی سیڑھیاں لگا کر قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن انھیں ابھی تک قلعے پر قابض ہونے میں کامیابی نہ ہوئی تھی۔ محافظ دستے نے جان پر کھیل کر ایک بار پھر پیچھے دھکیل دیا تھا۔ ان حملوں میں قلعے کے سو محافظ سپاہیوں میں سے چالیس شہید ہو چکے تھے۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی جب محاصرہ کرنے والوں نے آخری حملہ کیا تو ان ساٹھ آدمیوں میں سے کسی کو یہ یقین نہ تھا کہ وہ آج کے آفتاب کو غروب ہوتا دیکھ سکیں گے۔ ان کے ترکش قریباً خالی ہو چکے تھے۔ لیکن عین اس وقت جب دشمن تین اطراف سے قلعے پر یلغار کر چکا تھا اور قلعے کے محافظ انتہائی مایوسی کی حالت میں انھیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جنوب کے افق سے گرد و غبار کے بادل نمودار ہوئے اور قلعے کا زخمی سالار جو دروازے کے برج پر کھڑا اپنے سپاہیوں کو ہدایت دے رہا تھا، بلند آواز میں چلّایا۔ "مجاہدو! ہمت کرو! ڈٹ جاؤ! فوج آگئی۔ ہماری فوج آگئی!!"

سپاہی ایک نئے ولولے کے ساتھ سیڑھیوں کے ذریعے قلعے کی دیواریں پھاندنے والے حملہ آوروں کو نیزوں، پتھروں اور تلواروں سے روکنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد گرد کے بادلوں سے نمودار ہونے والے سوار نصف دائرے میں قلعے کی تین اطراف میں پھیل گئے، حملہ آوروں کے پیادہ اور سوار جنوب کے نشیب میں اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر متعین تھے، بدحواس ہو کر ساحل کے ٹیلوں اور پہاڑیوں کا رخ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں مرابطین کی نصف فوج گھوڑوں سے اتر کر قلعے کے اردگرد چٹانوں اور پتھروں کی آڑ میں مورچے بنا چکی تھی۔ چند دستے ان کے گھوڑوں کی حفاظت کر رہے تھے اور باقی سوار پڑاؤ سے فرار ہونے والوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ حملہ آوروں کی فوج کا بیشتر حصہ جو کچھ دیر قبل قلعے پر یلغار کر رہا تھا، اب اپنی جانیں بچانے کی فکر میں تھا۔ وہ کبھی بھاگ نکلنے کی کوشش میں مرابطین کے تیراندازوں کی زد میں آجاتے اور کبھی سمٹتے ہوئے پھر قلعے کی چار دیواری تک جا پہنچتے۔ دوپہر تک مرابطین کا لشکر دشمن کے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار ...

کے بعد باقی فوج کو سمندر کی طرف دھکیل رہا تھا۔ خلیج میں ان کے پانچ جہاز کھڑے تھے اور بعض سپاہی پانی میں کود کر ان جہازوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر مرابطین کے تیروں کا شکار ہو رہے تھے۔ تین جہاز اس نئی صورت حال کے باعث خلیج کو چھوڑ کر کھلے سمندر کی طرف نکل گئے اور ان کے متعلق بعد میں امیر یوسف کو جنگی قیدیوں کی زبانی علم ہوا کہ ان میں سے دو اطالیہ اور ایک فرانس کے بحری ڈاکوؤں کا تھا۔ باقی جہاز قلعے سے ذرا دور خلیج کے ایک کشادہ حصے میں پہنچ چکے تھے اور ان کے ملاح سمندر میں کودنے والوں کو کشتیوں پر لاد کر ان جہازوں تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن تھوڑی دیر میں خلیج کے دونوں کناروں پر مرابطین کا پورا قبضہ ہو چکا تھا۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر قبل دشمن کی رہی سہی فوج نے جس کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی ہتھیار ڈال دیے۔ اب باقی جہاز بھی کھلے سمندر کا رُخ کر رہے تھے۔

یوسف بن تاشفین نے قلعے میں داخل ہو کر مغرب کی نماز ادا کی۔ چونکہ قلعے میں زیادہ فوج کے لیے جگہ نہ تھی۔ اس لیے امیر یوسف نے پانچ سو سپاہی وہاں چھوڑ کر باقی فوج کے ساتھ وادی میں جہاں کچھ دیر قبل دشمن کا پڑاؤ تھا، قیام کیا۔ دشمن کے سینکڑوں گھوڑے، اونٹ اور ایک بڑی مقدار میں سامانِ رسد اُن کے قبضے میں آ چکا تھا۔ جنگی قیدیوں کو پڑاؤ کے قریب جمع کر کے اُن پر پہرے داروں کا دستہ متعین کیا گیا۔

رات کو کھانا کھاتے وقت یوسف بن تاشفین نے سیر بن ابوبکر سے پوچھا۔ "تمہارا اندلسی دوست کہاں ہے؟ آج لڑائی میں مَیں خاص طور پر اُسے دیکھتا رہا ہوں۔ میرے خیال میں اس کے ترکش کا کوئی تیر بھی رائیگاں نہیں گیا ہوگا۔ قلعے سے واپس آتے وقت وہ ہمارے ساتھ تھا۔ اب کہاں ہے وہ؟"

سیر نے جواب دیا۔ "وہ یہاں پہنچتے ہی زمین پر لیٹ کر گہری نیند سو گیا ہے اور میں نے اُسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بہت تھکا ہوا ہے۔"

"وہ زخمی تو نہیں؟"

"میں نے یہ نہیں دیکھا اور اس نے مجھے بتایا بھی نہیں۔"

ایک سالار نے کہا۔ "میں نے اس کی آستین پر خون کے دھبے دیکھے تھے لیکن میرے استفسار پر اس نے مسکرا کر کہا۔ "یہ معمولی خراش ہے۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "سیر! تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں ایسے نوجوانوں کی بہت ضرورت ہے۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد سیر نے پانی کے چند گھونٹ پیے اور اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے دیکھ آؤں۔"

امیر یوسف نے کہا۔ "ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

(۹)

سعد گہری نیند سے بیدار ہوا اور مشعل کی روشنی میں اسے اپنے ارد گرد چند آدمی دکھائی دیے۔ ایک آدمی جھک کر اس کے قمیص کی آستین اوپر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مرابطین کا امیر تھا۔ سعد گھبراہٹ کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

یوسف بن تاشفین نے کہا۔ "اوہو! تم لیٹے رہو۔ میں تمہارا زخم دیکھنا چاہتا تھا۔"

سعد نے قدرے کھسیانا ہو کر کہا۔ "یہ معمولی خراش ہے۔"

یوسف نے زخم دیکھ کر کہا۔ "پھر بھی زخم کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ لاؤ میں پٹی باندھ دوں۔"

سعد کے بازو پر پٹی باندھنے کے بعد امیر یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "سیر! تم انھیں اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلاؤ۔ میں دوسرے زخمیوں کو دیکھ آؤں۔"

اگلی شام مغرب کے بحری اڈوں سے مرابطین کے دس جہاز پہنچ گئے اور ان کے امیر البحر نے یہ خوشخبری سنائی کہ ہم چند میل دور دشمن کے تین جہازوں کو تباہ کر چکے ہیں اور ایک جہاز کے یونانی کپتان کو ہم نے زندہ گرفتار کر لیا ہے۔

چوتھے روز صبح کی نماز کے بعد امیر یوسف نے سعد بن عبدالمنعم کو اپنے خیمے میں بلایا اور کہا۔" نوجوان مجھے تمہارے ساتھ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ میرا فرض تھا کہ میں تمہاری آمد کی وجہ دریافت کرتا ۔ اگر کسی معاملے میں تمہاری اعانت کر سکوں تو مجھے خوشی ہو گی۔"

سعد بن عبدالمنعم نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔" میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ توحید کے علمبرداروں کی فوج کا ایک سپاہی بنوں اور میرا خون اور پسینہ عالم اسلام کے اس دفاعی حصار کی تعمیر میں صرف ہو جس کی بنیاد آپ نے رکھی ہے۔ اندلس کے مسلمان آج زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور میں یہ معلوم کرنے کے لیے آیا تھا کہ آنے والے پُر آشوب دور میں افریقہ میں ہمارے بھائی ہماری کیا مدد کر سکیں گے۔ یہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ اندلس کے دفاع کی جنگ اس وقت افریقہ کے میدانوں میں لڑی جا رہی ہے اور وہ مجاہد جو افریقہ کے آخری کونے تک اسلام کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس عظیم مہم سے فارغ ہونے کے بعد اندلس کے مسلمانوں کی مظلومیت اور بے بسی سے اپنی آنکھیں بند نہیں کریں گے۔ میں اس مہم میں آپ کے ساتھ شریک ہونا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں۔"

یوسف بن تاشفین نے کہا۔" لیکن اگر میں اندلس کے مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت گوارا نہ کروں تو؟"

" مجھے یقین ہے کہ جب الفانسو کی تلوار ان کی شاہرگ تک پہنچ جائے گی تو آپ مداخلت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اندلس کے مسلمان خود آپ سے مداخلت کی التجا کریں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ افریقہ میں اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اندلس کی طرف متوجہ ہو جائیں لیکن جب افریقہ میں آپ کا کام ختم ہو جائے گا تو میں آپ کو یقین دلا سکوں گا کہ آپ کی دوسری منزل اندلس ہے اور اس وقت تک میں ایک سپاہی کی حیثیت میں آپ کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔"

یوسف بن تاشفین نے کہا۔" تم نے میرے ساتھ بہت بلند توقعات وابستہ کی ہیں اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں انھیں کہاں تک پورا کر سکوں گا لیکن میں تمہیں یہ اطمینان دلا سکتا

ہوں کہ جب تک الجزائر سے لے کر دریائے سینگال تک افریقہ کے لوگ ایک جھنڈے تلے نہیں آ جاتے میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ طوائف الملوکی کے باعث اہلِ افریقہ بھی کسی دن انہی مصائب کا سامنا کریں جو آج اندلس کے مسلمانوں کو پیش آ رہی ہیں۔ اس کام کے لیے مجھے ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑ سکتے ہوں اور سپاہیوں سے زیادہ ایسے اولوالعزم مبلغین کی ضرورت ہے جو اسلام کی تبلیغ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر سکتے ہوں۔"

" مجھے آپ جہاد اور تبلیغ دونوں کے لیے تیار پائیں گے۔"

" میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ سرِدست میں اندلس کے متعلق تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں یہ دُعا ضرور کرتا رہوں گا کہ جب کوئی موزوں وقت آئے تو خدا مجھے اندلس کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔"

سعد نے کہا۔" میں آپ سے کسی طرح کا مطالبہ نہیں کرتا اور آپ کو یقین دلاتا ہوں جب تک میں افریقہ میں ہوں اسلام کی فلاح و ترقی کے لیے آپ کے ساتھ میرا تعاون غیر مشروط ہو گا۔"

امیر یوسف نے کہا۔" اب میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ تم صاف گوئی سے کام لو گے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں اپنے ارادے سے آئے ہو یا کسی کے کہنے پر؟"

سعد نے جواب دیا۔" میں یہاں آنے کے لیے غرناطہ کے ایک فقیہ قاضی ابوجعفر کا مرہونِ احسان ہوں۔ لیکن اگر آپ کو یہ شک گزرا ہے کہ میں ملوک الطوائف میں سے کسی ایک کے ایما پر یہاں آیا ہوں تو مجھے اپنی ساری سرگزشت بیان کرنے کی اجازت دیجیے!"

یوسف بن تاشفین نے اپنے چہرے پر شفقت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔" تمہاری سرگزشت تمہاری پیشانی پر لکھی ہوئی ہے۔ تمہاری رگوں میں ایک بہادر باپ کا خون ہے